مقالاتِ صفدر

جلد اول

(مولانا) ثناء اللہ صفدر

انٹرنیٹ ایڈیشن

=÷=

عرض مؤلف:

قابلِ ذی وقار قارئین:

مقالات صفدر کا پہلا جلد آپ کی ہاتھوں میں ہے چند سال سے مشہور مجلات اور سوشل میڈیا پر بندہ کے مسلکی مضامین نشر ہوتے رہے، اسی دوران اندرون وبیرون ممالک سے اکثر مخلص احباب اظہار کرتے کہ ان دروس کو اگر تحریری شکل دی جائے تو زیادہ بہتر رہے گا لیکن بندہ ضعیف بوجوہ اس مطالبے کو ٹالتا رہا، بالاخر ساتھیوں کا اصرار میرے انکار پر غالب آکر رہا۔۔۔ چنانچہ جب ان دروس کو منظر عام پر لانے کا ارادہ کیا گیا تب از سرِ نوان دروس پر نظر ثانی کی گئی، بعض مقالات پر کچھ مناسب ترامیم، مغلق عبارات کی تسہیل و تشریح مزید یہ کہ حوالہ جات کا پورا پورا اہتمام کیا گیا۔ پھر بھی بشر ہونے کی حیثیت سے غلطی کا صدور بعید نہیں لہذا جہاں احباب کو کوئی غلطی نظر آجائے تو فورا مطلع فرمائے ان شاء اللہ دعا گو اور مشکور رہونگا، اس بات کی وضاحت کرنا ضروری سمجھتا ہوں میں کوئی محقق نہیں جو کچھ آپ حضرات کی خدمت میں پیش کیا گیا ہے یہ سب ہمارے اساتذہ کرام اور اکابرین کی کاوش اور تحقیق ہیں بندہ گنہگار فقط ناقل ہے۔

آخیر میں مؤدبانہ گذارش کرونگا کہ پٹھان ہونے کے ناطے میری اردو کمزور ہے امید ہے آپ حضرات اردو ادب وغیرہ کی غلطیوں سے درگزر کر کے مقصود کی طرف توجہ دینگے، اللہ تعالیٰ ہماری اس آدنی سی کاوش کو قبولیت سے نوازے۔

ثناء اللہ صفدر

بعد نماز عشاء 20 رمضان المبارک 2023

امام صاحبؒ کے متعلق ایک لاکھ سے زائد اعتراضات کا جواب
صرف اور صرف ایک ہی قاعدے سے

فرقہ غیر مقلدین ہو یا دیگر وہ تمام جماعتیں جو چار مذاہب میں سے کسی کے ساتھ بھی منسلک نہیں یہ سب اِسی مذموم جدوجہد اور کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ کس طرح چار ائمہ کرام خصوصاً امام اعظم رحمہ اللہ کی شان، قدر و منزلت کو کم کیا جائے اِسی لئے سادہ عوام کو ورغلانے اور گمراہ کرنے کی خاطر امام کے متعلق مختلف قسم کے اعتراضات نقل کرکے اُنہیں سناتے ہیں تاکہ یہ سادہ آدمی مذہب جیسے عظیم رشتے کو طلاق دیکر لامذہب بنے۔ اُن اعترضات میں بطور نمونہ چند اعتراضات ہیں۔

(1) امام بخاری رحمہ اللہ نے امام صاحب کو ناقص الحافظہ یعنی کمزور حافظے والا کہا ہے۔

(2) امام نسائی و ابن عدی نے امام صاحب کو ضعیف کہا ہے۔

(3) ابن مدینی نے کہا ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے پچاس احادیث میں غلطی کی ہے۔

(4) علامہ خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے تاریخ بغداد میں مستقل ایک پورے جلد میں امام صاحب کا رد لکھا ہے امام ابو داود رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ کہ اہل کوفہ کی حدیث میں نور نہیں ہے۔

(5) امام طاؤس رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اگر تجھ سے کوئی عراقی سو احادیث بیان کرے تو اس میں سے ننانوے حدیثوں کو پھینک دے اور ایک میں مشکوک رہ۔

(6) اِسی طرح ابن المبارک نے کہا ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ حدیث میں یتیم تھے۔

(7) اور ابن خلدون رحمہ اللہ نے لکھتا ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو صرف ستر احدیثیں یاد تھی۔

جواب

اگرچہ ہمارے علمائے کرام نے ایک ایک اعتراض کا مستقل تفصیلی جواب ذکر کیا ہے لیکن آج ہم بتوفیق اللہ مذکورہ اعتراضات کے متعلق ایک ایسے اہم قاعدے کو بطور جواب ذکر کرینگے جو کہ صرف ان

اعتراضات کیلئے نہیں بلکہ اگر لاکھ و کروڑ تک اعتراضات پہنچ جائے تو بھی یہ ایک ہی قاعدہ اُس کیلئے کافی ہے۔

قاعدے سے پہلے امام المناظرین رئیس المحدثین وکیل احناف مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی صاحب رحمہ اللہ کی ایک اہم عبادت ذکر کرونگا اور پھر اس کے بعد اُس اہم قاعدے کو لائینگے۔

امام المناظرین فرماتے ہیں کہ

جس طرح پانی دو قسم پر ہے قلیل اور کثیر یعنی کم اور زیادہ، قلیل پانی جو بالٹی میں ہو وہ ایک قطرہ پیشاب کرنے سے ناپاک ہو جاتا ہے مگر کثیر پانی مثلاً دریا یا سمندر میں دس بالٹیاں بھی پیشاب کی ڈال دیں تو وہ ناپاک نہیں ہوتا۔اسی طرح راوی دو قسم کے ہیں ایک وہ جن کی امامت وعدالت امت میں مسلّم ہے اُن کی مثال سمندر کی ہے ایسے راوی جرح مفسر سے بھی مجروح نہیں ہوتے۔کیونکہ ان کی شہرت کے مقابلے میں یہ جرح شاذ ہے جیسے امام بخاری

رحمہ اللہ کو ان کے اساتذہ امام ابوزرعہ رحمہ اللہ اور ابوحاتم رحمہ اللہ متروک قرار دیا مگر ان کے مسلمہ امامت کی وجہ سے جمہور نے اس کو قبول نہیں کیا اگرچہ امام مسلم ابوداؤد، ابن ماجہ نے امام بخاری رحمہ اللہ کی سند سے کوئی حدیث نہیں لی۔

دوسرے عام راوی ہیں اُن کی مثال قلیل پانی کی ہے اُن پر کوئی ایسا فسق ثابت کر دیا جائیگا جس کا گناہ ہونا امت میں متفق علیہ ہو تو اس کا ضعیف ہونا ثابت ہو جائیگا یا یہ ثابت کر دیا جائے کہ اِس کا حافظہ اتنا کمزور تھا کہ وہ حدیث یاد نہیں رکھ سکتا تھا تو بھی اس کا ضعیف ہونا ثابت ہو جائیگا۔

(تجلیات صفدر صفحہ 66 جلد 2 مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)

اب آتے ہیں اصل قاعدے کی طرف

محقق کبیر علاّمہ تاج الدین سبکی رحمہ اللہ اپنی کتاب قاعدۃُ فی الجرح والتعدیل میں اس قاعدے کو ذکر فرماتے ہیں آسانی کی خاطر عربی عبارت کو دو حصوں میں تقسیم کر کے ساتھ میں ترجمہ بھی ذکر کریں گے۔

حصہ اول کی عبارت یوں ہے

قاعدۃ ضروریۃٌ نافعۃ لا تراھا في شئٍ من کتب الاصول فانک اذا سمعت انّ الجرح مقدّمٌ علی التعدیل ورآیت الجرح والتعدیل و کنت غرّاً بالامور فدماً مقتصراً علی منقول الاصول حسبت انّ العمل علی جرحہ فایاک ثمّ ایاک والحذر من ہذا الحسبان

ترجمہ پہلے اپ جرح وتعدیل کی تعریف سمجھے کسی محدث امام وغیرہ کا مختلف الفاظ کے ساتھ تضعیف ثابت کرنے کو جرح کہتے ہیں۔ مثلاً کہا جائے کہ یہ راوی، امام و محدث کمزور حافظے والا تھا۔ یا یہ شیعہ ہے یا کہا جائے یہ چھوٹا ہے کذاب اور دجال ہے وغیرہ وغیرہ۔ اِسکے برعکس کسی محدث امام و مجتہد کے اچھے اوصاف بیان کرنے کو تعدیل کہا جاتا ہے۔

اب ترجمہ ملاحظہ فرمائیں، علاّمہ سبکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

جرح وتعدیل میں ایک ایسا قاعدہ جو ضروری ہے اور تجھے نفع دینے والا ہے جیسے تو کتب اصول میں سے کسی بھی کتاب میں نہیں دیکھے گا، اس کہ جب تو سن چکا ہو گا کہ. جرح تعدیل پر مقدم ہے اور تو جرح وتعدیل کو دیکھے گا تو تم امور سے دھوکے کھانے والا ہو گا اور اصولوں کو کم سمجھنے والا ہو گا۔ تو گمان کرے گا کہ جرح پر عمل کرنا ہے تو اس سے بچ کر رہ اور بچاؤ کو اختیار کر ہر قسم کے بچاو کو اس گمان سے۔

آ گے لکھتے ہیں

بل الصواب عندنا انّ من ثبتت امامہ و عدالتہ و کثر مادحوہ و مزکوہ ونَدرَ جارحوہ وکانت ھناک قرینۃ دالۃعلی سبب جرحہ من تعصب مذہبی او غیرہ فانا نلتفتُ الی الجرح فیہ و نعمل فیہ بالعدالۃوالا فلو فتحنا ہذا الباب واخذنا تقدیم الجرح علی اطلاقہ لَمَا سَلِمَ لنا احد من الائمۃ اذ ما من امام الا وقد طعن فیہ طاعنون و ھلک فیہ ھالکون

=÷=

(قاعدۃ فی الجرح والتعدیل صفحہ نمبر1)

"یعنی ہمارے ہاں درست بات ومسلک یہ ہے کہ وہ شخص جسکی امامت اور عدالت ثابت ہو چکی ہو اُسکی تعریف کرنے والے اور تزکیہ کرنے والے کثیر ہو. اور اس پر تنقید کرنے والے کم ہو اور وہاں کوئی قرینہ یہ بھی قائم ہو جائے جو اس بات پر دلالت کرے کہ یہ جرح مذہبی تعصب وغیرہ کی بنیاد پر ہے۔ پس ہم اس صورت میں جرح کی طرف یعنی تنقید کی طرف کوئی دھیان نہیں دیں گے، اور ہم عدالت پر ہی عمل کرئینگے وگرنہ اگر ہم نے یہ دروازہ کھول لیا اور مطلق جرح کو تعدیل پر مقدم کرنا شروع کیا تو ائمہ کرام میں سے کوئی بھی امام سالم نہیں بچے گا۔ اس لئے کہ کوئی بھی امام ایسا نہیں ہے جس پر طعن کرنے والوں نے طعن نہ کیا ہو اور ہلاک ہونے والے اس میں ہلاک نہ ہوئے ہو۔"

خدا کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے علّامہ سبکی رحمہ اللہ پر کیسا عمدہ اصول و قاعدہ ذکر فرمایا جب امام اعظم رحمہ اللہ محفوظ نہ رہے دار قطنی نے ضعیف کہہ دیا امام بخاری رحمہ اللہ کو انکے اساتذہ نے متروک قرار دیا تو اور کون بچ سکتا ہے۔ اللہ تعالی ہمیں اتباع اسلاف کی توفیق عطا فرمائیں

=÷=

امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ پر ارجاء کی تہمت اور اس کا جواب

ایک لامذہب غیر مقلد عالم امام صاحب کے متعلق کہتے ہیں کہ امام صاحب مرجئہ تھے۔ گمراہ فرقوں میں سے ایک فرقہ مرجئہ کے نام سے گزرا ہے اس فرقہ کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

صنفان من امتی لیس لهما فی الاسلام نصیبٌ المرجئة والقدرية

یعنی میری امت کے دو قسم لوگوں کیلئے اسلام میں کوئی حصہ نہیں ہے (۱) مرجئہ (۲) قدریہ

دیکھئے! امام صاحب باتفاق امت مجتہد فقیہ عابد زاہد عالم ہے لیکن لامذہب حضرات کہہ رہے کہ امام صاحب مرجئہ فرقے سے تعلق رکھنے والا تھا۔ پہلے آپ ارجاء اور فرقہ مرجئہ کو سمجھے۔

علامہ عبدالکریم شہرستانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "الملل والنحل" میں ارجاء کے کئی معانی ذکر کی ہیں جن میں سے ارجاء کا ایک معنی تاخیر بھی آتا ہے مرجئہ ایک گمراہ فرقہ تھا جن کا نظریہ یہ تھا کہ اعمال ایمان سے جدا، مؤخر یعنی پیچھے ہیں۔ مطلب یہ کہ کسی نے اللہ ورسول پر ایمان لایا تصدیق قلبی کے ساتھ۔ اسکے بعد اگر یہ آدمی گناہ کرتا ہے چوری کرتا ہے قتل کا مرتکب ہوتا ہے شراب پیتا ہے تو ایک منٹ کیلئے بھی یہ آدمی اعمال یعنی گناہ کبیرہ کی وجہ سے جہنم میں نہیں جائیگا کیونکہ اس نے صدق دل سے ایمان لایا ہے بس یہی کافی ہے یعنی اس فرقے نے ایمان اجمالی کو اصل چیز مان کر اعمال کو مؤخر کرکے پیچھے کردئے یعنی ان کے نزدیک اعمال کی کوئی حیثیت ہی نہیں اس لئے لوگ انکو مرجئہ کہنے لگے۔ اب اس معنی میں امام صاحب کو مرجئہ کہنا جیسے کہ غیر مقلدین سمجھتے ہیں سراسر غلط ہے کیونکہ امام صاحب کے نزدیک اگرچہ ایمان ہے تصدیق قلبی کا یعنی ایمان مرکب نہیں بلکہ بسیط ہے۔ اعمال اس میں داخل نہیں ہے لیکن امام صاحب اعمال کو ایمان کیلئے شرط سمجھتے ہیں مطلب یہ کہ اگر کوئی آدمی بد عملی گناہ کبیرہ کرتا ہے تو وہ اس بد عملی کی وجہ سے جہنم جاسکتا ہے ویسے بھی امام صاحب کی تمام رات عبادت کرنا معروف ومشہور سی بات ہے۔

=÷=

اب مرجئہ اور امام صاحب کے کے نظریے میں فرق کو سمجھے: مرجئہ بھی ایمان کو بسیط یعنی تصدیق قلبی سے عبارت سمجھتے ہیں اور امام صاحب بھی ایمان کو بسیط یعنی تصدیق قلبی سے عبارت سمجھتے ہیں البتہ فرق یہ نکلا کہ مرجئہ فرقہ اعمال کو بالکل لغو اور پالتو سمجھتے ہیں کہتے ہیں کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب جہنم نہیں جاتا جبکہ امام صاحب اعمال کو ایمان کیلئے شرط سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کبیرہ گناہ کی وجہ سے انسان جہنم داخل ہو سکتا ہے تو اس لحاظ سے امام صاحب کو مرجئہ السنۃ کہا جاسکتا ہے جو اکثر اہل السنۃ کا عقیدہ ہے اور اس لحاظ سے اہل السنۃ کو آپ مرجئہ السنۃ کہہ سکتے ہیں علامہ عبدالکریم شہرستانی رحمہ اللہ "الملل والنحل" میں الفصل الخامس کے تحت لکھتے ہیں

ومن العجیب ان غسان کان یحکی عن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ مثل مذھبہ ویّعُدُّہُ من المرجئۃ ولعلہ کذب کذالک علیہ ولعمری کان یقال لابی حنیفۃ واصحابہ مرجئۃ السنۃ:

یعنی تعجب کی بات ہے کہ غسان (جو کہ فرقہ غسانیہ کا پیشوا ہے) یہ اپنے مذہب کو امام صاحب کی طرح ظاہر کرتا تھا اور امام صاحب کو بھی مرجئہ میں شمار کرتا تھا غالباً یہ جھوٹ ہے، مجھے زندگی عطاء کرنے والے کی قسم ابو حنیفہ اور اسکے ساتھیوں کو مرجئہ السنۃ کہا جاتا تھا۔

دیکھئے: علامہ شہرستانی رحمہ اللہ اس الزام کو جھوٹا قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر بالفرض مرجئہ کہنا ہی ہو تو مرجئہ السنۃ یعنی غسان اپنے اس قول کو امام ابو حنیفۃ رحمہ اللہ سے نقل کرتا تھا اور آپ کو مرجئہ میں شمار کرتا تھا۔ مگر یہ امام صاحب کہنا صحیح ہے صاحب شرح مواقف والے غسانیہ فرقے کے بانی کا مذکورہ الزام رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

وغسان کان یحکیہ ای القول کماذھب الیہ من ابی حنیفۃ ویَعُدُّہ من المرجئۃ وھوافتراء علیہ قَصَدَہُ غسانُ ترویجَ مذھبہ بموافقۃ رجلٍ کبیرٍ مشھور

=÷=

پر افتراء ہے اس سے غسان کا مقصود یہ تھا کہ ایک بڑے مشہور شخص کی موافقت سے اپنے مذہب کو رواج دے۔

(شرح مواقف ج3ص293)

امام صاحب مرجئہ کہنے کی ایک وجہ اور بھی صاحب الملل والنحل اور صاحب شرح مواقف والے نے ذکر کیا ہے فرماتے ہیں:

وله سبب آخر وهوانه كان يخالف القدرية والمعتزلة الذين ظهروا فى الصدرالاول والمعتزلة كانوا يلقبون كل من خالفهم

کہ امام صاحب قدریہ فرقہ اور معتزلہ فرقہ کی مخالفت کرتے تھے اور معتزلہ ہر اس شخص کو مرجئہ کہتے تھے جو مسئلہ قدر میں انکی مخالفت کرتا تھا۔

(الملل والنحل علامہ شہرستانی رحمہ اللہ ص80)

یعنی امام صاحب انکا مخالف تھا لہذا اس وجہ سے انہوں نے امام صاحب کو مرجئہ کہنا شروع کیا۔

اب آتے ہیں لامذھب شیخ کی طرف لامذہب شیخ نے شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی کتاب "غنیة الطالبین" کا حوالہ دیا ہے کہ غنیۃ الطالبین میں لکھا ہوا ہے کہ امام صاحب مرجئہ فرقے سے تعلق رکھنے والا شخص تھا اکثر غیر مقلدین نے تو آج تک غنیۃ الطالبین کو ہاتھ تک بھی نہیں لگایا ہے مذکورہ اعتراض یہ حضرات مشہور غیر مقلد یوسف جی پوری کی کتاب "حقيقة الفقه" سے لیتے ہیں غیر مقلد یوسف نے پوری نے عبارت پیش کرنے کی بجائے صرف ترجمہ پر اکتفاء کیا ہے اور وہ بھی اپنی مرضی اور خواہش کے مطابق۔

ہم غنیۃ الطالبین کی اصل عبارت ذکر کرتے ہیں۔

اماالحنيفة فهم بعض اصحاب ابى حنيفة زعموا ان الايمان هوالمعرفة والاقرار باالله ورسوله وبماجاء من عنده جملة على ماذكره البرهوتى فى كتاب الشجرة۔

=÷=

(غنیۃ الطالبین ص 291)

اب پہلی بات تو یہ ہے کہ غنیۃ الطالبین کی اس عبارت کی بنیاد ایک مجہول شخص بہوتی نامی شخص کی مجہول کتاب "کتاب الشجرۃ" پر ہے حقیقت میں یہ برہوتی مصنف اور اسکی کتاب دونوں مجہول ہیں فرقہ اہل حدیث ایک طرف تو کہتے ہیں کہ ہمارا اصول یہ ہے کہ ہم ہر بات صحیح اور ثابت سند کے ساتھ قبول کرتے ہیں ضعیف اور مجہول بات کا ہمارے نزدیک کوئی اعتبار نہیں ہے لیکن دوسری جانب امام ابو حنیفۃ رحمہ اللہ اور احناف کے خلاف جو بات جہاں سے جس کسی سے بھی مل جائیں تو وہ یہ حضرات انکو سر آنکھوں پر رکھتے ہیں۔

اس کیلئے کسی دلیل، ثبوت، صحت سند غرض کسی چیز کی کوئی ضرورت نہیں اگر کتاب الشجرہ اور اسکا مصنف برہوتی واقعی معروف و معتمد آدمی ہے تو غیر مقلدین اصل کتاب کتاب الشجرۃ کی عبارت مع سند ذکر کر لیں۔ دوسری بات یہ کہ غنیۃ الطالبین میں بعض اصحاب حنیفۃ لکھا ہوا ہے جس کا مطلب ہے کہ کچھ حنفی اس عقیدہ کے حامل تھے لیکن لامذہب غیر مقلدین بعض احناف کا لفظ اڑا کر تمام احناف کو اس میں شامل کر دیتے ہیں اور اسکو امام ابو حنیفہ کا مذہب بھی بتاتے ہیں حالانکہ یہ خیانت تلبیس دھوکہ اور جھوٹ کے سوا کچھ نہیں۔

=÷=

غیر مقلدین اور جہاد

غیر مقلدین کے ساتھ جتنے بھی مسائل میں ہمارا اختلاف ہیں ان تمام میں ہم دفاعی پوزیشن کو سنبھال لئے ہوئے ہیں کیونکہ ہمارا مذہبِ حنفی 12سوسال سے چلا آرہاہے جبکہ غیر مقلدین 1857 کے بعد پیدا ہوئے ہیں۔یقین کیجئے یہ حضرات اپنی تاریخ پیدائش سے لیکر اب تک فقہ حنفی اور ائمہ کرام کو مطعون بنانے کیلئے ایڑی چھوٹی کازورلگاتے آرہے ہیں۔لیکن بالاخر شکست انکی مقدر میں لکھی جاچکی ہیں۔

جہاد کے حوالے سے بحمد اللہ احناف کے کارنامے پورے عالم میں مشہور ہے مگر غیر مقلدین اس مسئلے میں بھی کوشش یہ کرتے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح احناف کو بدنام کیاجائے،اسی لئے یہ حضرات احناف کے بعض جید علمائے کرام پہ الزام لگاتے ہیں کہ یہ جہاد باور مسلمانوں کے مخالف تھے انگریزوں سے باقاعدہ تنخواہ وصول کرتے تھے کہتے ہیں کہ جہاد تو ہم نے کیا تھااور اُس وقت انگریز کے خلاف فتویٰ جہاد بھی ہمارے علمائے کرام نے دیا تھا۔

آئیں:آج ہم غیر مقلدین کے 1857 کے جنگ آزادی کی پوری کہانی اور روس وامریکہ کا افغانستان پر یلغار کے وقت ان حضرات کا جہادی صفوف میں مجاہدین کے ساتھ سیاہ کارنامے تفصیل کے ساتھ ذکر کریں گے تاکہ پتہ چلے جہاد کون کرتا تھا،مجاہدین کون تھے اور باغی کون؟

غیر مقلدین نے جنگ آزادی1857میں یہ کردار ادا کیاکہ ایک طرف تو مسلمانوں کے ساتھ ملے جلے رہے اور فتویٰ جہاد پر دستخط بھی کر دیا مگر دلی طور پر انگریزوں کا پوراپورا ساتھ دیا۔پروفیسر ایوب قادری صاحب لکھتے ہیں کہ انہوں نے دستخط کرنے کے باوجود سرکار انگریز کے وفادار رہے،انہوں نے انگریزوں کو چھپایا،جاسوسی کے فرائض سرانجام دئے اور تحریک آزادی کی مخالفت کی،ان میں یہ حضرات ہیں:شیخ الکل میاں سید محمد نزیر حسین،شمس العلماء مولوی ضیاء الدین،مولوی سید محبوب علی جعفری،مفتی صدر الدین،مولوی حفیظ اللہ خان۔(جنگ آزادی ص409)

=÷=

اور مشہور غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن صاحب لکھتے ہیں کہ:زمانہ غدر ہندوستان میں ہمارے سب چھوٹے بڑے سرکار انگریز کے خیر خوار ہے۔(ترجمان وہابیہ ص5)

دیکھئے صاف اقرار کررہاہے کہ ہمارے تمام حضرات چاہے چھوٹے ہو یا بڑے سارے کے سارے انگریز کے وفادار رہے۔ آگے مقلدین پر کس انداز سے طعن کررہاہے نواب صاحب لکھتے ہیں کہ:

اور اگر کوئی بدخواہ بداندیش سلطنت برٹش کا ہو گا تو وہی شخص کو ہو گا جو آزادگی مذہب کو ناپسند کرتا ہے اور ایک مذہب خاص پر جو باپ دادوں کے وقت سے چلا آتا ہے جما ہوا ہے۔(ترجمان وہابیہ ص5)

اب ظاہر بات ہے کسی خاص مذہب کا التزام مقلدین یعنی احناف ہی کرتے ہیں،نواب صدیق حسن خان صاحب نے اقرار کر ہی کیا کہ انگریز کے بدخواہ اور مخالف مذہبی یعنی احناف ہی رہے ہیں۔

مشہور وہابی عالم مولوی محمد حسین بٹالوی نے "رسائل الاقتصاد فی مسائل الجھاد" کے نام سے ایک رسالہ لکھا جسکی سب غیر مقلدین نے تائید کی،اس میں انگریزوں کے خلاف جھاد کو حرام قرار دیا،جنگ آزادی لڑنے والے مجاہدین کو باغی، مذہبی دیوانے اور دوزخی قرار دیا اور اپنی جماعت کی انگریز کے ساتھ وفاداری کا بار بار اعلان کیا،یہ رسالہ آج بھی چھپا ہوا ملتا ہے۔ مولوی عبد المجید خادم سوہدروی غیر مقلد لکھتے ہیں کہ:

مولوی محمد حسین بٹالوی نے حکومت کی خدمت بھی کی اور انعام میں جاگیر پائی۔(فتاویٰ ثنائیہ ص372)

یہاں تک تو1857ء کے جنگ آزادی کی کہانی تھی۔اب آتے ہیں روس اور امریکہ کے ساتھ جہاد کی طرف۔میرے سامنے اس وقت مشہور جرنلسٹ صحافی عبد الرحیم مسلم دوست غیر مقلد کی کتاب بنام "گوانتاناموکی ٹوٹی زنجیریں" پڑی ہوئی ہے۔موصوف افغانستان صوبہ ننگرہار ضلع کوٹ کے رہنے والے ہیں۔37 کتابوں کے مصنف ہیں۔آپ پشاور کے خفیہ عقوبت خانوں سے لیکر باگرام قندہار اور گوانتانامو کے سخت جیلوں میں ساڑے تین سال قیدوبند گزار چکے ہیں۔ موصوف روس جہاد کے حوالے سے غیر مقلدین کے متعلق لکھتے ہیں کہ تاریخ کے اس طول و عرض میں مطابق1405ھ قمری سال

"الجماعة السلفيه" کے نام ایک چھوٹی سی جماعت کی بنیاد رکھی گئی کچھ عرصہ بعد میں یہ نام تبدیل کر کے جماعۃ الدعوۃ رکھ دیا۔ مسلم دوست صاحب لکھتے ہیں کہ ہم بھی اُن لوگوں میں سے تھے جو جماعۃ الدعوہ کے اس خوبصورت نام سے دھوکہ کھا کر اسمیں شامل ہوئے تھے لیکن اس تنظیم نے عرب ممالک سے کتابوں، مدرسوں، اسلامی دعوت، مسجدوں، بیواؤں، یتیموں اور دوسری فلاحی کاموں کے نام پر بہت سا پیسہ اکٹھا کیا اور اس ساری رقم کو اپنے اپنے ذاتی اکاؤنٹوں میں جمع کیا۔ یہ الفاظ قابل غور ہے کہ ساری رقم کو اپنے اپنے ذاتی اکاؤنٹوں میں جمع کیا۔ جی ہاں ان کا مقصد ہی ریال اور ڈالر جمع کرنا ہے نہ کہ جہاد۔

آگے جماعۃ الدعوہ کے تین افراد کے متعلق ایک انکشاف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

حکومت کیلئے سمگلنگ، سیاسی قتل اور جاسوسی کے تمام امور اس مثلث خبیثہ کے سپرد تھے۔ یہاں تک کہ یہودی پلان میں (مشہور عرب مجاہد) شیخ عبداللہ عزام رحمہ اللہ کے قتل کا منصوبہ بھی اس تنظیم کو سونپ دیا گیا تھا۔ جسکی چند دن ہی میں شیخ عبداللہ عزام شہید رحمہ اللہ کو ریموٹ کنٹرول بم دھماکے میں شہید کر دیا گیا۔ (گوانتاناموکی ٹوٹی زنجیریں ص19 تا ص23)

یہاں تک روس کے ساتھ جہاد میں غیر مقلدین کے کرتوت تھے۔

اب آتے ہیں حالاً قابض یعنی امریکہ کے ساتھ جہاد کے وقت میں انکی بدنام کارگزاری کی طرف۔ غیر مقلد صحافی جناب عبدالرحیم مسلم دوست صاحب لکھتے ہیں کہ:

امریکہ نے افغانستان پر حملے سے پہلے پاکستان کو کہا کہ ہمیں ایسے افغانوں کی نشاندہی کیجئے جو افغانستان میں ہمارے لئے کام کریں یہ بات ہمیں جماعۃ الدعوۃ کے قریبی اور کلیدی اشخاص نے بتائی ہے، ایجنسوں نے اپنی کٹ پتھلی جماعت جماعہ الدعوۃ کے کچھ مخلص افراد کی فہرست امریکہ کے حوالے کی، امریکہ نے ان افراد کو اپنے خفیہ اداروں میں متعین کیا۔ انہوں نے اُنہیں یقین دلایا کہ ہم تمہارے لئے کام کریں گے۔

=÷=

آگے لکھتے ہیں کہ:انہوں نے امریکہ سے ایک سو پچاس ملین ڈالر سینکڑوں سٹیلائٹ فون اوردوسرے وسائل حاصل کئے۔ افغانستان پر امریکی حملے کے وقت پاکستانی اور افغانی جماعۃ الدعوۃ والے دوسرے دھوکوں اور فریب کے علاوہ عرب اور دوسرے غیر ملکی افراد کے پکڑنے کیلئے متحریک ہوئے اوریوں ڈالر حاصل کرنے کیلئے مسلم فروشی کی تجارت کا نیاباب کھولا۔

افغانی جماعۃ الدعوۃ اور پاکستانی جماعۃ الدعوۃ نے آپس میں مل کر عربوں اور دوسرے غیر ملکیوں کے ساتھ تین طرح کی چال چلائی، بعضوں کو بتایا کہ ٹیلی فون کے ذریعے اپنے اپنے گھروں سے بڑی رقم طلب کریں اوریوں اُنہیں حکومت کے ذریعے ایئرپورٹ کے مخصوص دروازوں اور دوسرے راستوں سے نکال دیا جبکہ غریب اور نادار عربوں کو امریکہ کے حوالہ کیا۔(گوانتاناموکی روٹی زنجیریں ص24تا25)

یہ ہے نام نہاد اہلحدیث حضرات کی جہاد، جماعۃ الدعوۃ جیسے خوبصورت نام سے نوجوانوں کو ورغلاتے ہیں جسکی در حقیقت ان حضرات کی سعی وکوشش جہاد للہ نہیں بلکہ جہاد للریال والدنانیر ہی ہے۔

آگے یہ غیر مقلد صحافی " جماعۃ الدعوۃ کیلئے گوانتاناموں میں بددعائیں" کے نام سے ایک عنوان قائم کرکے لکھتے ہیں کہ:قیدی ہمیشہ پورے خلوص کے ساتھ دعائیں مانگتے اور نماز میں قنوت نازلہ پڑھتے۔تمام کفار، مشرکین اور عرب وعجم کے منافقین، جاسوسی اداروں، جاسوسوں اور اُن لوگوں کو بددعائیں دیتے جو مسلمانوں سے خیانت کے مرتکب ہوئے اور بے گناہ لوگوں کو امریکہ کے ہاتھوں فروخت کیا....افغانی جماعۃ الدعوۃ نے سینکڑوں عرب اور دیگر بے گناہ افراد امریکیوں پر فروخت کئے اور پاکستانی جماعۃ الدعوۃ نے ابوزبیدہ، یاسر الجزائری اور دیگر عرب اپنے ساتھ رکھے ہوئے تھے اور انہیں امریکیوں پر فروخت کیا۔

لشکر طیبہ (جسے پاکستان میں اب جماعۃ الدعوۃ کہا جاتا ہے) کے بعض افراد جو اُن کی خیانتوں کی وجہ سے ان سے الگ ہوئے انہوں نے ہمیں بتایا کہ ابوزبیدہ کے پاس ایک ارب اٹھارہ کروڑ روپے تھے جو اس نے لشکر طیبہ یعنی جماعۃ الدعوۃ کے پاس امانت رکھے تھے لشکر طیبہ نے یہ رقم بھی ہضم کرلی مزید ستم یہ کہ

امریکہ وپاکستانی انٹیلی جنس ادارے اور مشرف حکومت سے بھی انکے عوض بڑی مقدار میں روپے وصول کئے اور یوں بڑی خیانت کے مرتکب ہوئے۔(گوانتاناموکی ٹوٹی زنجیریں ص159)

اس کے علاوہ آج کل امریکہ کی سرپرستی میں داعش کے نام سے غیر مقلدین ہی طالبان کے خلاف لڑتے ہیں بلکہ جلال آباد میں سینکڑوں علماء کرام اور عوام الناس کو شہید کر چکے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اس فتنہ سے امت مسلمہ کو نجات نصیب فرمائے۔

=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=

معاصر فکری جھگڑے کی تاریخ

فرانس کا صدر (لویس) کچھ وقت تک مصر کے (المنصورہ) نامی جیل میں قیدی بنا رہا۔ چند عرصہ بعد جب پیسوں کے بدلے رہائی ملی تو جیل ہی سے ایک نئے سوچ کے ساتھ کامیابی کا ایک نیا راستہ ڈھونڈ کر باہر نکل آئے۔ وہ یوں کہ ہم کبھی بھی زیادہ عرصے تک عسکری اور مسلحہ جنگ کے ذریعے مسلمانوں پر اپنی حکومت اور سلطنت قائم نہیں کر سکتے۔ مسلمان ایک جنگجو بہادر اور جہادی قوم ہے یہ جب بھی متفق ہو ہم سے عسکری جنگ جیت سکتے ہیں۔ ہمیں مسلمانوں کے ساتھ فکری اور نظریاتی جنگ کا آغاز کرنا ہو گا۔ لویس آزاد ہو کر جب فرانس کے دار الحکومت پہنچا تو اپنی قوم سے خطاب کرتے ہوئے کہنے لگے۔

اے میری قوم! اگر واقعی تم مسلمانوں کو شکست دینا چاہتے ہو تو مسلمانوں کے ساتھ جنگ میں عسکری اور اسلحہ جنگ کافی نہیں کیونکہ کئی دفعہ ہم مسلمانوں سے جنگیں ہار چکی ہیں۔ بلکہ آج ہی سے تم نے مسلمانوں کے خلاف فکری جنگ کا آغاز کرنا ہو گا۔۔ یہی تمہاری کامیابی کی راز ہے۔"

لویس کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کے اذہان پہ محنت کیجئے۔ انکو اپنی فکر و نظر دو تاکہ وہ مسلمان بن کر مسلمانوں کے معاشرے میں رہتے ہوئے بھی تمہارا ذہنی غلام بنے۔ اسلامی لباس و کلچر کے بجائے یورپین ڈریس اور لباس کو اپنے لئے دل وجان سے پسند کرتا ہوں۔ اور آخیر میں سب سے بڑھ ان کو یہ نقصان پہنچادو کہ مسلمان بننے کے باوجود وہ مغربی جمہوری طرز حکومت کا دلدادہ ہو۔ کیونکہ مسلمان جب ہمارے طرز حکومت کا انتخاب کرنے لگیں گے تو سمجھے کہ یہی سے انکی زوال اور ہماری کامیابی شروع ہو ہی گئی۔ اور یہ سب کچھ فکری جھگڑے ہی سے ہمارے ہاتھ آسکتی ہے۔

اب فیصلہ آپ ہی کیجیئے!

کیا کفار مسلمانوں کے خلاف اس فکری جھگڑے میں کامیاب ہوئے ہے یا ناکام؟

کیا ہمارا نوجوان نسل یورپی تمدن، لباس اور کلچر اپنانے کو اپنے لئے باعثِ افتخار سمجھتے ہیں کہ نہیں؟

بجائے اسکے کہ نوجوان نسل اسلامی تاریخ سے اپنے آپ کو روشناس کرے، غازیان اسلام اور مدافعین اسلام کو جان لے، بد قسمتی سے ہمارے مستقبل کا یہ سرمایہ کرکٹ جیسے لاحاصل کھیل میں اپنی زندگی برباد کر رہے ہیں۔

فکری جھگڑے کی تاثیر دیکھیئے! آج کے نوجوان ببانگ دہل کہہ رہے کہ ہم اسلام نہیں بلکہ مغربی جمہوریت چاہتے ہیں۔ افسوس سے کہنا پڑتا ہے آج تو بعض علماء بھی جمہوریت کے دلدادے نظر آنے لگے ہیں۔ بلکہ بعض تو جمہوریت کو عین اسلام ثابت کرانے میں لگے ہوئے ہیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

ان نازک حالات کا جائزہ لیتے ہوئے ہر با احساس اس نتیجے پر پہنچ چکا ہے کہ آج مغرب مسلمانوں کے خلاف فکری جھگڑے میں کامیاب ہو کے منزل مقصود تک پہنچ چکا ہے۔ بہر حال

لاتقنطوا من رحمة الله۔ اللہ کی رحمت سے ناامید نہیں ہونا چاہئے۔ تقدیر کے ساتھ تربیر بھی کو عمل میں لے آنے کی اشد ضرورت ہے۔

ہم مسلمانوں میں سے آج ہر ہر فرد کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ سوشل میڈیا کے ذریعے سے شروع کی ہوئی فکری و نظریاتی جنگ کی یلغار اور نقصانات سے خود بھی بچے اور اپنے متعلقین کو بھی بچائے بلکہ میدان میں آ کے ڈٹ کر مقابلہ کیجئے تاکہ آپ ہی کے ذریعے سے نوجوان نسل کو اسلامی فکر نصیب ہو اور ذہنی و فکری غلامی سے بچے رہے۔

(۲۰۲۲/۶/۱۵)

حجاب کے حوالے سے شکریہ بارک زئی کا ملحدانہ فکر و نظر

اکثر ملحدین اسلامی حجاب اور شرعی پردہ پر اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہے کہ جی حج جیسے مقدس فریضہ کو آدا کرتے وقت خواتین بغیر پردہ کئے ہوئے مردوں کے ساتھ اکھٹے ہی طواف کرتی ہیں، وہاں اگر پردہ ضروری نہیں تو آخر کس دلیل کی بنیاد پہ تم یہاں اسلامی ممالک میں عورتوں کیلیے پردے پردے کی بات کرتے ہو؟ حال ہی میں افغانستان میں امر بالمعروف کے ادارے کی جانب سے عورتوں کے لئے حجاب کو لازمی قرار دیا گیا، تو شکریہ بارک زئی کے نام سے ایک عورت نے بعینہ یہی اعتراض اٹھایا جس کی ویڈیو آپ ہمارے پشتو کلپ میں ملاحظہ فرماسکتے ہو۔بد قسمتی تو یہ ہے کہ یہ ملحدین اور شرعی علوم سے ناواقف حضرات اپنے فکر کو سوفیصد درست جبکہ آپ کی نظر کو غلط اور جہالت ہی سے تعبیر کرتے ہیں۔۔۔اس لئے اپنی مسوٴلیت اور دینی فریضہ سمجھتے ہوئے اسلامی نقطہ نظر سے اس مسلے کو اجاگر کرنا چاہونگا۔

یاد رہے! جس طرح عام حالت میں چہرے کا پردہ ضروری ہے، بالکل اسی طرح حالت احرام میں بھی چہرے کا پردہ کرنا ضروری ہے، تاہم وہ پردہ اس طرح کیا جائے گا کہ کپڑا چہرہ پر نہ لگے۔کیونکہ ایک حدیث میں آتا ہے۔

عن نافع عن ابن عمر، عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال! المحرمۃ لاتنتقب ولاتلبس القفازین۔(ابو داؤد شریف حدیث نمبر 1826)

یعنی عورت نہ نقاب لگائے اور نہ دستانے پہنے۔

بہر حال حالت احرام میں دونوں احکام پر بیک وقت عمل کرنا ضروری ہے، جو کہ ممکن ہے اور صحابیات کے زمانہ سے اس پر عمل بھی ہوتا چلا آرہا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔

عن مجاهد، عن عائشة، قالت: «كان الركبان يمرون بنا ونحن مع رسول الله صلى الله عليه وسلم محرمات، فإذا حاذوا بنا سدلت إحدانا جلبابها من رأسها على وجهها فإذا جاوزونا كشفناه»(ابوداؤد شریف ج: 2، ص: 167، ط: المكتبة العصريه)

یعنی ہم حج کے سفر میں اُونٹ پر بیٹھ کر جارہی تھیں، تو جب راستے میں جب کوئی اجنبی سامنے نہ ہوتا تو اپنے نقاب اُلٹا رہنے دیتیں، اور ہم نے اپنے ماتھے پر ایک لکڑی لگائی ہوئی تھی، جب کوئی قافلہ یا اجنبی مرد سامنے آتا دکھائی دیتا تو ہم اپنا نقاب اس لکڑی پر ڈال دیتیں، تاکہ وہ نقاب چہرے پر نہ لگے، اور جو مرد سامنے آئیں ان کا سامنا نہ ہو۔

مذکورہ حدیث میں چہرے پر نقاب ڈالنے کی تشریح میں مشکوۃ کی مشہور شرح مرقاۃ کے مصنف ملا علی قاریؒ مرقاۃ میں لکھتے ہیں!

(مِنْ رَأْسِهَا عَلَى وَجْهِهَا): بِحَيْثُ لَمْ يَمَسُّ الْجِلْبَابُ بَشَرَةَ الْوَجْهِ.

(مرقاة المفاتيح: 1852/5)

یعنی چہرہ پر نقاب ڈالنا اس طرح ہوتا تھا کہ وہ چہرے کی جلد کو مس (Touch) نہیں کرتا تھا۔

لہٰذا حالت احرام میں دونوں احکام پر بیک وقت عمل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ عورت حسب سہولت کوئی بھی ایسی صورت اختیار کرلے کہ پردہ بھی ہوجائے اور احرام کی پابندی پر عمل بھی، مثلاً: ایسے ہیٹ (hat) کا استعمال جس کے آگے چہرہ ڈھانپنے کے لیے کپڑا لگا ہوا ہو تاکہ پردہ بھی ہو اور کپڑا بھی چہرے پر نہ لگے، اس طرح کرنے سے دونوں حکموں پر عمل ہوجائے گا۔ لہٰذا یہ کہنا کہ دوران حج پردہ نہیں یہ ملحدانہ کا ایک جاہلانہ فکر و نظر ہے اسلام کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں۔ اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کو انکی شر سے بچائے

(۲۰۲۲/۵/۲۶)

=÷=

مہتممین اور ارباب وفاق المدارس کا ظلم

"نوٹ:یہ مضمون تمام مہتممین کے متعلق نہیں بلکہ ان کی رد میں ہے جس نے مدرسہ کو اپنا جاگیر سمجھ کے رکھا ہے۔"

ہر سال نو شروع میں انتہائی قابل قسم کے مدرسین کم تنخوا کی وجہ سے درس اور مدرسہ کو خیر باد کہہ کر کاروبار کی طرف رخ کرتے ہیں۔۔۔۔اگرچہ دنیوی کاروبار میں لگ جانا کوئی برا کام نہیں لیکن اکثر مدرسین جب دنیوی کاروبار کی طرف آتے ہے تو ان کا پندرہ یا بیس سالہ محنت خاک میں مل جاتا ہے۔ خدانخواستہ اگر یہی سلسلہ چلتا رہا تو آئندہ چند سالوں میں قابل مدرس ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملے گا۔ ستم ظریفی دیکھئے مدرس بیچارہ اگر تنخوا میں زیاتی کا مطالبہ کرتا ہے تو انہیں کہا جاتا ہے کہ اکابر بہت تھوڑے پیسوں پہ گزارہ کرتے تھے انتہائی مجاہدے اور سختی کی زندگی گزارتے تھے لہذا اکابر کی راہ پہ چلو اللہ اسی میں برکت دے گا۔

یاد رہے۔۔۔مدارس و مساجد میں مدرسین اور ائمہ کی قلت تنخواہ کا موجودہ فرسودہ نظام ہرگز ہمارے اکابر کا نہیں! بلکہ موجودہ مہتممین کا تھوپا ہوا نظام ہے۔اور ہمارے مولوی بھی کم تنخواہوں پر گزارہ کرکے سمجھتے ہیں کہ ہم بڑا نیک کام کررہے ہیں لیکن دوسری طرف کم تنخواہوں کی وجہ سے وہ اپنے بال بچوں ماں باپ اور رشتہ داروں کے حقوق ضائع کرنے کے مرتکب ہورہے ہیں چند ایک مخلصین کے اخلاص کے علاوہ باقی اکثریت مولوی مجبوراً فقر کا شکار ہوتے جارہے ہیں اور مہتممین اخلاص کا لالی پاپ دیکر انکا مسلسل استحصال کرتے جارہے ہیں۔

بالعموم لوگ قلت تنخواہ کے لیے اکابر کی تنخواہوں کا حوالہ دیتے ہیں؛ پتہ نہیں کون سے اکابر تھے جو آج کے مولویوں کی طرح اضطراری فقر کا شکار تھے، ہمارے اکابر تو بڑے خوش حال تھے؛ ہاں جیساکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے کہ مال غنیمت اور غلاموں کی کثرت کے باوجود فقر اختیار

فرماتے۔اختیاری فقر محمود ہے؛ جب کہ اضطراری فقر مذموم، کیا آپ نے نہیں پڑھاد الفقر أن یکون کفرا۔

سوانح قاسمی کے مطابق حضرت نانوتوی آٹھ / دس روپے کی اجرت پر مطبع میرٹھ میں کام کرتے تھے. اس وقت اتنے پیسوں میں ایک بھینس مل جاتی تھی۔آج کل کے دور میں ایک متوسط بھینس کی قیمت کم و بیش ایک لاکھ روپے ہے۔

"دجالی فتنہ کے نمایاں خدوخال"(مصنف:حضرت سید مناظر احسن گیلانی رحمہ اللہ تعالی) کے مطابق شیخ الہند کی تنخواہ پچھہتر روپے تھی۔ پچاس میں ان کا گھر چل جاتا تھا، پچیس روپے ہر ماہ دارالعلوم کو واپس کر دیتے تھے(یہ انتہائی درجے کا خلوص تھا)اس کا مطلب ہے کہ انکی تنخواہ ان کی ضرورت سے زیادہ تھی۔

اشرف السوانح کے مطابق حضرت تھانوی کی تنخواہ کانپور سے علیحدگی کے وقت پچاس روپے تھی۔اسی کتاب کے مطابق جب حضرت کی ملکیت پانچ سو روپے کی ہوگئی تھی تو والد ماجد کو لکھ گئے تھے کہ اب مجھ پر حج فرض ہو چکا۔یعنی دس ماہ کی تنخواہ سے ہی حج فرض ہو جایا کرتے تھے۔

حضرت مولانا منظور نعمانی صاحب کی تنخواہ ڈھائی سو روپے تھے۔اور حج کرنے گئے تو اس کا کل خرچ پندرہ سو روپیہ آیا تھا.یعنی صرف چھے مہینے کی تنخواہ سے ہی حج فرض ہو جاتا تھا۔

کیا یہ تنخواہیں کم ہیں؟ بالکل نہیں۔لیکن ہمارے ہاں تو مدرسین اور آئمہ کرام کی زندگی کی انتہائی درجے کی ضروریات بھی پوری نہیں ہو رہیں اور مہتممین حضرات ہمیں درس دیتے ہیں قناعت اور توکل کا۔

ایک ریسرچ کے مطابق ۱۹۷۰ سے ۲۰۱۵ کے دوران اسکول ٹیچروں کی تنخواہوں میں 180 سے 320 فیصد اضافہ ہوا ہے.۔۔جبکہ مدارس کے مدرسین کی تو ضروریات زندگی بھی پوری نہیں ہوتی۔

اس لیے اکابر کی طرف قلت تنخواہ کا انتساب بالکل درست نہیں ہے. بلکہ کھلم کھلی ناانصافی ہے۔اور اس ظلم میں وفاق المدارس کے زمہ دار حضرات بھی برابر کے شریک ہیں مدارس اور طلباء کرام کے متعلق ایک کتاب کے برابر شرائط اور پابندیاں لاگو کر سکتے ہیں جبکہ اساتذہ کی تنخواہوں کے متعلق خاموشی کا

دائمی روزہ رکھ چکے ہیں۔للہ الحمد اس حوالے سے افغانستان میں امارت اسلامی نمایاں کردار کررہے ہیں، مدرسین اور شیوخ حضرات کا تنخواوہاں پہ حالات کے مطابق مقرر کرچکے ہیں۔ جبکہ پاکستان میں عموما مہتممین حضرات کے اپنے گھروں کے شاہانہ اخراجات بہترین ائیر کنڈیشنڈ رہائشی کمرے اور لمبی لمبی جدید طرز کی گاڑیاں لیکن اسی مہتمم کے مدرسے اور مسجد کے مدرس اور امام مسجد کے بچوں کے تن پر ڈھنگ کالباس بھی نہیں ہوتا۔ جب اپنے تقوی کی بات ہو تو حضرت سیدنا عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالی عنہ کی مثال پیش کی جاتی ہے اور اگر مدرس اور امام مسجد یا ماتحت کی بات آئے تو مثال پیش کی جاتی ہے حضرت سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ تعالی عنہ کی یعنی ان حضرات نے اپنے اپنے مطلب کے لئے صحابہ کرام کو بھی تقسیم کیاہوا ہے اپنے لئے اگر تقوی منتخب کیاہے تووہ بھی ٹھاٹھ کا۔

مہتممین حضرات اس ظلم سے توبہ کریں اور مولویوں کو بھی چاہیے کہ وہ مظلوم نا بنے رہیں خوشحالی کی طرف قدم اٹھائیں اپنی نسلوں کو فقر سے نکالیں جو مدرسہ یا مسجد انہیں پوری تنخواہ نہیں دیتا یا ان کی لازمی ضروریات پوری نہیں کرتا اس سے فورا دوسری طرف ہجرت کر جائیں جہاں آپکو اچھی تنخواہ ملے خوامخواہ اخلاص کی تاویلیں نہ گھڑیں۔ حتی کہ اگر آپکو مسجد مدرسہ چھوڑ کر کوئی اور اچھا کام ملے تو اپنی نسلوں کی خوشحالی کے لئے ضرور کیجیئے اس سے آپکو کوئی گناہ نہیں ملے گا لیکن ہاں دنیا کے چکروں میں جانے سے پہلے ایک عزم ضرور کریں کہ آپ اپنے نماز روزہ تسبیح و تلاوت ایمانداری اور دیانتداری اور حسن معاملات کو درست رکھیں گے۔

(2022/5/2)

=÷=

کائنات کو بنانے سے پہلے اللہ تعالیٰ کیا کر رہا تھا؟

دنیا میں 90 فیصد آبادی ایسے لوگوں پر مشتمل ہے جو کسی نہ کسی مذہب سے وابستہ ہیں کوئی نہ کوئی نظریہ یا عقیدہ ہمیشہ سے انسان کی ضرورت رہا ہے، انسان کے اندر موجود تجسس کا مادہ اسے ہر معاملے میں کوئی نہ کوئی نظریہ یا عقیدہ رکھنے کی ترغیب دلاتا ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ مکمل علم کے حصول تک انسان محدود علم سے بھی لاتعلقی کا اعلان کر دے، یعنی یہ تمام 90 فیصد لوگ مذہب پرست واقع ہوئے ہیں، ایک اندازے کے مطابق اس وقت کم و بیش 2400 کے قریب عقائد یا مذاہب دنیا میں موجود ہیں۔ لیکن 10 فیصد لوگ دنیا میں ایسے ہیں جو مطلقاً خدا کے وجود کا انکار کرتے ہیں یا اثبات و انکار کے بیچ میں کھڑے ہیں۔ اس لئے اپنی عادت سے مجبور ہو کر وجودِ خدا پر مختلف قسم کے اعتراضات کرتے ہیں تاکہ ملحدین کی تعداد میں اضافہ کر سکے۔

آج کل اکثر ملحدین یہ سوال کرتے ہیں کہ کائنات کو بنانے سے پہلے اللہ تعالیٰ کیا کر رہا تھا؟ اللہ تعالیٰ کس چیز اور کونسے مشغلے میں مصروف تھا؟ اور باقاعدہ چیلنج دے کر کہتے ہیں کہ خدا کو ماننے والے تمام انسانیت کو چیلنج ہے اس سوال کا جواب عنایت فرمائیں۔

جواب:

جواب دینے سے پہلے مذکورہ سوال میں پائی جانی والی کچھ غلطیوں کی طرف اشارہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

اولاً: سائل نے سوال میں یہ تأثر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جو کچھ کرتا ہے ہمیں اُن سب کے بارے میں معلوم ہے یا معلوم ہونا چاہئے، حالانکہ مسلمانوں نے کبھی بھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے ہر ہر عمل کے بارے میں معلوم ہے، یعنی کسی مسلمان نے آج تک یہ دعویٰ نہیں کیا کہ مجھے معلوم ہے کہ سال پہلے اللہ تعالیٰ کس چیز میں مصروف تھا؟ آج کیا کر رہا ہے اور کل کیا کرنے جا رہا ہے؟ اگر انسان کو یہ معلوم ہوتا کہ اللہ کیا کر رہا ہے تو طوفان، زلزلے جیسی آفات کے آنے سے ہی ممکنہ تدابیر اختیار کر لیتے، دنیائے جہان میں تمام مخلوقات کا اس بات پر اتفاق ہے کہ موت حق ہے ہر ایک نے مرنا ہے موت کا منکر آج تک

پیدا نہیں ہوا ہے۔ تصور خدا رکھنے والے ہر انسان کا یہ عقیدہ ہے کہ موت اللہ تعالیٰ کے ہاتھوں میں ہے لیکن انسان کو اپنی موت کے متعلق بھی معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے کب کہاں اور کس سرزمین پہ موت دینی ہے، چہ جائیکہ یہ دعویٰ کرنا کہ اللہ تعالیٰ کائنات بنانے سے پہلے فلاں کام میں مصروف تھا۔

ثانیاً: چونکہ خاص طور سوال میں یہ پوچھا گیا ہے کہ کائنات کو بنانے سے پہلے اللہ تعالیٰ کیا کرتا تھا اس سے تاثر یہ ملتا ہے کہ گویا سوال پوچھنے والے موصوف کو پتہ ہے کہ کائنات بنانے کے بعد اللہ کیا کرتا ہے، حالانکہ حقیقت تو یہ ہے کہ ہمیں یہ بھی پتہ نہیں کہ کائنات بنانے کے بعد اللہ تعالیٰ کیا کرتا ہے۔ غالباً سوال پوچھنے والا یہ سمجھتا ہے کہ کائنات بنانے کے بعد اللہ تعالی کائنات کو سنبھالنے میں مصروف ہے اور مزید کچھ کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ حالانکہ صحیح بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ربّ العالمین ہے اور کائنات کو وہی چلا رہا ہے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کائنات کی پالنہاری اللہ کیلئے کچھ ایسی مشغولیت ہے کہ وہ اس میں مصروف ہو جائے کچھ اور نہ کر پائے۔

اب اصل جواب کی طرف آتا ہوں۔

دیکھئے! اللہ تعالیٰ نے جو کائنات بنائی ہے، زمان و مکان اس کائنات کا حصہ ہے کائنات بنانے سے پہلے نہ خلا کا وجود تھا اور نہ ہی وقت کا، انسانی شعور کسی عمل اور چیز کے ادراک کیلئے خلا اور وقت کا محتاج ہے، انسانی شعور بغیر وقت کے کسی بھی چیز کو سمجھ نہیں سکتا۔ اور کائنات بننے سے پہلے وقت کا وجود ہی نہ تھا۔ ایسے میں ایک انسان کیلئے یہ سمجھنا ناممکن ہے کہ وقت کے فریم کے باہر کیا ہوتا ہے اور کیسے ہوتا ہے، اس لئے کم از کم یہ بات اس دنیا کے انسانی شعور کے ادراک سے باہر ہے، مذکورہ تفصیل سے یہ سوال یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ سوال دراصل اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ سوال پوچھنے والا خدا کو مخلوق کی کمزوریوں سے متصف سمجھتا ہے، اور دوسری بات جو واضح ہے وہ یہ ہے کہ وہ خود انسان ہوتے ہوئے اپنے شعوری ادراک کی کمزوری سے ناواقف ہے۔ بالفاظ دیگر آسان زبان میں آپ مذکورہ سوال کا جواب یوں بھی دے سکتے ہیں، کہ ہمیں معلوم نہیں، نہ معلوم کرنے کی ضرورت ہے ہمیں وہی چیزیں بتائی گئی ہیں

جسکی ہمیں ضرورت ہے اور ہمارے رب نے ایسے فضول قسم کے اعتراضات کے جوابات ہمیں بتانے کی ضروت نہیں سمجھی، اور ہماری نجات کیلیۓ اس سوال کا جواب معلوم ہونا ضروری نہیں ہے۔ مزید یہ کہ اس سوال کا جواب سمجھنا انسانی شعور کے ادراک سے باہر ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں صراط مستقیم پہ چلنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

=÷=

ملحدین کا قربانی پر اعتراض

ماہ ذالحجہ کا شروع ہوتے ہی مستشرقین، ملحدین اور مغربیت سے متأثر ذہنیت رکھنے والے حضرات سادہ لوح اور مذہب پسند مسلمانوں کا ذہن خراب کرنا شروع کرتے ہیں، کہ قربانی کی وجہ سے لاتعداد جانوروں کی نسل کشی ہوتی ہے، لاکھوں لوگوں کی رقم بلاوجہ ضائع ہوتی ہیں۔ اتنے بڑے پیمانے پہ فضول خرچی کی عقل سلیم ہرگز اجازت نہیں دیتی۔ اسکے بجائے اگر اتنے پیسے رفاہ عامہ کے مفید کاموں، ہسپتالوں کی تعمیر، بھوکوں، بیماروں اور یتیموں پہ خرچ کیا جائے تو ہمارے دیس کے بہت سے غریب اور مستحق افراد دربدر کی ٹھوکروں سے نجات پا جائینگے۔

مذکورہ اعتراض کے دو جواب ہیں۔ نمبر ا، الزامی۔ نمبر ۲، تحقیقی

اولاً: الزامی جواب ملاحظہ فرمائیں تاکہ عقل سے خالی معترض کو اپنے غلط اعتراض کا کچھ نہ کچھ احساس تو ہو جائے۔ معترضین کو یہ اعتراض صرف قربانی کے وقت یاد آتا ہے، حالانکہ دنیا میں ہونے والی دوسری اور اصل فضول خرچیاں (جن کا شریعت نے حکم بھی نہیں دیا) اِن لوگوں کو وہ نظر نہیں آتی۔ جبکہ اصل میں تو ان کے ختم کرنے اور مٹانے کی ضرورت ہے، ہر ملک میں حکومتی پروگراموں میں کتنی فضول خرچیاں ہوتی ہے اسی طرح ہر ملک میں قومی اور یادگاری دن منائے جاتے ہیں ان میں حد سے زیادہ فضول خرچیاں ہوتی ہے۔ اور ملک کی کتنی بڑ

ی تعداد ایسی ہے جو سگریٹ نوشی، منشیات، کرکٹ، ہاکی، ناچ گانا، پروگرام، انٹرنیٹ، ٹی وی، فضول تصویر سازی، فحش اخبار و رسائل، عید کارڈ، شادی کارڈ، ویڈیو گیمز، آتش بازی، شادی بیاہ، مرگ و موت اور غمی خوشی کی رسومات میں انتہائی بڑے پیمانے پہ فضول خرچی کرتے ہیں یہ ان معترضین کو نظر نہیں آتی۔

=÷=

معلوم ہوا کہ ان لوگوں کو غرباء، یتیموں اور فلاحی کاموں سے کوئی غرض نہیں صرف حکم شرعی یعنی قربانی کی دشمنی لئے ہوئے ہیں۔ اگرچہ مسلمان عبادات کے اندر معاشی فوائد دیکھنے کا قائل نہیں کیونکہ یہ چیز عبادات کی روح ہی کو ختم کر دیتی ہے، مگر منکرین حدیث و منکرین قربانی اور مذہب بیزار طبقہ کی تسلی کے لئے اتنا ہی کہنا چاہونگا کہ قربانی کی رسم کو اگر خالصتاً معاشی نقطہ نظر سے بھی دیکھا جائے تو اس پر اعتراض صرف وہی شخص کر سکتا ہے جو دنیا کے حالات سے ناواقف ہو۔ اب قربانی کے معاشی فوائد ملاحظہ فرمائیں پہلے عید پر ایک اندازے کے مطابق 4 کھرب روپے سے زیادہ مویشوں کا کاروبار ہوا۔ تقریباً 23 ارب روپے قصائیوں نے مزدوری کے طور پر کمائے۔ 13 ارب روپے سے زائد رقم چارے کا کاروبار کرنے والوں نے کمائے۔ گاڑیوں میں جانور لانے والوں نے اربوں روپے کا روزگار حاصل کیا۔ غریبوں کو مزدوری ملی، کسانوں کا چارہ فروخت ہوا اور دیہاتوں کو مویشوں کی اچھی قیمت ملی۔ بعد ازاں غریبوں کو کھانے کیلئے مہنگا گوشت مفت ملا۔ کھالیں کئی سو روپے میں فروخت ہوئیں۔ چمڑا فیکٹریوں میں کام کرنے والوں کو مزید کام کے مواقع میسر آئے۔ یہ پیسہ جس جس نے کمایا، وہ اپنی ضروریات پر جب خرچ کریگا تو کھربوں کی کاروبار سرگرمی وجود میں آئے گی۔

یہ قربانی، غریب کو صرف گوشت نہیں کھلاتی بلکہ آئندہ سارا سال غریبوں کے روزگار کا بھی بندوبست کرتی ہے دنیا کا کوئی ملک اربوں روپے کا ٹیکس لگا کر حاصل ہونے والا پیسہ غریبوں میں بانٹنا شروع کر دے تب بھی غریبوں اور ملک کو اتنا فائدہ نہیں ہو سکتا، جتنا اللہ کے اس ایک حکم کو ماننے سے مسلمانوں کو فائدہ ہوتا ہے۔ بہر حال قربانی کرنے کے معاشی فوائد حساب سے باہر ہیں۔

آتے ہیں تحقیقی جواب کی طرف۔

دیکھئے! اس صورت حال میں سب سے پہلے تو قابل غور بات یہ ہے کہ عید الاضحیٰ کے اس خاص موقع پر اگر قربانی کرنے کی بہ نسبت دکھی انسانیت کی خدمت میں مال خرچ کرنا اتنا ہی افضل، مناسب یا ضروری ہوتا تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مالدار اور صاحب نصاب مسلمانوں پر قربانی کے

حکم کے بجائے غریب اور بدحال انسانیت پر مال خرچ کرنا ضروری قرار دیا جاتا، جبکہ یہ بات چڑتے سورج کی طرح واضح ہے کہ ہر دور میں غریب اور نادار طبقہ موجود رہا ہے، تو یقیناً آپ علیہ السلام کے مبارک دور میں بھی یہ طبقہ موجود تھا، بلکہ ایسے افراد تو بکثرت موجود تھے، لیکن آپ علیہ السلام نے اپنے زمانہ میں اہل ثروت اور صاحب نصاب مسلمانوں کو اس (عیدالاضحیٰ کے) موقع پر یہ حکم نہیں دیا کہ وہ اپنا مال، غرباء یا ہسپتالوں کی تعمیر اور انسانیت کی خدمت کے لئے خرچ کریں۔ بلکہ یہ حکم فرمایا کہ اس موقع پر اللہ کے حضور جانور کی قربانی پیش کریں، اور خود آپ علیہ السلام کا دائمی عمل قربانی کرنے کا ہی تھا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

قام رسول الله صلى الله عليه وسلم با المدينة عشر سنين يضحى

(سنن ترمذی باب الدليل على ان الاضحية سنة. رقم الحديث1507)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں دس سال قیام فرمایا (اس قیام کے دوران) آپ علیہ السلام قربانی کیا کرتے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس عظیم حکم کو اپنے وفات تک قائم ودائم رکھنا اس بات کی دلیل ہے کہ عیدالاضحیٰ کے موقع پر قربانی کرنا ہی ضروری ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایام قربانی میں قربانی افضل ہے یا نفد صدقہ ؟ ترمذی شریف کی حدیث ہے

عن عائشة رضي الله عنها أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ماعمل آدمي من عمل يوم النحر احب الى الله من اهراق الدم (سنن ترمذی فضل الأُضحية، رقم الحديث. 1493)

یعنی اس دن میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک (قربانی کے جانور کا) خون بہانے بڑھ کر بنی آدم کا کوئی ی عمل پسندیدہ نہیں ہے۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے،

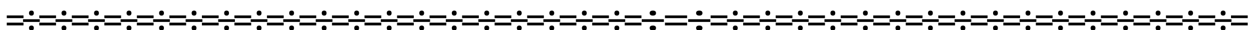
عن ابن عباس رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم مل انفقت الورق في شيئ افضل من بحيرة في يوم العيد(سنن دارقطنی، کتاب الأشربه، باب الصيدوالزبائح والأطعمة وغيرذٰلك رقم الحديث43)

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کسی کام مال خرچ کیا جائے تو وہ عید الاضحیٰ کے دن قربانی میں خرچ کیے جانے والے مال سے افضل نہیں۔

رہ گئی معترضین کی یہ بات کہ اتنے بڑے پیمانے پہ قربانی کرنے سے جانوروں کی نسل کشی ہوتی ہے جو کہ سراسر ظلم ہے۔ یاد رہے! ہمیشہ سے اللہ تعالیٰ کا یہ نظام چلا آرہا ہے کہ انسانوں یا جانوروں کو جس چیز کی ضرورت جتنی زیادہ ہوتی ہے، حق تعالیٰ شانہ اس کی پیدائش اور پیداوار بڑھا دیتے ہیں اور جس چیز کی جتنی ضرورت کم ہوتی ہے تو اس کی پیداوار بھی اتنی ہی کم ہو جاتی ہے، آپ پوری دنیا کا سروے کریں اچھی جائزہ لیں کہ جن ممالک میں قربانی کے اس عظیم الشان حکم پر عمل کیا جاتا ہے، کیا اُن ممالک میں قربانی والے جانور ناپید ہو چکے ہیں یا پہلے سے بھی زیادہ موجود ہیں؟ آپ کبھی اور کہیں سے بھی یہ نہیں سنیں گے کہ دنیا سے حلال جانور ختم ہو گئے ہیں یا اتنے کم ہو گئے ہیں کہ لوگوں کو قبانی کرنے کے لیے جانور ہی میسر نہیں آئے، جب کہ اسکے بر خلاف کتے اور بلیوں کو دیکھ لیں، اُن کی نسل ممالک میں کتنی ہے؟ حالانکہ تعجب والی بات یہ ہے، کتے اور بلیاں ایک ایک حمل سے چار چار پانچ پانچ بچے جنتے ہیں، لیکن ان کی تعداد بمقابل حلال جانوروں کے بہت کم نظر آتی ہے۔ ویسے ہمیں حیرانگی ہوتی ہے کہ عید الاضحیٰ کے علاوہ بھی ہر روز پوری دنیا میں قصائی حضرات لاکھوں جانوروں کو ذبح کرتے ہیں، یہاں پر ملحدین کبھی بھی اعتراض نہیں کرتے اور نہ ہی انہوں نے بائیکاٹ کیا کہ ہم کبھی بھی حلال جانوروں کی گوشت نہیں کھاتے۔

ہاں جبکہ شرعی حکم آیا کہ قربانی کی جائے تو اُنہیں جانوروں کے نسل کشی اور غرباء کے ساتھ ہمدردی کی فکر لاحق ہوئی۔ معلوم ہوا کہ حبّ علی نہیں ہے بلکہ بغض معاویہ ہے ان کو نہ غرباء وغیرہ کی

فکر ہے اور نہ ہی جانوروں کی نسل کشی کا، صرف اور صرف قربانی کے ساتھ چھڑ اور بغض ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ان کے لئے ہدایت کی دعا کرتے ہیں۔



دنیامیں زیادہ قتل کس نے کئے ہیں مسلمانوں نے یا غیر مسلموں نے؟

مشہور ظالم ہٹلر کے وزیر برائے پروپیگنڈہ "جوزف گوئبلز" نامی انگریز کا قول ہے: جھوٹ اتنی کثرت سے بھولو کہ لوگ اس پر سچ کا گمان کرنے لگ جائیں۔۔۔۔ مسلمانوں کے خلاف ایک منصوبے کے تحت عالمی سطح پر بہت کثرت سے یہ جھوٹ اور پروپیگنڈا کیا گیا کہ: دنیا میں اگر دہشت گرد ہے تو وہ مسلمان ہی ہے۔

فکری جھگڑے کی تاثیر دیکھئے سو میں سے دس نکال دے نوے فیصد مسلمانوں کے دلوں میں بھی یہ بات ڈال دی گئی کہ جی ہاں دنیا میں مذہبی جنون اگر پائی جاتی ہے تو وہ مسلمان ہی کے اندر ہے دنیا میں اگر دہشت گرد ہے تو وہ مسلمان ہی ہیں۔۔۔۔۔ میڈیا کی بدولت ہمارے اکابرین اور ہیروز کو دہشت گرد اور اپنے سفاک ظالموں کو ہیرو اور امن کے ٹھیکہ دار ثابت کئے گیے۔۔۔۔ حالانکہ آپ تاریخ کا مطالعہ کیجئے: دنیا میں بڑے پیانے پر دہشت گردی کو پھیلانے والے اور سب سے زیاد قتل کرنے والے غیر مسلم ہی ہیں۔

دنیا کی تاریخ میں کس نے سب سے زیادہ قتل کئے ہیں؟ مسلمانوں نے یا غیر مسلم؟ آئیں ذرا ملاحظہ فرمائیں:

1-ہٹلر.(جرمنی کا باشندہ)

اس پر 11 ملین یعنی ایک کروڑ دس لاکھ افراد کے قتل عام کا الزام لگایا جاتا ہے جن میں صرف یہودی ساٹھ لاکھ تک شامل ہیں۔ آپ جانتے ہیں یہ کون تھا؟ یہ کٹر عیسائی تھا، لیکن میڈیا نے کبھی اسکو عیسائی دہشت گرد نہیں کہا۔

2.جوزف اسٹالن.(روسی حکمران)

اس نے بیس ملین (ایک ملین - دس لاکھ کے برابر) انسانوں کو موت کے گھاٹ اتارا، کہا جاتا ہے کہ اس میں سے ساڑھے چودہ ملین لوگوں کو بھوک سے مروادیا۔۔۔ یہ بھی مسلمان نہیں ہے بلکہ غیر مسلم تھا۔

3. ماوزے تنگ. (چینی راہنماء)

اس نے چودہ سے بیس ملین انسانوں کو مارا۔ کیاوہ مسلم تھا؟ نہیں بلکہ غیر مسلم تھا۔

4. مسولینی. (اٹلی کے وزیر اعظم)

چار لاکھ انسانوں کا قاتل ہے کیاوہ مسلم تھا؟ نہیں بلکہ غیر مسلم تھا؟

5. اشوک اعظم: (سلطنت موریا بھارت کا تیسرا شہنشاہ)

اس نے کلنگا کی جنگ میں ایک لاکھ انسانوں کو مارا۔ کیاوہ مسلم تھا؟ نہیں بلکہ غیر مسلم تھا۔

6- کٹر عیسائی صدر بش

اسکی طرف سے مسلط کردہ جنگ میں صرف عراق میں پانچ لاکھ بچے مرے۔ انکو میڈیا کبھی بھی عیسائی دہشت گرد نہیں کہتا۔

7۔ صدر بش، اوباما اور ٹرمپ

افغانستان میں پہلے غیر مسلم روسی حکمرانوں نے اور پھر امریکہ کے صدر بش، اوباما اور ٹرمپ کی قیادت میں لاکھوں لوگوں کو ابدی نیند سلادیا گیا، یہ تینوں عیسائی تھے۔۔۔ لیکن میڈیا نے کبھی بھی ان کو دہشت گرد نہیں کہا

بد قسمتی سے ہمارے ہاں سادہ لوح مسلمانوں نے بھی اغیار کے ہاں میں ہاں ملائی اپنے ھیروز کو دہشت گرد کہنے لگے جبکہ ان اسلام کے سپاہیوں نے اپنا سب کچھ اسلام کی خاطر قربان کر کے رکھ دیا۔۔۔ اپنی تحقیق نہیں ہے بس اغیار کے فکری جھگڑے کی تاثیر و قوت ہے وہ جو کچھ نظریہ دیتا ہے سادہ لوح مسلمان من و عن اسے قبول کرتا ہے۔

چند اور حقائق:

1: پہلی جنگ عظیم میں 17 ملین لوگ مرے اور جنگ کا سبب سب کے سب غیر مسلم تھے۔

2: دوسری جنگ عظیم میں 50-55 ملین لوگ مارے گئے اور سبب کے سب؟ غیر مسلم ہی تھے۔

3: ناگاساکی پر ایٹمی حملے میں 2 لاکھ لوگ مرے اور اسکا سبب سب کے سب غیر مسلم تھے۔

4: ویتنام میں خطرناک جنگ ہوئی، جنگ میں 500000 اموات کا سبب بھی غیر مسلم ہی تھے.

5: بوسنیا کی جنگ میں بھی پانچ لاکھ موتیں ہوئیں سبب؟ غیر مسلم ہی تھے۔

6: فلسطین شام، لیبیا اور برما میں خانہ جنگی اور لاکھوں افراد کی شہادت کا سبب؟ غیر مسلم تھے۔

یہ بات بھی یاد رکھنے کی قابل ہیں کہ بڑی تباہی پھیلانے والے کسی بھی ہتھیار کے موجد (ایجاد کرنے والا) مسلمان نہیں ہے۔ اور آج بھی مسلم ممالک میں جو اسلحہ خانہ جنگوں میں استعمال کی جاتی ہے۔ یہ اسلحہ کسی "اسلامی فیکٹری" میں نہیں بنا ہے۔ بلکہ یہ سب کچھ عیسائی، دہری اور یہودیوں کی فیکٹریوں میں تیار کردہ مال ہے۔

=÷=

تقلید کے متعلق غیر مقلدین سے پانچ مختصر سنجیدہ سوالات

دنیاکا سارا نظام تقلید ہی کی برکت سے قائم ہے، اگر تقلید نہ ہو تو دنیا جہاں میں کوئی بھی دوسرے سے کسی قسم کا استفادہ نہیں کر سکتا۔ اس پر تمام مذاہب اربعہ کے علماء کرام کا اتفاق ہے کہ ہر اس شخص کیلئے تقلید ضروری ہے جس میں اجتہاد کی صلاحیت نہ ہو۔

بد قسمتی سے غیر مقلدین تقلید کو کار شیطان، بدعت، حرام اور شرک کہتے ہیں۔ غیر مقلدین کو سمجھانے اور خواب غفلت سے جگانے کی خاطر ہم ان سے پانچ سنجیدہ سوالات کریں گے۔

سوال نمبر ۱: اگر واقعی تقلید بدعت اور شرک ہے تو آپ حضرات کوئی ایک ایسی آیت یا حدیث بتائیں جس میں آیا ہو کہ اجتہادی مسائل میں مقلد کیلئے مجتہد کی تقلید کرنا شرک بدعت اور حرام ہے؟ چار پانچ نہ سہی کم از کم ایک ہی آیت یا حدیث بتائیں۔

سوال نمبر ۲: اسماء الرجال کی کتب میں علماء کرام نے راویوں پر دجال، وضاع (یعنی حدیثیں گھڑنے والا) ضعیف اور کذاب جیسے سخت الفاظ کے ساتھ جرح و تنقید کی ہیں۔ بقول آپ حضرات کے کہ تقلید شرک بدعت اور حرام ہے کیا اسماء الرجال کی کتب میں کسی مقلد راوی کے متعلق عرب و عجم میں کسی بھی عالم سے لفظِ مقلد کا جرح موجود ہے؟ اگر کسی کتاب میں ایسی جرح موجود ہو تو برائے مہربانی ہمیں مطلع فرمائیں۔

سوال نمبر ۳: کیا امام بخاری و امام مسلم نے کوئی ایک باب "باب رد التقلید" کے نام سے اپنی کتب میں ذکر کیا ہے اگر ہے تو حوالہ دیکر ممنون و مشکور ہونے کا موقعہ عنایت فرمائیں۔

سوال نمبر ۴: کیا پورے قرآن میں لفظِ تقلید کا نام لیکر تقلید پہ رد موجود ہے؟ اگر ہے تو کونسے پارے اور رکوع میں ہے۔

سوال نمبر ۵: کسی ایک معتبر عالم کا قول (خیر ہے وہ قول بغیر کسی سند کے) دکھائیں جس نے تقلیدِ محمود کو شرک کہا ہو۔

مماتی حضرات کا تیز رفتار سفر اور آخری سٹاپ

فتنوں کا دور ہے۔۔۔انسان اگر کسی مجتہد امام کی تقلید کا ہار گلے میں نہ ڈالے اور اکابر کے ساتھ عقیدت کا بہترین رشتہ قائم نہ ہو تو زندگی میں ایسے موڑ بہت آتے ہیں جہاں انسان راہ راست سے بھٹک جاتا ہے۔
چند دن پہلے پشاور کے ایک معروف مماتی مفتی حضرت علی نامی شخص نے مسلک اہلحدیث قبول کر لیا۔ بعض ساتھیوں نے ان کی وہ ویڈیو بھی میرے پاس بھیجی اور ساتھ ساتھ حیرت میں مبتلا بھی تھے کہ آخر یہ کیا معاملہ ہوا۔
دیکھئے جی یہ کوئی نئی اور حیران کر دینے والی بات نہیں! ہمارے اکابر ہمیشہ سے یہی کہتے آ رہے ہیں کہ گمراہی کی پہلی سیڑھی مماتیت ہے۔یہاں سے پھر انسان ترقی کر کے غیر مقلد بنتا ہے اور پھر آہستہ آہستہ منکرین حدیث کی طرف سفر شروع ہونے لگتا ہے بالآخر یہ سفر یا تو قادیانیت پر پائے تکمیل کو پہنچتا ہے اور یا پھر الحاد پر جا کے بریک لگالیتا ہے کیونکہ اس سے آگے گمراہی کی سیڑھی ہی نہیں۔
سوشل میڈیا نہ ہوتا تو مفتی حضرت نامی مماتی کو پڑوس میں بھی کوئی نہ جانتا یہ تو مماتیوں کا ایک ڈرائیور نما آدمی تھا مماتیوں کے تو شیوخ بھی روز بروز غیر مقلد اور منکرین حدیث کی طرف جاتے رہتے ہیں، کیونکہ مماتیت گمراہی کی پہلی سیڑھی ہے۔
شیخ عبد السلام رستمی مرحوم مماتی اگرچہ باصلاحیت عالم تھا لیکن اکابر کے ساتھ عقیدت کا رشتہ قائم نہیں کئے رکھا بالآخر غیر مقلد بن گیا۔
اسی طرح معروف مماتی مفتی منیر شاکر کا ایک کلپ آج بھی نیٹ پر موجود ہے جو کہہ رہا ہے کہ منکرین حدیث کی بعض باتیں بہت اچھی ہے مزید کہہ رہا ہے کہ میں نے جب منکرین حدیث کی کتابیں پڑھی تو مجھے پتہ چلا کہ بخاری مسلم اور ترمذی میں ہزاروں باتیں منگھڑت اور قرآن کے خلاف ہے۔
اسی طرح مشہور زمانہ مماتی علامہ سعید ملتانی نے بخاری شریف کے خلاف کتاب لکھی بنام "قرآن مقدس بخاری محدِث" جس میں سارا زور اسی بات پر دیا گیا ہے کہ بخاری قرآن کے خلاف ہے۔اس کتاب کے

لکھنے سے مسلمانوں کو تو کوئی فائدہ نہیں پہنچا البتہ ملحدین اور منکرینِ حدیث نے اس سے بہت کچھ مقاصد حاصل کئے۔

مفتی حضرت علی ربانی نامی شخص نے خود ہی اقرار کیا ہے کہ میں پہلے سیفی تھا پھر بعد از تحقیق کے مماتی اور اب غیر مقلد بن چکا ہوں۔ میں کہتا ہوں یہ ترقی یہی تک محدود نہیں بلکہ غیر مقلدیت سٹاپ سے آگے بھی کچھ سفر باقی ہے۔

دیکھئے! مرزا غلام احمد قادیانی پہلے غیر مقلد تھا بعد میں مدعی نبوت بنا۔

سر سید احمد خان پہلے غیر مقلد تھا بعد میں نیچری اور منکر حدیث بنا۔

مرزا غلام احمد قادیانی کا خلیفہ حکیم نور الدین پہلے غیر مقلد تھا بعد میں قادیانی بنا۔

مشہور منکر حدیث عبد اللہ چکڑالوی پہلے غیر مقلد تھا بعد میں منکر حدیث بنا۔

نیاز فتح پوری پہلے غیر مقلد تھا لیکن بعد میں منکر حدیث بن گیا۔ پتہ چلا کہ غیر مقلدیت سے آگے اور بھی بہت سا سفر بھی باقی ہیں۔

لہذا ساتھیوں سے دردمندانہ گزارش کیجاتی ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی تقلید اور اپنے اکابر کے ساتھ عقیدت کا رشتہ قائم رکھے اسی میں دنیا و آخرت کی بھلائی ہے۔

عقائد میں ابو منصور ماتریدی رحمہ اللہ کی تقلید کیوں؟

نام نہاد اہل حدیث اور جماعۃ المسلمین والے ہمیشہ احناف سے کہتے ہیں کہ تم لوگ فروعی مسائل میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی تقلید کرتے ہو جبکہ عقائد میں امام ابو منصور ماتریدی کی تقلید کرتے ہو کیا کہیں امام صاحب کے عقائد غلط تو نہیں تھے۔

جواب:

مذکورہ اعتراض میں بہترین جہالت نمایاں ہے کیونکہ تقلید اجتہادی فروعی مسائل میں کی جاتی ہے نہ کے عقائد میں۔ بلکہ یہ ہمارے اوپر ایک الزام ہیں ہم عقائد میں کسی کی تقلید نہیں کرتے کیونکہ عقائد تو منصوص، قطعی الثبوت قطعی الدلالت ہوتے ہیں جو چیز منصوصی، قطعی الثبوت قطعی الدلالت ہو ان میں مجتہدین کی تقلید کے بجائے صرف قرآن و سنت اور اجماع کی تقلید کی جاتی ہے۔

ہاں عقائد کے سوا تمام اجتہادی مسائل میں غیر مجتہد کسی امام و مجتہد کی اتباع و تقلید کرتے ہیں۔ جیسا کہ علم الصرف، علم النحو، علم الفقہ، علم القراۃ، اصول حدیث و اسماء الرجال وغیرہ علوم کے اپنے اپنے مجتہدین ہیں لوگ ان فنون و علوم میں ہر فن کے مجتہد کی تقلید کرتے ہیں بالکل اسی طرح علم الکلام بھی ایک فن ہے اسکے اپنے اپنے مجتہدین ہیں۔

ہم احناف فن علم الکلام میں ابو منصور ماتریدی رحمہ اللہ کی تقلید کرتے ہیں نہ کے عقائد میں۔ عقائد اور علم الکلام میں بہت بڑا فرق ہیں، فی الحال تین فرق آپ ملاحظہ فرمالیں۔

پہلا فرق: عقائد اسلام اکثر یہاں میں نے اکثر کا لفظ استعمال کیا ہے اس لئے کہ ایک اصول دین اور ایک اصول اہلسنت پھر ان دونوں کی فروع بھی ہے جو کہ ایک لفظی بحث ہے۔

آتے مقصد کی طرف۔ غیر اجتہادی ہیں یعنی قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت ہوا کرتے ہیں۔ان میں اجتہاد کی گنجائش نہیں ہوتی۔اِسکے بر عکس علم الکلام کے کلامی مسائل وتفصیلات اجتہادی ہوتے ہیں یعنی مجتہدین علم الکلام یا متکلمین اسلام کے اجتہادات پر مبنی ہوتے ہیں۔

دوسرا فرق:عقائد اسلام قطعی ہوتے ہیں جبکہ علم الکلام کے کلامی مسائل وتفصیلات ظنی ہوتے ہیں۔
تیسرا فرق: عقائد اسلام کا جاننا اور ان پر ایمان لانا ہر مسلمان پر فرض عین ہے جبکہ علم الکلام کے کلامی مسائل وتفصیلات کا جاننا ہر مسلمان پر فرض عین نہیں ہے۔
ویسے بھی علم الکلام اور عقائد میں اتنا فرق ہے جیسے کہ حدیث اور اصول حدیث میں۔ حدیث میں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرتے ہیں جبکہ اصول حدیث میں ہم محدثین کے پیچھے چلتے ہیں۔بلکہ اسی طرح عقائد میں ہم قرآن وسنت اور اور اجماع کی تقلید کرتے ہیں جبکہ علم الکلام میں اِس فن کے مجتہدین کی اتباع وتقلید کرتے ہیں۔
رہ گئی یہ بات کہ اُخر احناف فن علم الکلام میں امام ابو منصور ماتریدی رحمہ اللہ کی بجائے امام اباحنیفہ کی تقلید کیوں نہیں کرتے کہیں امام صاحب رحمہ اللہ کے عقائد کمزور اور غلط تو نہیں تھے کیا؟تو یہ بھی ایک فضول اور احمقانہ اعتراض ہے۔
مذکورہ اعتراض کے دو جوابات ذکر کئے جائیں گے۔
جواب اول: جس قدر زیادہ اعتراضات امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور دیگر ائمہ مجتہدین کے دور کے بعد گمراہ فرقوں نے کئے اتنی شدت سے پہلے اسلامی تاریخ میں کبھی نہیں ہوئے لہذا پہلے امام ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ جو کہ فقہ میں امام شافعی رحمہ اللہ کے مقلد ہے وہ میدان میں آئے اور پھر انکے بعد امام ابو منصور ماتریدی رحمہ اللہ جو کہ فقہ میں امام صاحب رحمہ اللہ کے مقلد ہے میدان میں آئے علم الکلام کے ان دو ائمہ اکرام نے گمراہ فرقوں بالخصوص معتزلہ، باطنیہ، کرامیہ، مشبہ، مجسمہ اور شیعہ وغیرہ کو اسلامی عقائد

پرنٹ نئے اور بے تحاشا اعتراضات کے میدان میں بدترین شکست سے دوچار کیا، یہی وجہ ہے کہ عقائد کی جتنی تشریحات اور تفصیلات امام ابو منصور ماتریدی رحمہ اللہ اور امام ابو الحسن اشعری رحمہ اللہ سے علم الکلام کے توسط سے منقول ہیں اتنی تفصیل امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ سے منقول نہیں ہے۔ اسکی بنیادی وجہ ہے کہ عقائد پر اتنی شدت اور اتنے حملے پہلے ادوار میں نہیں ہوئے اور علم الکلام ان نظریاتی حملوں کے مقابلے میں قرآن وسنت سے ثابت عقائد کی حفاظت کیلئے پھلا بڑھا اور ترقی کی جیسا کہ فن اصول حدیث کی اصطلاحات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کے بعد وجود میں آئی تو کیا اب کوئی اہل بدعت کہہ سکتا ہے کہ اصطلاحات حدیث میں کسی کی تقلید کرنا جائز ہے اور یہ اصطلاحات و اصول غلط ہیں۔

جواب دوم: یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ہر فن کے مجتہدین جدا جدا ہیں جسا کہ اہل بدعت غیر مقلدین اہلسنت والجماعت احناف کی دیکھا دیکھی میں فنِ قرأت کی میدان میں قاری عاصم کوفی رحمہ اللہ کی اندھا دھند تقلید کرتے ہیں۔ جس طرح غیر مقلدین فن حدیث میں دیگر ائمہ حدیث کے اقوال کی اندھی تقلید کرتے ہیں یا جس طرح ائمہ مفسرین کی فن تفسیر میں تقلید کرتے ہیں تو عین اِسی طرح علم الکلام بھی ایک جدا علم وفن ہے جسکے اپنے مجتہدین اور ائمہ کرام ہیں لہذا فن علم الکلام میں انہی کی مجتہدین کی تقلید کی جائیگی تو یہ اعتراض بھی بالکل غلط اور جہالت پر مبنی ہے۔

جب ہر طرف سے لامذہب حضرات پہ راستے بند ہونے لگتے ہیں تو پھر ایک دوسرے اعتراض کو چھیڑنے لگے کہ المہند علی المفند کی عبارت میں حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ علمائے دیوبند کی نسبت لکھاہ کے ہم اصول و اعتقادیات میں پیرو ہیں امام ابو الحسن اشعری رحمہ اللہ اور امام ابو منصور ماتریدی رحمہ اللہ کے۔ اِس عبارت میں اہل بدعت لامذہب غیر مقلدین یہ اعتراض کرتے ہیں کہ یہاں لفظ "اصول واعتقادیات" مذکور ہے جو اِس بات کی دلیل ہے کہ احناف عقائد میں ان دو ائمہ اکرام کی تقلید کرتے ہیں۔

=÷=

جواب کو سمجھنے کی کوشش کیجئے۔

دیکھیے یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ اہل زبان یا اہل علم و فن بعض اوقات کسی بات کو بیان کرنے میں مجازی الفاظ اشارہ بیان کرتے ہیں تاکہ اظہار مافی الضمیر بہترین انداز میں بیان ہو سکے۔لہذا اصول و اعتقادیات سے مراد علم الکلام کے اصول و تفصیلات مراد ہیں۔اگر کوئی جاہل یہ اعتراض کرے کہ اشارتاً یہ مجازی الفاظ استعمال کرنا نامناسب یا ناجائز ہے تو ان احمقوں کا یہ اعتراض پہلے قرآن و حدیث پر وارد ہو گا۔بعد میں علمائے احناف پر۔

مثلاً صحیح بخاری شریف کی مشہور حدیث ہے جس میں نوافل کے ذریعے اللہ تعالی کے قرب کے اظہار کیلئے ایسے الفاظ استعمال ہوتے ہیں جن کا مجازی معنی کئے بغیر کوئی اہل سنت تو دور کی بات، مسلمان بھی نہیں رہ سکتا۔جیسا کہ فرمایا گیا کہ اللہ بندے کا کان بن جاتا ہے جس سے وہ سنتا ہے اور اللہ بندے کی آنکھ بن جاتا ہے جس سے وہ دیکھتا ہے تو اب یہاں مجازی معنی لئے بغیر کوئی احمق اسکا ایسا معنی بیان کر دے کہ وہ مسلمان اور اہلسنت بھی رہے اور معنی بھی حقیقی یعنی غیر مجازی ہو جو کہ ناممکن ہے۔اسی طرح قران میں بھی کئی مقامات پر اللہ تعالی نے مجازی معنوں میں کلام کیا ہے(جس کی تفصیل کی یہ جگہ نہیں ہے)تو ثابت ہوا کہ مخاطب اپنے مافی الضمیر کے اظہار کے کیلئے مجازی الفاظ استعمال کر سکتا ہے۔

لہذا اعتراض مردود ہے۔اللہ تعالی ہمیں اتباع اسلاف نصیب فرمائیں۔آمین

=÷=

جناب گلبدین حکمت یار صاحب اور مسئلہ حجاب:

ہمارے ہاں بہت سے لوگ ستر عورت اور حجاب میں فرق نہ کرنے کی وجہ سے غلطی در غلطی کا ارتکاب کرتے جارہے ہیں۔ ابھی حال ہی میں امارت اسلامی افغانستان کی جانب سے عورتوں کو تاکید کی گئی کہ حجاب کی پابندی کرے۔ تو حزب اسلامی کے بانی اور سابق جہادی کمانڈر جناب گلبدین حکمت یار صاحب نے ایک ویڈیو بیان میں کہا کہ امارت اسلامی کے مسولین افغانی معاشرے پہ ایسے خاص قسم کا حجاب لازمی قرار دینے کی کوشش نہ کرے جس کے متعلق قرآن وسنت میں نہ تو صریح نص پایا جاتا ہے اور نہ ہی اسکے وجوب اور تحریم کے حوالے سے کوئی امر و نہی موجود ہے۔۔۔ آگے کہتے ہیں کہ متقدمین احناف، فقہاء کرام اور ائمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ چہرہ، ہاتھ اور اور پاؤں ستر میں شامل نہیں ہیں۔

دیکھئے یہاں جناب گلبدین حکمت یار صاحب نے تین باتیں کی ہے ترتیب کے ساتھ تینوں پہ ہم مؤدبانہ تبصرہ کرینگے۔

موصوف کا یہ کہنا کہ امارت اسلامی کے مسولین افغانی معاشرے پر کسی خاص قسم کا حجاب لازمی قرار دینے کی کوشش نہ کریں، میرے خیال سے یہ بات تبصرے کے لائق ہی نہیں کیونکہ سب کو پتہ کہ امارت اسلامی والے زمہ دار حضرات مطلق حجاب کی بات کرتے ہیں نہ کسی خاص قسم کے حجاب کی۔

دوسری بات جناب گلبدین حکمت یار صاحب نے یہ کہی ہے کہ حجاب کے متعلق قرآن وسنت میں نہ تو صریح نص پایا جاتا ہے اور نہ ہی اسکے وجوب اور تحریم کے حوالے سے کوئی امر و نہی موجود ہے تاکہ منزل مقصود تک بآسانی پہنچ سکے۔

یہ تو غیر مقلدین کی عادت ہے کہ مجتہدین کی تقلید سے جان چھڑانے کی خاطر اکثر اسی بات کی رٹ لگاتے رہتے ہیں کہ جی قرآن وسنت کی صریح نص دیکھاؤ۔۔۔۔ لہذا ایسے مطالبات کرنا غیر مقلدین ہی کا کام ہے نہ کہ ہمارے احناف کا۔

=:=

آتے ہیں تیسری بات کی طرف۔جناب نے کہا تھا کہ احناف کے تمام مقدمین فقہاء کرام اور ائمہ کا اس پر اجماع ہے کہ خواتین کا چہرہ، ہتھیلیاں اور پاؤں ستر میں شامل نہیں ہے۔

دیکھئے اس حوالے سے کچھ تفصیل ہے۔ایک ہے ستر عورت اور ایک ہے حجاب نساء۔دونوں میں فرق ہے۔

پہلا فرق: ستر عورت کا تعلق مرد وعورت دونوں کے ساتھ ہے۔یعنی مرد اور عورت دونوں پر ستر کا چھپانا فرض ہے جبکہ حجاب کا تعلق صرف عورتوں کے ساتھ ہے۔ نماز میں اگر ستر کھلا ہوا ہو تو نماز ہی صحیح نہیں ہوتی۔

البتہ دونوں کے ستر میں ذرا سا فرق موجود ہے۔مرد کا ستر ناف کے متصل نیچے سے لیکر گھٹنے تک ہے۔گھٹنے ستر میں شامل ہے۔ جبکہ عورت کا پورا بدن سوائے تین اعضاء کے ستر میں شامل ہے،وہ تین اعضاء یہ ہے۔

(1)چہرہ(2)دونوں ہتھیلیاں(3)دونوں قدم۔

دوسرا فرق: ستر عورت لوگوں کے سامنے اور خلوت دونوں میں فرض ہے جبکہ حجاب صرف اجنبی کی موجودگی میں ہوتی ہے۔یہ تفصیل اس لئے ذکر کی گئی کہ ہمارے ہاں بہت لوگ ستر عورت اور حجاب میں فرق نہ کرنے کی وجہ سے حجاب کو ستر عورت پر قیاس کر کے خلط ملط کا شکار ہو جاتے ہے۔ مثلاً عورت کا چہرہ اور ہتھیلیاں ستر عورت سے باجماع مستثنیٰ ہیں۔اسی لئے نماز میں چہرہ اور ہتھیلیاں کھلی ہوں تو نماز بالاتفاق والاجماع جائز ہے لیکن اجنبی مردوں سے پردہ میں بھی چہرہ اور دو ہتھیلیاں مستثنیٰ ہیں یا نہیں؟ اس میں تفصیل ہے وہ یہ کہ حجاب کے تین درجات ہیں۔

حجاب(پردہ) کا پہلا درجہ: جو اصل مطلوب شرعی ہے وہ حجاب اشخاص کہلاتا ہے یعنی یہ کہ عورتوں کا وجود اور انکی نقل وحرکت مردوں کی نظر سے مستور ہو جو گھر کی چار دیواری یا خیموں اور معلق پردوں کے

ذریعہ ہو سکتا ہے۔اس کی تفصیل آپ تفاسیر میں آیت مبارکہ "وقرن فی بیوتکن ولاتبرجن تبرج الجاھلیة الاولی'(الاحزاب:33)"کی تحت دیکھ سکتے ہیں۔

حجاب(پردہ)کا دوسرا درجہ:یہ ہے کہ اگر کسی ضرورت کی بناء پر گھر سے نکلنا پڑے تو سر سے پاؤں تک برقع یا لمبی چادر میں پورے بدن کو چھپا کر نکلے،راستہ دیکھنے کیلیے چادر میں صرف ایک آنکھ کھولے یا برقعہ میں جو جالی آنکھوں کے سامنے استعمال کی جاتی ہے وہ لگالے،خوشبوں نہ لگائے،بجنے والا زیور نہ پہنے،راستے کے کنارے چلے،اور مردوں کے ہجوم میں داخل نہ ہو۔ضرورت کے مواقع میں پردہ کا یہ دوسرا درجہ بھی پہلے درجے کی طرح سب علماء وفقہاء کے درمیان متفق علیہ ہے۔اس دوسرے درجے کا حکم آیت قرآنی(یاایھاالنبی قل لازواجک وبناتک ونساءالمؤمنین یدنین علیھن من جلابیبھن۔الاحزاب:59)میں دیا گیا ہے۔

اسی طرح احادیث میں بھی چہرے کے پردہ کا ثبوت ہے،حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

"كَانَ الرُّكْبَانُ يَمُرُّونَ بِنَا وَنَحْنُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُحْرِمَاتٌ، فَإِذَا حَاذَوْا بِنَا سَدَلَتْ إِحْدَانَا جِلْبَابَهَا مِنْ رَأْسِهَا عَلَى وَجْهِهَا فَإِذَا جَاوَزُونَا كَشَفْنَاهُ"

(ابوداؤد شریف،طبع المکتبة العصریه بیروت جلد2صفحه 167)

امام ابو بکر جصاص رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ!

ھذہ الآیة دلالة علی ان المرأة الشابة مأمورة بستروجھھا عن الاجنبیین واظھار الستر والعفاف عندالخروج لئلایطمع أھل الریب فیھن(احکام القرآن للجصاص جلد5صفحه 245)

=÷=

یعنی یہ آیت اس بات پہ دلالت کرتی ہے کہ نوجوان عورت کو حکم دیا گیا ہے کہ اجنبی مردوں سے اپنے چہرے کو چھپائے، اور وہ اس بات پر بھی مامور ہے کہ باہر نکلتے وقت ستر اور عفت مآبی کا اظہار کرے تاکہ مشکوک افراد ان سے غلط امید و طمع نہ کر پائیں۔

حجاب کا تیسرا درجہ: عورت جب بضرورت گھر سے نکلے تو کیا وہ اپنا مکمل چہرہ اور ہتھیلیاں لوگوں کے سامنے کھول سکتی ہے یا نہیں؟ بشرطیکہ باقی سارا بدن چھپا ہوا ہو۔ اس میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے ائمہ اربعہ میں سے امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کے نزدیک اجنبی کے سامنے چہرہ اور ہتھیلیاں کھولنا مطلقاً جائز نہیں، خوا فتنہ کء اخوف ہو یا نہ ہو اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اگر فتنہ کا خوف ہو تو تب چہرہ اور ہتھیلیاں چھپانا واجب ہے مگر چونکہ عورت کی زینت کا سارا مرکز اس کا چہرہ ہے اور اس کے کھولنے میں فتنہ کا خطرہ نہ ہونا شاذ و نادر ہے۔ اور نادر معدوم کے حکم میں ہوتا ہے، اس لئے متاخرین فقہاء احناف نے بھی وہی فتویٰ دے دیا جو ائمہ ثلاثہ نے دیا تھا کہ جوان عورت کے چہرہ یا ہتھیلیوں کا کھولنا ناجائز اور پردہ کرنا ضروری ہے۔

ائمہ ثلاثہ کے موقف کو نقل کرتے ہوئے مفتی شفیعؒ لکھتے ہیں:

أما عند الجمهور فلأنهم لم يجدوا دليلا على جوازه، لاختيارهم تفسير ابن مسعود في قوله تعالى إِلَّا ما ظهرَ مِنْهَا بالثيات والجلباب، فبقي الوجه والكفان تحت الجلباب المأمور به(احکام القرآن جلد3 صفحہ 469)

"بہر حال جمہور علماء کے نزدیک عورت کے چہرہ اور ہھیلیاں کھول کر باہر نکلنے کے جواز پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ اور ان حضرات نے (إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا) کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ کا قول، ثیاب اور جلباب مراد لیا ہے۔ پس ان کے نزدیک چہرہ اور ہتھیلیاں جلباب کے نیچے چھپانے کا حکم باقی رہا جس کا حکم دیا گیا تھا۔"

معلوم ہوا ائمہ ثلاثہ کے نزدیک عورت کے چہرے کا چھپانا ضروری ہے۔

=:=:=:=:=:=:=:=:=:=:=:=:=:=:=:=:=:=:=:=

دو صفحے کے بعد پھر مفسر قرآن مفتی اعظم محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

۔۔۔۔وبالجملةفاتفقت مذاهب الفقهاء وجمهور الامة على انه لا يجوز للنساء الشواب كشف الوجوه والاكف بين الاجانب۔۔۔۔الخ

"احكام القرآن"للفقيه المفتى محمد شفيع العثمانى جلد3 صفحه 471:ادارة القرآن

(1): فى تفسير ابن كثيرسورة الاحزاب:ج/3ص/684):(بحواله فتاوى محمودية :ج/19ص/185):

"امرالله نساء المؤمنين اذاخرجن من بيوتهن فى حاجة ان يغطين وجوههن من فوق رؤوسهن بالجلابيب ويبدين عينا واحدة۔

(2): (وهكذافى روح المعانى :ج/22ص/89):(بحواله فتاوى دارالعلوم زكريا:ج/7ص/185):

وقال محمدبن سيرين:سالت عبيدة السلمانى عن هذه الآية فرفع ملحفة كانت عليه فتقنع بهاوغطى راسه كله حتى بلغ الحاجبين وغطى وجهه واخرج عينه اليسرى من شق وجهه الايسر......وقال ابن عباس رضى الله عنهما وقتادة رحمه الله تلوى الجلباب فوق الجبين وتشده ثم تعطفه على الانف وان ظهرت عيناهالكن يستر الصدر ومعظم والوجه وفى رواية اخرى عن ابن عباس رضى الله عنهما رواها ابن جرير وبن ابى حاتم وابن مردويه تغطى وجهها من فوق راسها بالجلباب وتبدى عيناواحدة۔

(3): (وھکذافی فتاوی دارالعلوم زکریا:ج/7ص/188): (بحوالہ مسند احمد وابوداؤد وابن ماجہ رقم 24021):

وعن ام المؤمنین عائشة رضی الله عنها قالت:کان الرکبان یمرون بنا ونحن مع رسول الله صلی الله علیه وسلم محرمات ،فاذا حاذوابنا اسدلت احدانا جلبابها من راسها علی عنها فاذا جاوزنا کشفناہ۔

(4): (وھکذافی الدر المختار علی ھامش ردالمحتار:ج/1ص/299):

(وتمنع) المراة الشابة (من کشف الوجه بین الرجال)لالانه عورة بل (لخوف الفتنة)

(5): (وھکذافی ردالمحتار:ج/1ص/299):

والمعنی تمنع من الکشف لخوف ان یری الرجال وجهها فتقعاالفتنة لانه مع الکشف قدیقع النظر الیها بشھوة۔

(6): (وھکذافی مجمع الانھر:ج/1ص/122):

وفی المنتقی: تمنع الشابة عن کشف وجهها لئلا یودی الی الفتنة وفی زماننا المنع واجب بل فرض لغلبة الفساد وعن عائشة رضی الله عنها جمیع بدن الحرة الااحدی عینیها فحسب لاندفاع الضرورة۔

(7): (وھکذافی البحر الرائق:ج/1ص/470):

قال مشائخنا:تمنع المراة الشابة من کشف وجهها بین الرجال۔

(8):(وھکذافی آپ کے مسائل اور ان کا حل:ج/8ص/103):

عورت کو کسی مجبوری کے بغیر چہرہ کھولنے کی اجازت نہیں۔

(9):(وھکذافی کفایت المفتی:ج/12ص/257):

=÷=

عورت کا چہرہ نماز میں پردے کا حکم نہیں رکھتا مگر غیر محرموں کے سامنے آنے جانے میں پردہ کا حکم رکھتا ہے کیونکہ چہرہ ہی اصل شئے ہے جو جاذب نظر اور مہیج جذبات ہیں۔

=÷=

امام کی بیوی کے حسن کو چیک کرنے کا مسئلہ

امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور فقہ حنفی سے لوگوں کو نفرت دلانے کی خاطر لامذھب غیر مقلدین اعتراض کرتے ہیں کہ حدیث میں امامت کیلئے جو شرائط بیان کی گئی ہیں، وہ یہ ہیں کہ امامت کا زیادہ حقدار سب سے پہلے وہ شخص ہے جو قرآن کریم کا زیادہ قاری ہو- پھر وہ جو عالم ہو پھر وہ جس نے ہجرت پہلے کی اور پھر وہ جو پہلے مسلمان ہوا ہو- مگر فقہ حنفی نے مذکورہ چار شرائط پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ان چار سے بڑھا کر کسی نے دس کسی نے اکیس تک بیان کی ہے، در مختار میں امامت کی شرائط میں ایک شرط یہ بھی لکھا ہے "ثم الاحسن زوجة یعنی جس کی بیوی زیادہ خوبصورت ہو اسکو امام بنایا جائے۔ لہذا فقہ حنفی کے مطابق امام بنانے کیلئے امام کی بیوی کو دیکھنا پڑے گا کہ خوبصورت ہے کہ نہیں؟

جواب میں ہم چار باتوں کی وضاحت کریں گے۔

پہلی بات: در مختار کی عبارت میں غیر مقلدین کی خیانت۔

دوسری بات: فقہائے کرام کے مذکورہ عبارت کی وضاحت۔

تیسری بات: غیر مقلدین کے فتاوی نزیریہ کی عبارت اور ایک الزامی سوال۔

چوتھی بات: ثم الاحسن زوجة کا نحوی ترجمہ۔

پہلی بات: غیر مقلدین خیانت جیسے جرم کو گناہ ہی نہیں سمجھتے در مختار میں بیوی کا خوبصورت ہونا امامت کی شرائط میں سے نہیں بلکہ یہ امامت کیلئے زیادہ حقدار اور مستحق ہونے کی صفت ہیں۔ شرط تو وہ ہوتا ہے جس کے فوت ہو جانے سے شروط بھی فوت ہو جائیں۔ حالانکہ اگر امام میں یہ صفات نہ بھی ہو تو نماز میں کوئی خلل نہیں آتا صرف بہتری کیلئے ان صفات کا ذکر کیا گیا ہے-

دوسری بات کی وضاحت: آخر فقہائے کرام "ثم الاحسن زوجة" کو شرط سمجھتے ہیں یا ایک استحبابی صفت۔ علا ابن قدامہ حنبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

=:=

هذا كله تقديمُ استحبابٍ لاتقديمُ اشتراطٍ ولا ايجابٍ لا نعلم فيه خلافا فلو قُدِّمَ المفضولُ كان ذالک جائزا لان الامر بعد هذا امرُ ادبٍ واستحبابٍ:

یعنی امامت کیلئے فقہائے کرام کے بیان کردہ تمام صورتیں استحباب کی ہیں کہ ایسے صفات کے حامل کو مقدم کرنا مستحب ہیں. اور ہاں تقدیم کی یہ صفات واجب اور شرط کے درجے میں نہیں ہے۔ جبکہ غیر مقلدین خیانت سے کام لیکر اس صفت کو واجب اور شرط کے درجے میں لیتے ہیں۔ علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ مزید لکھتے ہیں کہ ہمیں اس بارے میں کسی کا بھی اختلاف معلوم نہیں، پس اگر مفضول (یعنی مقتدیوں کی بہ نسبت کم مرتبہ) شخص کو مقدم کردیا گیا تو یہ جائز ہے۔ لہذا غیر مقلدین کا مذکورہ استحبابی صفت کو شرط کے درجے میں لینا سراسر خیانت اور تعصب ہے۔

دیکھئے: (المغنی مع الشرح الکبیر جلد دوم ص20)

مشہور غیر مقلد مولانا محمد اسماعیل سلفی صاحب نے ثم الاحسن زوجۃ کا ترجمہ یوں کیا ہے۔ کہ بیوی خوش وضع ہو۔ (رسول کرم کی نماز ص 37) مولانا سلفی صاحب نے جو ترجمہ کیا ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ عورت کی شکل وصورت کی نہیں بلکہ سیرت کی تعریف ہے لیکن عام طور پر غیر مقلدین یہ ترجمہ کرتے ہیں کہ اس آدمی کو اپنا امام بناؤ جسکی بیوی زیادہ خوبصورت ہو۔ علامہ شامی رحمہ اللہ کے انداز سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے بھی یہی ترجمہ مراد لیا ہے مگر یاد رکھئے: علامہ شامی رحمہ اللہ نے غیر مقلدین کی طرح عام نہیں لیا ہے کہ امام مقرر کرنے کیلئے امام کی بیوی کو چیک کرتے پھریں بلکہ انہوں نے فرمایا ہے کہ یہ ایسی بات ہے جو دوست احباب رشتہ داروں اور پڑوسیوں کو معلوم ہوتی ہے اس لئے وہ اپنے علم کی روشنی میں ایسے آدمی کو امامت کیلئے مقدم کریں، یہ مراد نہیں کہ ان میں سے ہر ایک اپنی بیوی کے اوصاف بیان کریں تاکہ پتہ چل جائیں کہ کس کی بیوی خوبصورت ہے۔ بعض دفعہ چیز پوشیدہ ہوتی ہے مگر لوگوں کو معلوم ہوتی ہے یا تو قرائن کی وجہ سے یا پوشیدہ ہونے سے پہلے کی حالت کی وجہ سے جیسا کہ بخاری شریف کی حدیث میں ہے کہ ہرقل بادشاہ نے جب خواب دیکھا کہ ختنہ کیا ہوا شخص ختنہ کئے

ہوئے لوگوں کے ساتھ اس کے ملک پر غالب ہے تو ہرقل نے اسکی تعبیر پوچھی. جب آپ علیہ السلام کا ہرقل کے نام رقعہ یعنی خط گیا تو اس نے اپنے لوگوں سے پوچھا کہ معلوم کرو کیا وہ ختنہ کیا ہوا ہے اور اسکی قوم بھی ختنہ کی ہوئی ہیں تو انہوں نے معلوم کر کے اس کو بتایا کہ ہاں وہ ختنہ کئے ہوئے ہیں۔

دیکھئے! ختنہ کیا ہوا ہونا ایک پوشیدہ امر ہے مگر انہیں معلوم ہو گیا- بخاری کی عبارت کچھ یوں ہے

انی رایت اللیلة حین نظرت فی النجوم مَلِکَ الختان قد ظھر فمن یختتن من ھذہ الامة-۔

چند لیکر کے بعد عبارت یوں آئی ہے۔

قال اذھبو فانظروا اَمُختَتِنٌ ھو ام لا؟ فنظروا الیه فحَدَثُوہ انه مختتن:

بہر حال مذکورہ حدیث سے پتہ چلتاہے کہ بعض دفعہ چیز پوشیدہ ہوتی ہے مگر لوگوں کو کسی نہ کسی ذریعے سے معلوم ہو سکتی ہیں تو بالکل اسی طرح کسی کی بیوی کا خوبصورت ہونا پوشیدہ امر ہے مگر حالات سے لوگوں کو اسکا پتہ چل جاتا ہے، دیکھنے یا چیک کرنے کی ضروت نہیں ہوتی یا وہ عورت بچپن میں کسی نے دیکھی ہو تو اس سے بھی معلوم ہو سکتاہے اسی کو علامہ شامی رحمہ اللہ نے بیان کیاہے اور اس تقدیم کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایسی بیوی سے خاوند محبت کرتا ہے اور اسکے علاوہ کسی اور سے تعلق نہ رکھنے کیوجہ سے پاک دامن رہتاہے۔ دیکھئے (رد المختار جلد اول ص 412)

تیسری بات: احناف کے نزدیک امامت کیلئے امام کی بیوی کے حسن کو چیک کرنے کا کوئی مسئلہ نہیں۔ البتہ غیر مقلدین کے شیخ الکل فی الکل مالا نا نزیر حسین دہلوی صاحب سے خنثیٰ کی امامت سے متعلق سوال ہوا تو جواب دیا زید مذکور اگر خنثیٰ مشکل ہے تو اسکا امام مقرر کرنا یا اس کا از خود امام بن جانا ناجائز و نادرست ہے اور خنثیٰ مشکل اس شخص کو کہتے ہیں جس میں رجولیت وانوثیت دونوں موجود ہوں، یا دونوں میں سے کوئی موجود نہ ہو۔ زید کا خنثیٰ مشکل ہونا یا تو خود اسکے اقرار سے ثابت ہو گا یا مشاہدہ سے۔ (فتاویٰ نزیریہ ص 494)

غیر مقلدین سے ہم بصد ادب و احترام پوچھتے ہیں کہ اب اگر اسی قسم کا مسئلہ در پیش ہو ااور کسی کے بارے میں خنثیٰ مشکل ہونے کا وہم ہو، اور وہ امامت کا خواہش مند بھی ہو، ساتھ ساتھ فتاویٰ نزیریہ کے مطابق فیصلہ پر آمادہ بھی ہو تو اسکے آلہ کا مشاہدہ کون کریگا، آپ کے شیخ الکل فی الکل تو اس دنیا سے رخصت ہو گئے اب آپ ہی ان کی جانشینی کا حق آدا کرتے ہوئے فرمائیں کہ کسی کے مشاہدہ سے اسکو امامت کا مستحق یا غیر مستحق قرار دیا جاسکتا ہے؟

چوتھی بات: ثم الاحسن زوجة کا بہتر ترجمہ: اگرچہ بعض حضرات نے ثم الاحسن زوجة کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ پھر ایسا آدمی امام بناؤ جسکی بیوی خوبصورت ہو اور اسکی وجہ اس کے ذریعے سے پاک دامنی حاصل کرنا بتاتی ہے، مگر قواعد کا لحاظ رکھتے ہوئے یہ ترجمہ بہتر نہیں۔ اس لئے کہ عبارت میں الاحسن اسم تفضیل کا صیغہ ہے جو اس پر دلالت کرتا ہے کہ اسکے موصوف میں مصدری معنیٰ دوسروں کے بنسبت زیادہ پا جاتا ہے اور الاحسن کا موصوف اصل میں اس کا فاعل ہی ہے۔

پھر یہ قاعدہ بھی ہے کہ جب اسم تفضیل معرف بالام تو اسکا تذکیر و تانیث میں اپنے موصوف کے مطابق ہونا ضروری ہے۔ ان قواعد کا لحاظ رکھ کر مطلب یہ ہو گا کہ جو الاحسن کا موصوف ہے اسمیں صفت حسن باقی لوگوں کی بہ نسبت زیادہ پائی جاتی ہے بحث چونکہ امام کی ہو رہی ہے اس لئے الاحسن کا موصوف یہاں امام ہو گا اور زوجہ اسم تفضیل کی تمیز ہو گا۔ اس لحاظ سے معنیٰ پھر یوں گا کہ وہ آدمی جسکو امام بنایا جارہا ہے وہ زوجہ کے لحاظ سے باقی لوگوں کی بنسبت زیادہ حسین ہو۔ زوجة یعنی بیوے کے لحاظ سے آدمی کا حسین ہونے کا مطلب کیا ہے مطلب یہ کہ یہ آدمی اپنی بیوی سے برتاؤ اچھا کرتا ہوں حدیث میں بھی آتا ہے خیارکم خیارکم لنسائھم، یعنی تم میں سے پسندیدہ وہ ہیں جو اپنی عورتوں کے حق میں پسندیدہ ہوں (الجامع الصغیر للسیوطی جلد اول ص 396)

اس حدیث کے مفہوم سے امام کیلئے تقدیم کی صورت بیان کرنا ایک فقیہ کی شان ہو سکتی ہے- اور اگر معنٰی یہ کریں کہ بیوی خوبصورت ہو تو اس میں الاحسن کا موصوف امام کے بجائے زوجہ کو بنا دیا گیا، اور زوجہ کو موصوف بنانے کی وجہ سے تین خرابیاں پیدا ہوتی ہے دو لفظی اور ایک معنوی۔

پہلی لفظی خرابی یہ ہے کہ زوجہ مونث جبکہ الاحسن مذکر کا صیغہ ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ اسم تفضیل معرف بالام کی صورت میں موصوف کے مطابق اسم تفضیل کا صیغہ لانا ضروری ہے- اور یہاں پہ موصوف صفت میں مطابقت نہیں پائی گئی۔

دوسری لفظی خرابی یہ ہے کہ زوجہ منصوب ہے جبکہ قاعدہ یہ ہے کہ اسم تفضیل کا موصوف فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہوتا ہے اور یہاں مرفوع نہیں بلکہ منصوب ہے۔

تیسری معنوی خرابی یہ لازم آتی ہے کہ پسندیدہ ہونا تو اسکا ثابت کرنا ہے جسکو امام مقرر کرنا ہے جبکہ صفت حسن زوجۃ کیلئے ثابت کرنے کی صورت میں پسندیدہ ہونا عورت کا ثابت ہوتا ہے اس لئے ثم الاحسن زوجۃ کا بہتر ترجمہ یہ ہے کہ وہ آدمی بیوی کے لحاظ سے احسن خوبصورت ہو یعنی بیوی سے اچھا برتاؤ کرنے والا ہو۔

مزید تفصیل انکشاف حقیقت مولانا عبد القدوس قارن صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی کتاب میں ملاحظہ فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بغض وحسد جیسی لاعلاج بیماری سے نجات فرمائیں، آمین

مساجد کے متولیوں کا ظلم اور امام کی تنگ زندگی

کیا آپ کو پتہ ہے اکثر مساجد کے متولی حضرات انتہائی سخت اور دشوار شرائط لگا کر کس طرح امام کی زندگی کو تنگ اور برباد کرتے ہیں؟ آئیں ملاحظہ فرمائیں۔

(1)امام مسجد کی خوب صفائی اور نگرانی کے والا ہوں۔

(2)اللہ پر توکل کرتا ہو یعنی ختم وغیرہ اور نکاح کے پیسے نہ لے۔

(3)وقت کا پابند ہو۔

(4)چوبیس گھنٹے مسجد میں موجود ہو۔

(5)جنازے پڑھائے۔

(6)عید اور جمعے کی نماز پڑھائے۔

(7)بچے کے کان میں اذان دے۔

(8)دو وقت بچوں کو قرآن پڑھائے۔

(9)کوئی بیمار ہو تو اس کی تیار داری کیلئے جایا کرے۔

(10)امامت کے ساتھ ساتھ کسی اور جگہ کوئی کاروبار نہ کرے اور نہ ہی دوسری جگہ ٹیوشن پڑھائے۔

(11)کسی بچے کو سزا نہ دے۔

(12)جہاد کی موضوع پر بات نہ کریں تاکہ نوجوان نسل کا ذھن خراب نہ ہو۔

ان تمام شرائط کو عملی جامہ پہنانے کے بعد آپکو 5000روپے تنخواہ ملے گی۔

اب ذرا ایک لمحہ ءکیلئے آپ حضرات ذرا سوچئے۔ لوگ کہتے ہیں ہم پریشان کیوں ہیں؟ وارثین انبیاء کو پریشان کر کے بھلا کوئی سکون کی زندگی گزار سکتا ہے؟ آج کل دیہاڑی کرنے مزدور ایک دن کا 15 سو روپے مزدوری لیتے ہیں۔ یعنی اس کے ہفتے کی دیہاڑی ساڑھے دس ہزار جبکہ مہینے کی بیالیس ہزار روپے

بنتی ہیں۔ جبکہ آج کل مسجد کے امام کا تنخوا عموماً پانچ ہزار سے لیکر دس تک چلتا ہے یعنی دیہاڑی کرنے والے مزدور کے ایک مہینے کا تنخواہ امام مسجد کے آدھے سال کے تنخواہ کے برابر ہے۔ یہ ہے ہمارے ائمہ مساجد کی عزت۔ میں توسو فیصد یقین سے کہہ رہاہوں جولوگ آج کے دور میں اپنے امام کو بیس ہزار تنخوا بھی دیتاہے تو وہ گنہگار ہے۔ کیونکہ آج کے دور میں بیس ہزار سے بھی ضروریات زندگی پوری نہیں ہوتی۔ عجیب بات ہے ہمارے ہاں لوگ نام اور شہرت کی خاطر لاکھوں اور کروڑوں روپوں میں مسجد بنالیتے ہیں۔ لیکن مسجد کے امام کے تنخواکا حال مت پوچھیئے چارپانچ ہزار سے شروع ہوکر زیادہ سے زیادہ دس ہزار تک عموما تنخوا ہوتا ہے۔۔۔پانچ ہزار روپے میں تو بیس لیٹر گھی کا ڈبہ بھی نہیں ملتا۔ ذراخود سوچئے! کیاہم امام اور دین کی توہین کے مرتکب نہیں ہورہے؟ حالانکہ معاشرے کی اصلاح میں امام مسجد کا بہت بڑا کردار ہے۔ مگر بدقسمت متولیوں اور مقتدیوں کی وجہ سے مسجد کے امام کی زندگی ایک عذاب بن چکی ہے۔ وہ بیچارہ اگر تنخواکے زیادتی کی بات کرتا ہے توانہیں لالچی تصور کیاجاتاہے، اسکی تقوے پر شک کیاجاتاہے انہیں طعنے دیاجاتاہے کہ دین کے کام پر تم مخلوق سے پیسے بٹورتے ہو۔

دیکھیئے: حج اور عمرہ ایک شرعی فریضہ ہے لیکن ائیرلائن کمپنیز اور ٹریول ایجنٹس پھر بھی پیسے مانگتے ہیں۔

مسجد بنانا نیکی کا کام ہے مگر مستری ومزدور پھر بھی پیسے مانگتے ہیں۔

قربانی ایک شرعی فریضہ ہے مگر ہر مالک جانور پر زیادہ سے زیادہ پیسے مانگتاہے۔

تو نہ کسی کو ان کے تقویٰ پر شک ہوتا ہے نہ کوئی انہیں دنیادار لالچی کہتاہے نہ وہ دین فروش بنتے ہیں نہ ہی ریٹ فکس کرنے کو حرام کہاجاتاہے۔ بالکل اسی طرح نماز پڑھنا، خطبہ جمعہ، عیدین، تراویح، یہ سب بھی شرعی احکام ہیں مگر جب امام، خطیب، طرف اپنی تنخواہ میں اضافے کا مطالبہ کردے یا تنخواہ طے کرلے یا تنخواہ لیٹ ہونے پہ اظہارِ ناراضگی کردے تو بس پھر وہ دنیادار بن جاتاہے، دین فروش کہلواتاہے، لالچی ہوتاہے، تقویٰ سے خالی ہوتاہے۔

=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=

یقین کیجیے !ایسے محلے بہت ہے جس میں چالیس پچاس تک گھر موجود ہوتے ہیں مگر اس کے باوجود امام سالوں سے مفت ہی بروقت پانچوں نماز پڑھاتے ہیں۔یعنی پورے محلے میں اتنی دینی غیرت نہیں کہ ایک امام کا گھر چلائیں۔حالانکہ ان کے بچوں کے خرچے کا حال پوچھ لیں تو آپ حیران رہ جاوگے۔۔۔۔بچوں کے سکول کا فیس،لہو ولعب موبائل اور کمپیوٹر پر ہزاروں روپے دے سکتے ہے۔اپنے مہمانوں کیلئے ایک ہی رات میں ہزاروں روپے خرچ کیا جاسکتا ہے۔ہر سال گھر کے رنگ وروغن پر بے تحاشاہ پیسہ برباد کیا جاتا ہے۔مگر امام بیچارہ کیلئے تنخواتک دینا مشکل ہے۔

ہے۔

ائمہ مسجد سے ایک دردمندانہ اپیل:

آپ حضرات ایک مقدس ممبر کے ذریعے دین پھیلارہے ہو۔**فجزاکم اللہ خیرا**۔خدارا مسجد کے متولیوں اور سرمایہ دار حضرات کی بے جاچاپلوسی نہ کریں اس سے دین اور آپ دونوں کی توہین لازم آتی ہے۔بہتر اور مناسب یہی ہے جس شخص کے دل میں دین، علم اور علماء کی قدر نہ ہو اگرچہ آپ کا مقتدی کیوں نہ ہو ایسے حضرات کی دعوت طعام ہرگز شرکت نہ کیجئے۔ویسے بھی ہر وقت ہر کسی کی دعوت میں شریک ہونا انسان کی عزت کو خاک میں ملادیتا ہے۔لہذا شرعی احکامات کو مدنظر رکھتے ہوئے قدم اٹھانے کی کوشش فرمائیں اسی میں ہماری دنیاو آخرت کی بھلائی ہے۔

=÷=

مناظرہ میں فریق مخالف سے حکم شرعی ضرور لگوائیں

مناظرہ اور بحث کرتے وقت ایک اہم چیز فریقین کے درمیان مقرر شدہ مسئلے پر حکم شرعی کا لگانا ہے یعنی جس چیز پہ بحث ہو رہی ہیں اُسکو رُتبہ دیا جائے کہ یہ فرض ہے یا واجب سنت ہے یا مستحب۔

مدعی اور مدعی علیہ کی تعریفات سے بھی پتہ چلتا ہے کہ حکم لگانا ہی اصل چیز ہے مدعی کی یہ تعریف یہ ہے "المدعي من نصب نفسه لأثبات الحكم بألدليل اوالتنبيه" اور مدعی علیہ کی تعریف ہے "من نصب نفسه لنفيه اي لنفي الحكم اوالدعوى"

دیکھئے دونوں میں حکم لگانے کی بات آگئی، اب مثال سے سمجھیں۔

مسئلہ تقلید میں ہم اہل سنت والجماعت مدعی ہے تو ہمارا دعوہ یہ ہے کہ عامی یعنی غیر مجتہد پر مسائل اجتہادیہ میں مذہبِ معین کی تقلید واجب ہے یہ واجب کا لفظ ہی حکمِ شرعی کہلائیگا اس مسئلے میں غیر مقلدین مدعی علیہ ہے اب انہوں نے بھی صاف حکم شرعی یوں لگانا ہے کہ مذہبِ معین کی تقلید کرنا حرام یا شرک ہے کسی عمل کو حکم دئے بغیر اس ہر بحث کرنا فضول کام ہے۔ اس لے کہ مناظرہ میں دعوے کا حکم لکھنا ضروری ہوتا ہے جب تک حکم نہ لکھا جائے اس وقت تک دعوے مکمل نہ ہوگا جب دعویٰ ہی مکمل نہ ہو تو دلیل کس چیز پہ دوگے ؟ بالفاظِ دیگر سارے مناظرے کا دار و مدار حکم شرعی پر ہے اور اس میں سب سے زیادہ کام فقہائے کرام نے کیا ہے ایک ایک چیز کا حکم بیان فرمایا ہے آپ بخاری شریف اور مشکوۃ شریف کھولیں اس میں جو وضوء کا طریقہ ہوگا وہی طریقہ تعلیم الاسلام ،نور الایضاح ،**فقه الميسر** اور قدوری شریف میں بھی آپ کو لکھا ہوا ملے گا لیکن ایک چیز فقہ کی کتب میں زائد ہوگی وہ یہ کہ ہر ہر مسئلے ل کے ساتھ یہ وضاحت ہوگی کہ اس کا کیا حکم ہے چہرہ دھونا فرض ہے کلی کرنا سنت ہے اب یہ فرض وسنت کے احکام حدیث کی کتابوں میں نہیں ملتے ۔ فقہاء نے ایک ایک حکم کی وضاحت کی ہے۔ اس لے ہمارے لئے تو کوئی ٹینشن ہی نہیں کیونکہ تیار حلوہ فقہ کی کتب میں موجود ہیں کہ یہ چیز فرض

ہے یہ واجب ہے یہ سنت ہے اور یہ مستحب اسکے بر عکس سارے گمراہ فرقے حکم شرعی لگانے سے ڈرتے ہیں۔

وہاڑی نامی جگہ میں امام المناظرین حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمہ اللہ علیہ کا غیر مقلدین کے ساتھ مسئلہ رفع الیدین پر مناظرہ تھا حضرت اوکاڑوی رحمہ اللہ نے ان سے بار بار مطالبہ کیا کہ لکھو رفع الیدین سنت ہے وہ کہتے ہم سنت نہیں لکھتے حضرت اوکاڑوی رحمہ اللہ اُن سے کہتے کہ چلو یہ لکھ کر دے دیں کہ رفع الیدین سنت نہیں تو لا مذھب غیر مقلدین اسکے لکھنے کیلئے بھی تیار نہیں ہوئے۔

سمجھنے کی بات یہ ہے کہ آخر غیر مقلدین حکم لگانے سے اتنا کیوں ڈر رہے تھے؟ وجہ اسکی یہ تھی کہ مناظرے کے شروع ہی میں مفردات کی تعریف اپنے اپنے اُصولوں سے ہی کیجاتی ھے اب رفع الیدین پر تو سنت ہونے کا حکم تب لگایا جاسکتا ہے جب کسی کو سنت کی تعریف آتی بھی ہو جبکہ لامذہب غیر مقلدین اپنے دو اصولوں کی روشنی میں تا قیامت سنت کی تعریف نہیں کرسکتے۔

اسی طرح پسرور نامی علاقے میں حضرت اوکاڑوی رحمہ اللہ مسئلہ تراویح پہ مناظرہ تھا غیر مقلدین نے لکھا کہ آٹھ رکعات تراویح کی نماز سنت مؤکدہ ہیں حضرت اوکاڑوی رحمہ اللہ نے ان سے کہا کہ آپ سنت مؤکدہ اور تراویح کی تعریف لکھ کر دے دیں لیکن اپنے دو اُصولوں سے۔ غیر مقلدین نے آخر تک سنت کی تعریف نہ قرآن سے پیش کی اور نہ ہی حدیث پاک سے ہاں کہنے لگے کہ سنت کی تعریف یہ ہے "

السنۃ ما واظب النبي صلي الله عليه وسلم بنفسه"

یعنی سنت وہ چیز ہے جس پر آپ علیہ السلام نے ہمیشگی و مواظبت اختیار فرمائی ہو۔ حضرت اوکاڑوی رحمہ اللہ نے غیر مقلدین کے مناظر سے کہا کہ پہلی تو بات یہ ہے کہ تو نے یہ تعریف فتح القدیر سے چوری کی ہے دوسری بات یہ ہے کہ یہ تعریف بھی ایسی ہے کہ واقعی علامہ ابن ھمام رحمہ اللہ نے یہ تعریف کس زمانے میں کی تھی لیکن پھر اُنہیں اس کا احساس ہوا تو اُنہوں نے اپنی کتاب میں اس کا رد کر دیا۔ ویسے بھی یہ تعریف صحیح نہیں اس لیے کہ تعریف کا جامع اور مانع ہونا ضروری ہے تعریف کے دو حصے ہوتے ہیں۔

نمبر ا جنس نمبر ۲ فصل۔

جنس سے جامعیت آتی ہے فصل مانعیت آتی ہے جبکہ یہ تعریف نہ جامع ہے نہ مانع وہاں چونکہ مناظرے میں عوام بھی موجود تھے اس لئے انہو سمجھانے کیلئے حضرت اوکاڑوی رحمہ اللہ نے پوچھا کہ پانچ وقت نماز سے پہلے آذان سنت مؤکدہ ہے؟ اُنہوں نے کہاہاں حضرت نے فرمایا غیر مقلد مناظر کی تعریف سے آذان اور اقامت سنت مؤکدہ نہیں رہی کیونکہ اس نے تعریف یہ کی کہ سنت وہ کام ہے جسکو آپ علیہ السلام نے کیاہو حالانکہ نبی علیہ السلام نے پوری زندگی میں ایک مرتبہ بھی نہ آذان کہی ہے اور نہ ہی اقامت۔

اس نے جو تعریف کی ہے کتنی غلط ہے کہ آذان اور اقامت سنت مؤکدہ نہیں رہی اس لحاظ سے یہ تعریف جامع نہیں یعنی تعریف جن جن افراد کو جمع کرنے والا تھا اُن سب کو جمع نہ کرسکے اسی لئے تو آذان واقامت سنت کی تعریف سے خارج ہوئی ے۔اور یہ تعریف مانع بھی نہیں باہر سے جو چیزیں اس تعریف کے اندر داخل ہوتی ہے یہ اُن کو منع نہیں کرسکتی۔ دیکھئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرض ہمیشہ پڑھی ہیں تو اس تعریف کی لحاظ سے فرض سنت کی تعریف میں آکے شامل ہو گیا کیونکہ اس مناظر نے تعریف سنت کی یہ کی تھی کہ جسکو آپ علیہ السلام نے ہمیشہ کیاہو۔ فرض یقیناً آپ علیہ السلام ہمیشہ آدا فرماتے تھے تو لہذا یہ تعریف مانع بھی نہیں کیونکہ غیر اس میں داخل ہونے لگتے ہیں اس لئے یہ تعریف صحیح نہیں۔ {لھذا دوران مناظرہ غیر مقلدین کو تعریفات کے اندر خوب مضبوطی کے ساتھ پکڑ لیا کریں}

اب ایک بہترین واقعہ سنادیتاہوں شروع میں ہم بتاچکے کہ حکم شرعی یعنی فرض واجب سنت وغیرہ جیسے احکام یہ غیر مقلدین کیلئے درد سر سے بنے ہوئے ہیں۔

مولانا عبدالجلیل رحمہ اللہ علیہ پشاور میں بہت بڑے عالم گزرے ہیں اُن کی کتاب "کتاب المقلدین" کے نام سے فارسی میں آج بھی ملتی ہے۔اس میں انہوں نے ایک واقعہ لکھاہے کہ!سب سے پہلا غیر مقلد

پشاور میں محمد صدیق نامی تھا، جو مشہور غیر مقلد مولانا نزیر حسین دہلوی کا شاگرد تھا یہ دن رات فقہاء کے خلاف بولتا تھا۔ مولانا عبد الجلیل صاحب رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے دو چار طالب العلم بھیج دئے کہ اس سے سنت کی تعریف اور فرض کی تعریف پوچھنا۔ طالبعلموں نے چٹ لکھ کر بھیج دی کہ سنت اور فرض کی تعریف بتائیں۔ اس نے تعریف کی کہ فرض وہ کام ہے جس کا کرنا ضروری ہو اور سنت وہ کام ہے جس کا کرنا ضروری نہ ہو مزید یہ بھی کہا کہ بعض لوگ سنتوں کو بھی فرض سمجھتے ہیں ہمیشہ پڑھتے ہیں یہ دین میں تحریف ہے فرض اور سنت کا فرق ہے۔ اب ایک طالبعلم نے اس غیر مقلد شیخ سے پوچھا کہ شیخ صاحب داڑھی رکھنا فرض ہے یا سنت ؟ کیونکہ جب سے رکھی ہے پوچھا ہی نہیں کہ کدھر جا رہی ہے اگر فرض ہے تو اس کا ثبوت دیں اور اگر سنت ہے تو ایک ہفتہ رکھا کریں ایک ہفتہ کٹوا دیا کریں۔

دوسرا طالبعلم شیخ صاحب سے کہنے لگا آپ علیہ السلام نے تو فرمایا ہے "**النکاح من سنتي**" کہ نکاح میری سنت ہے لیکن آپ نے جب سے نکاح کیا ہے بیوی فرض بنا کر ساتھ رکھی ہوئی ہے اس لئے گزارش ہے کہ ایک ہفتہ آپ رکھا کریں ایک ہفتہ ہمیں دے دیا کریں تاکہ دین میں تحریف نہ ہو۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ان بیچاروں کو تعریفات آتی ہی نہیں۔ اور جو کرتے ہیں وہ بھی ادھر اُدھر سے چوری کرتے ہیں اس لئے مقلدین حضرات ان کو اس چیز کا پابند بنائیں کہ جس عمل کے متعلق اُنہوں نے دعوی لکھا ہے دعوی کے اندر اُن سے حکم شرعی ضرور لکھوائیں {اور ہاں پھر اُس حکم شرعی کی تعریف بھی اُن سے پوچھے} پھر اُن سے کہے کہ اب یہ تعریف اپنے دو اُصول یعنی قرآن و حدیث سے بتائیں امتیوں سے چوری نہ کریں ورنہ چور کی سزا تو معلوم ہیں۔

ان شاء اللہ اس فارمولے کو استعمال کرنے کے بعد غیر مقلدین کبھی بھی آپ کے سامنے نہیں آئینگے۔ اللہ تعالی ہمیں دین اسلام پر استقامت نصیب فرمائیں۔

=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=

اصول الشاشی ونور الانوار کی عبارت پر اعتراض:

غیر مقلدین کا ہمیشہ سے یہ عادت ہے کہ احناف بہی کتب سے شاذ اور مرجوح اقوال کو لیکر اُن پر اعتراضات کرتے آرہے ہیں۔

حالانکہ شاذ اور مرجوح اقوال پہ اعتراضات کرنا کم عقلی ہے اس لئے کہ یہ چیز مسلک کا حصہ ہی نہیں۔ تو جو چیز مسلک ہی نہ رہا ان پہ اعتراضات کرنا بھی بے جا و فضول ہے۔

اعتراض کرتے ہیں کہ صاحب اصول الشاشی راویان حدیث کی اقسام کو بیان کرتے ہوئے دوسری قسم کے متعلق یوں لکھتے ہیں۔

والقسم الثاني من الرواة هم المعرفون بالحفظ والعدالة دون الاجتهادوالفتوی کابي هريرة وانس بن مالك فاذاصحت رواية مثلهاعندك فان وافق الخبرالقياس فلاخفاءفي لزوم العمل به وان خالفه كان العمل بالقياس اولیٰ۔اصو ل الشاشی/ ص75

اور یہی کچھ بعض الفاظ کی تبدیلی کے ساتھ صاحب نور الانوار بھی لکھ چکے ہیں۔ عبارت کا مطلب یہ ہے کہ راویان حدیث میں سے دوسری قسم ان لوگوں کا ہے جو حفظ اور عدالت میں تو مشہور لیکن اجتھاد اور فتویٰ میں مشہور نہ ہو جیسے حضرت ابو ھریرۃ اور حضرت انس بن مالک رضی عنہما حضرات کی روایت اگر قیاس کا مخالف ہو تو قیاس ہی پر عمل کیا جائیگا نہ کہ ان حضرات کی روایت پر۔

لا مذھب غیر مقلدین اس عبارت کو لیکر عوام کو مشتعل کرنا چارہے ہیں کہتے ہیں کہ احناف صحابہ کرام کی کتنی توھین کرتے ہیں۔ ایک تو

حضرت ابو ھریرہ اور انس بن مالک رضی اللہ عنہما کو فقہائے کرام میں سے مانتے ہی نہیں۔

دوسرا یہ کہ ان حضرات کی روایت کے مقابلے میں قیاس اور رائے کو ترجیح دیتے ہیں، ساتھ ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ احناف کے اصول کی کتب میں لکھا ہوا ہے کہ حدیث رسول اللہ صلی علیہ وسلم اگر ضعیف ہو تو ہم قیاس کو ترجیح دیئنگے (معاذ اللہ)۔

جواب: مذکورہ اعتراض میں تین باتیں اہم ہیں

پہلی بات: احناف کے نزدیک حضرت ابوہریرہ اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما فقہائے کرام میں سے نہیں ہیں۔

دوسری بات- غیر فقیہ صحابی کی روایت اگر خلاف قیاس آجائے تو احناف قیاس کو ترجیح دیتے ہیں۔

تیسری بات -ضعیف حدیث اور قیاس کا اگر آپس میں تعارض و ٹکراو اجائیں تو احناف حدیث رسول کو چھوڑ کر قیاس ہی کو ترجیح دیتے ہیں۔

پہلی بات کی طرف آتے ہیں۔ احناف کا راجح مسلک یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما دونوں فقہاء صحابہ کرام میں سے تھے۔

یادرہے! صاحب اصول الشاشی صاحب ونور الانوار دونوں نے حضرت ابو ھریرہ وحضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما کے فقیہ ہونے سے انکار نہیں کیا ہے بلکہ یہ کہا ہے کہ یہ دو حضرات صحابہ کرام اجتھاد وفقہ میں معروف ومشہور نہ تھے۔

اھذا یہ کہنا کہ احناف مذکورہ دو حضرات صحابہ کرام کو فقہاء صحابہ کرام میں سے شمار نہیں کرتے یہ محض ایک الزام ہے۔

جیسے کہ علامہ عبد العلی محمد بن نظام الدین السہالوی الکھنوی رحمہ اللہ کی عبارت میں یہی کچھ موجود ہے لکھتے ہیں:

فيه إشارة الى ان اباهريرة كماهوصحيح.

یعنی اس میں اشارہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فقیہ صحابی ہے اور یہی صحیح مذھب ہے۔

=:=

(فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت، ص272 جلد2)

اسی طرح محشی نور الانوار عبد الحکیم لکھنوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ان اباهريرة رضي الله عنه فقيه صرح به ابن الهمام رحمه الله في التحرير.

یعنی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فقیہ صحابی ہے اس بات کی تصریح ابن ھمام رحمہ اللہ نے تحریر میں بھی کی ہے۔(قمر الاقمار ص114 جلد/2)

اسی طرح علامہ ابن قیم رحمہ اللہ بھی متوسطون فی الفتاویٰ فقہاء صحابہ کرام کو ذکر کرتے ہیں جنکی تعداد 13 ہیں، ان میں حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ دونوں کو داخل کیا ہے، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے نام کو تیسرے نمبر پہ اور حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کے نام کو پانچویں نمبر پہ ذکر کیا ہے.

/ اعلام الموقعین، جلد اول)

مذکورہ بالا عبارات سے یہ بات بخوبی معلوم ہوگئی کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ دونوں فقہاء صحابہ کرام میں سے تھے او جس نے بھی انکو غیر فقہاء کہا ہے تو انکا قول شاذ سمجھا جائیگا یعنی ان کا کوئی اعتبار نہیں۔

آتے ہیں دوسری بات کی طرف۔

یعنی احناف کے نزدیک غیر فقیہ صحابی کا قول اگر خلاف قیاس آجائے تو قیاس ہی کو ترجیح دی جائیگی۔

اسکے جواب میں امام المحدثین شیخ عبد الفتاح ابو غدہ رحمہ اللہ کی لاجواب عبارت پیش خدمت ہے:

بل اختلف سادتنا الحنفية فيما اذا تعارض قول الصحابي والقياس فايهما يقدم قال فخر الاسلام البزدوي اقوال الصحابي مقدمة على القياس.

(التعليقات على القواعد. ص96)

=÷=

یعنی ہمارے سردار احناف کا اس بات میں اختلاف ہوا ہے کہ اگر قول صحابی اور قیاس کا آپس میں تعارض آجائیں تو ان میں سے کونسا مقدم کیا جائیگا، فخر الاسلام بزدوی رحمہ اللہ فیصلہ سناتے ہوئے فرماتے ہیں کہ قول صحابی قیاس پر مقدم ہو گا۔

آتے ہیں تیسری بات کی طرف: یعنی احناف کے ہاں قیاس مقدم ہے یا حدیث ضعیف؟

سلطان المحدثین ملا علی قاری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ان الحديث الضعيف عندنا مقدم على الرأي۔یعنی حدیث ضعیف بھی ہمارے نزدیک قیاس پر مقدم ہے۔(مرقات، ص273 جلد2)

دوسری جگہ پہ لکھتے ہیں:

ان مذهبهم القوي تقديمُ الحديث الضعيف على القياس. یعنی احناف کا قوی اور راجح مذہب یہی ہے کہ ضعیف حدیث قیاس پر مقدم ہے۔(مرقات، ص3 جلد اول)

اسی طرح امام عبد الوہاب الشعرانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں؛

روى الامام ابو جعفر بسنده المتصل الى ابي حنيفة انه كان يقول كذب على الله وافترى علينا من يقول اننا نقدم القياس على۔

یعنی روایت کیا ہے امام ابو جعفر نے سند متصل کے ساتھ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے، کہ امام صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا جو آدمی کہتا ہے کہ ہم قیاس کو نص پر مقدم کرتے ہیں، تو اس نے اللہ پر بھی جھوٹ بھولا اور ہم احناف پر بھی۔

یاد رہے! نص میں آیات مبارکہ اور احادیث دونوں شامل ہیں۔(المیزان الکبری للشعرانی)

اسی طرح مولانا عبد الحی الکھنوی رحمہ اللہ مجموع الفتاویٰ میں (ص192، جلد1)

پہ لکھتے ہیں: کہ یہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ پہ محض ایک الزام ہے کہ امام صاحب قیاس کو حدیث ضعیف پر مقدم کرتے تھے۔

اور علامہ ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

واصحا ب ابي حنيفة مجموعون على ان مذهبَ ابي حنيفةَ أنّ ضعيفَ الحديث عنده اولىٰ من القيا س والرأي وعلى ذلك بنىٰ مذهبه كماقدم حديث القهقه مع ضعفه القياس والرأى ومَنَعَ

قطعُ السارق بسرقةٍ اقلُ من عشرة دراهم فتقد يم الحديث الضعيف وآثار الصحابة على القياس والرأي قوله وقول الأمام احمد رحمه الله

(اعلام المؤقعين، ص26)

یعنی امام صاحب رحمہ اللہ کے تمام ساتھی اس بات پہ متفق ہیں کہ امام صاحب کا اپنا مذہب یہ تھا کہ حدیث ضعیف رائ وقیاس پر مقدم کیا جائیگا، اور اسی پر امام صاحب نے اپنے مذھب کی بنیاد رکھی تھی، جیسے کہ امام صاحب رحمہ اللہ نے حدیث قہقہ کو باوجود ضعیف ہونے کے رائ وقیاس پر مقدم کیا ہے یعنی قیاس کا تقاضاء تو یہ ہے کہ نماز میں قہقہ لگانے سے وضوء نہ ٹوٹے بلکہ نماز ٹوٹ جائے کیونکہ ہنسی تو نماز کے اندر واقع ہوئی ہے نہ کہ وضوء کے اندر۔

اسی طرح حديث الوضوء بنبيذ التمر (کھجور کی پانی سے وضوء کرنا) باوجود ضعیف ہونے کے رای وقیاس پر مقدم کیا ہے۔

اسی طرح دس درہم سے کم چوری پہ امام صاحب نے ہاتھ کاٹنے سے منع کیا ہے حالانکہ اس بات میں حدیث ضعیف ہے۔

دیکھئے! امام صاحب رحمہ اللہ رائ وقیاس کو چوڑتے ہیں حدیث ضعیف کو لے لیتے ہیں۔

آگے ابن قیم رحمہ اللہ نے صاف لکھا ہے:

فتقديم الحديث الضعيف آثار الصحابة على القياس و الر أي قواها وقول الأمام احمد رحمه الله، (اعلام المؤقعين)

=÷=

یعنی ضعیف حدیث اسی طرح آثار صحابہ کرام کو رای و قیاس پر مقدم کرنا امام صاحب رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ دونوں کا مذہب ہے۔

ان تصریحات کے باوجود غیر مقلدین کا یہ کہنا کہ احناف حدیث ضعیف پر قیاس کو ترجیح دیتے ہیں، یا پھر شاذ اور مرجوح اقوال کو لیکر سادہ لوح مسلمانوں کو گمراہ کرنا
میرے خیال سے خالص تعصب، تشدد اور کم علمی ہے۔

=÷=

پورے تقلید کا خلاصہ

مذکورہ درس چار مباحث پر مشتمل ہیں

مبحث اول: مسئلہ تقلید میں فریق مخالف اور ہمارا دعویٰ

مبحث دوم: مسئلہ تقلید میں چار علمی اصطلاحات کا جاننا

مبحث سوم: ایک مغالطہ اور اس کا دفع

مبحث چہارم: مسائل اجتہادیہ کی تعیین اور آخیر میں غیر مقلدین سے تقلید کے متعلق پانچ اہم سوالات۔

بحث اول:

مسئلہ تقلید میں فریق مخالف اور ہمارا دعویٰ:

مسئلہ تقلید ہمارے اور غیر مقلدین کے درمیان ایک معرکۃ الآراء مشہور اور اختلافی مسئلہ ہے۔

لامذھب غیر مقلدین تقلید کو شرک، حرام اور بدعت کہتے ہیں جبکہ ہم اہل السنت والجماعت ہر اس آدمی پر تقلید محمود کو واجب سمجھتے ہیں جو دعوٰی اجتہاد نہ رکھتا ہوں۔

مبحث دوم: مسئلہ تقلید میں چار علمی اصطلاحات کا جاننا۔

مسئلہ تقلید کو کماحقہ بہتر طور سمجھنے کیلئے چار الفاظ کا جاننا ضروری ہیں۔

(1) تقلید

(2) مقلد

(3) اجتہاد

(4) مجتہد

=÷=

(1) تقلید کی تعریف:

ہمارے اور لامذہب غیر مقلدین دونوں کے ہاں مسلمہ شخصیت حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تقلید کی تعریف یوں کرتے ہیں۔

التقلید اتباعُ الرایہ دلایۃً.(عقد الجید، ص67 و ص75)

اس کا ترجمہ حجۃ اللہ فی الارض استاد المناظرین حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ یوں کرتے تھے کہ ماہر شریعت کی راہنمائی میں دین پر عمل کرنے کو تقلید کہا جاتا ہے۔

(2) مقلد:

ماہر فن پر اعتماد کرتے ہوئے اس کے قول پر عمل کرنے والے کو مقلد کہا جاہے۔

دو لفظ ہو گئے تقلید اور مقلد۔ ماہر شریعت کی راہنمائی میں دین پر عمل کرنے کو تقلید اور عمل کرنے والے کو مقلد کہا جاتا ہے۔

حضرت اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ اس کی مثال یوں دیتے تھے کہ!

بہت سے مقتدی امام کی اتباع و اقتداء میں نماز پڑھتے ہیں، امام بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں اور مقتدی بھی امام کی اتباع اللہ تعالیٰ کی عبادت بجالاتے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ امام براہ راست اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں جبکہ مقتدی امام کی اتباع میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں۔

اب اگر کوئی کہے امام تو اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہیں لیکن مقتدی امام ہی کو سجدہ کرتے ہیں اس لئے یہ سارے مقتدی مشرک ہیں، تو لوگ اس کہنے والے کو پاگل ہی سمجھیں گے اس لئے کہ مقتدیوں نے امام کی اتباع میں اللہ ہی کو سجدہ لگایا نہ کہ امام کو۔

=:=

بالکل اسی طرح ہم اہل السنت والجماعت چاروں مذاہب والے دین پر عمل کرتے ہیں لیکن اپنے امام کی رہنمائی میں جو کہ بالکل صحیح ہے اس میں شرک وبدعت کا شائبہ تک نہیں۔

(3)اجتہاد

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ فرماتے ہیں کہ اجتہاد کی تعریف جو علمائے کرام کے کلام سمجھیں جاتی ہے وہ یہ ہے کہ:

دین وشریعت کے احکام شرعیہ کے تلاش کرنے میں خوب محنت کرنا۔

(عقد الجید ص118)

آسان الفاظ میں ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ قرآن وحدیث سے پوشیدہ مسائل کے نکالنے کا نام اجتہاد ہیں۔

(4)مجتہد

قرآن وحدیث سے پوشیدہ مسائل نکالنے والے کو مجتہد کہا جاتا ہے۔

اب مجتہد یعنی قرآن وحدیث سے مسائل نکالنے والے کے لئے محققین علمائے کرام نے کونسی شرائط لگا رکھی ہے اس حوالے سے ہمارا درس بنام "شرائط اجتہاد "ضرور ملاحظہ فرمائیں۔

بہر حال جو مسئلہ صراحتاً قرآن وحدیث میں نہ ملے تو وہاں مجتہد کو حکم ہے کہ قرآن وحدیث میں غور وفکر کرکے پوشیدہ مسئلے کو نکال لیں۔

مبحث سوم: ایک مغالطہ اور اس کا دفع

لامذھب غیر مقلدین عوام الناس کو بسا اوقات یہ مغالطہ اور دھوکہ دیتے ہیں کہ قرآن وحدیث میں تمام احکام موجود ہے تقلید کی کوئی ضرورت نہیں۔

یادرہے: غیر مقلدین کی یہ بات صحیح نہیں، بلکہ اتنی بات تو صحیح ہے کہ تمام مسائل موجود ہیں بعض مسائل تنصیصا (یعنی قرآن وحدیث میں صراحت کے ساتھ موجود ہیں)

جبکہ اکثر مسائل قرآن وحدیث میں تعلیلاً موجود ہیں، یعنی قرآن وحدیث میں جو احکام مذکور ہے ان سے علت نکالنا پھر وہ علت جہاں پائی جائے وہاں بھی وہی حکم ثابت کرنا۔

یہ بات یادرہے! یعلیلی مسائل معلوم کرنا صرف مجتہد کا خاصہ وذمہ داری ہے۔

مپلاً مکھی اگر پینے کی چیز میں گرجائے تو اس کا حکم صریح حدیث میں موجود ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا وقع الذباب فی طعام احدکم فامقلوہ.

(بخاری شریف ج1 ص467 / سنن ابن ماجہ 250)

یعنی جب تم میں سے کسی کے کھانے میں مکھی گرجائے تو اسے ڈبو کر نکال دو۔ یہ اس لئے کہ مکھی کے دو پروں میں سے ایک پر میں بیماری ہوتی ہے اور دوسرے پر میں دوا یعنی شفاء ہوتی ہے۔

حدیث کی الفاظ یوں ہے۔

فإنّ فی احدٰی جناحَیه سُمّاً وفی الآخر شِفاءً وانّه یُقدِّمُ السُّمَّ ویُؤخِّر الشفاءَ.

(شرح السنة، ج۱ص۶۴۹)

معلوم ہوا کہ مکھی کے گرنے سے سے کھانا ناپاک نہیں رہتا۔

اس لئے کہ مکھی کی رگوں میں گردش کرنے والا خون نہیں ہے۔

دیکھئے: اب مجتہد کو یہاں اس منصوص حکم کے ضمن میں ایک مخفی قاعدہ کلیہ مل گیا وہ یہ کہ تمام ایسی چیزیں جن کی رگوں میں میں گردش کرنے والا خون نہیں ان کا حکم بھی مکھی والا ہوگا، یعنی

مکوڑا، بھڑ، مچھر، جگنو وغیرہ تمام کا حکم ایک جیسا ہے البتہ غوطہ دیکر نکالنا مکھی کی خاصیت ہے کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ اس کے ایک پر میں بیماری دوسرے میں شفاء ہے، وہ گرتی ہے تو ہمیشہ بیماری والا پر پہلے ڈبوتی ہے لہذا نکالنے سے پہلے اس کو غوطہ دے دیا جائے تاکہ شفاء والا پر بھی ڈوب جائے۔

یہاں اس بات کی وضاحت کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ علت یعنی قرآن وحدیث سے مسائل کا استنباط و استخراج کرنا یہ ہر ایک کا کام نہیں ہے بلکہ اس کیلئے مجتہد کا ہونا ضروری ہے۔ جس کیلئے محققین علماء کرام نے 15 سے زائد شرائط تحریر کئے ہیں۔ مثلا قرآن وحدیث، صرف ونحو، فقہ، اصول فقہ، لغت، معانی، علم الناسخ والمنسوخ، اور علم المنطق وغیرہ جیسے علوم کا جاننا مجتہد کیلئے ضروری ہیں۔

غیر مقلدین کے شیوخ میں کوئی بھی ان فنون وعلوم میں سے کسی تین میں بھی ماہر ہونے کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔ ورنہ دعویٰ کرلیں، وقت اور جگہ کا انتخاب کریں، امتحان لینے کیلئے ہم بشوق حاضرِ خدمت ہیں۔ کامیاب ہونے کی صورت میں اسی زندہ مجتہد کی تقلید شروع کرینگے۔

مبحث چہارم: مسائل اجتہادیہ کی تعیین اور آخیر میں غیر مقلدین سے تقلید کے متعلق پانچ اہم سوالات۔

یاد رہے: ہم مقلدین اہل السنت والجماعت مسائل اجتہادیہ ہی میں تقلید کرتے ہیں۔

مسائل اجتہادیہ کی تین قسمیں ہیں۔

(1) متعارضات:

یعنی وہ مسائل جن کی آپس میں بظاہر تضاد و ٹکراؤ ہو جیسے کہ رفع الیدین کرنے کی احادیث بھی کتبِ حدیث میں موجود ہے اور نہ کرنے کی بھی۔ ہم اپنے امام کے اجتہاد کی روشنی میں ترک رفع الیدین پر عمل کرتے ہیں۔

(2) محتملات:

مسائل اجتہادیہ میں سے دوسری قسم محتملات ہیں جیسے کہ قرآن میں آتا ہے **ثلاثۃ قروء**، یہاں لفظ قروء سے بعض علماءِ کرام طہر مراد لیتے ہیں جبکہ بعض حیض ہی کو مراد لیتے ہیں۔
اب یہاں پہ کسی ایک احتمال کی تعیین کرنے کیلئے مجتہد کی تقلید و پیروی کرنی پڑے گی۔

(3)غیر منصوصی مسائل:
مسائل اجتہادیہ میں سے تیسری قسم غیر منصوصی مسائل ہیں، جیسے ٹیلیفون پہ طلاق دینا یا لوڈ اسپیکر پہ آذان دیناوغیرہ، یہ مسائل چونکہ صراحتاً قرآن وحدیث سے ثابت نہیں ہیں اس لئے ضرور بالضرور کسی مجتہد کی تقلید کرنی پڑے گی۔

غیر مقلدین سے تقلید کے متعلق پانچ سوالات:
آخیر میں تقلید کے متعلق غیر مقلدین سے پانچ سوالات کرتے ہیں امید ہے جوابات عنایت فرمائیں گے۔

سوال نمبر ایک:
کوئی ایک آیت یا حدیث بتاؤ جس میں آیا ہو کہ اجتہادی مسائل میں مقلد کیلئے مجتہد کی تقلید کرنا شرک بدعت اور حرام ہے؟ چار پانچ نہ سہی کم از کم ایک ہی آیت یا حدیث بتائیں۔

دوسرا سوال:
اسماء الرجال کی کتب میں علماء کرام نے راویوں پر دجال، وضاع (یعنی حدیثیں گھڑنے والا) ضعیف اور کذاب جیسے سخت الفاظ کے ساتھ جرح و تنقید کی ہیں۔ بقول آپ حضرات کے کہ تقلید شرک بدعت اور

حرام ہے کیا اسماء الرجال کی کتب میں کسی مقلد راوی کے متعلق عرب وعجم میں کسی بھی عالم سے مقلد ہونے کا جرح موجود ہے؟ اگر کسی کتاب میں ایسی جرح موجود ہو تو برائے مہربانی ہمیں مطلع فرمائیں۔

سوال نمبر تین۔

کیا امام بخاری وامام مسلم نے کوئی ایک باب "باب ردالتقلید" کے نام سے اپنی کتب میں ذکر کیا ہے اگر ہے تو حوالہ دیکر ممنون ومشکور ہونے کا موقعہ عنایت فرمائیں۔

سوال نمبر چار

کیا پورے قرآن میں لفظِ تقلید کا نام لیکر تقلید پہ رد موجود ہے؟ اگر ہے تو کونسے پارے اور رکوع میں ہے؟

سوال نمبر پانچ:

کسی ایک معتبر عالم کا قول (خیر ہے وہ قول بغیر کسی سند کے) دکھائیں جس نے تقلیدِ محمود کو شرک کہا ہو۔

=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=

غیر مقلدین سے امتحان لینے کا طریقہ:

مذہب حنفی تقریباً بارہ تیرہ سو سال سے چلا آرہا ہے جس میں بے شمار محدثین، فقہائے کرام اور اولیائے عظام گزرے ہیں۔

چاروں ائمہ کرام کے معتقدین آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ انتہائی عقیدت و محبت رکھتے ہیں، کوئی ایک دوسرے پہ مشرک وبدعتی اور گمراہ ہونے کا فتویٰ نہیں لگاتے۔

البتہ 1857 کی جنگ آزادی کے بعد کچھ ایسی جماعتیں ایک سازش کے تحت پیدا کی گئی جنہیں چار ائمہ کرام کی چار مذاہب قبول نہیں۔

یہ لوگ روز اول سے لیکر آج تک فقہ حنفی، فقہ شافعی، فقہ مالکی اور فقہ حنبلی کے خلاف برسرپیکار ہیں۔

آپ نے نہیں سنا ہو گا کہ آج حنفی مذہب والوں کا شافعی مذہب علماء کرام کے ساتھ مناظرہ ہے یا مالکی مذہب والوں کا حنبلی مذھب والوں کے ساتھ مناظرہ ہے۔ہاں انکے درمیان ادب کے دائرے میں علمی مباحث بہت ہو چکے ہیں جن کو ہم موجودہ دور کے نفرت انگیز مناظرہ کا نام نہیں دے سکتے۔

اس کے برعکس روز ہم سنتے ہیں کہ غیر مقلدین اور احناف کا فلان موضوع پہ مناظرہ ہے آخر یہ کیوں؟

جواب آسان ہے غیر مقلدین نے آج ہر مسجد اور مدرسے کو میدان جنگ بنایا ہوا ہے، انکے طلباء کو تو چھوڑیئے بلکہ اِن لوگوں نے اپنے سادہ عوام کو بھی یہ تربیت دی ہے کہ تم حق پہ ہو اللہ تمہارے ساتھ ہے، جاؤ فلان مدرسے کے حنفی شیخ الحدیث کے پاس، اُن سے مسئلہ رفع الیدین پر مناظرہ کرو۔اور فلان مدرسے کے حنفی مدرس کے ہاں چلے جانا اُن سے مسئلہ فاتحہ خلف الامام بحث پر بحث کیجئے۔

اور ہمارے سادہ حنفی عوام کو تو روزانہ پریشان کرنے کیلئے اُن سے مختلف قسم کے سوالات جیب میں تیار کر کے رکھتے ہیں تاکہ ان کو بھی مذہب جیسے عظیم چھتری سے باہر لا کر لامذہب بنائیں۔

اس لئے آج یہ بات عام وخاص، بڑے و چھوٹے سب کو معلوم ہے کہ فتنہ وفساد مچانے والے غیر مقلدین ہی ہیں۔

=:=

توصرف دفاع کی خاطر اپنے مسلک ساتھیوں اور طلباء کرام کیلئے بحث کرنے کی چند مجرب طریقے ذکر کرینگے تاکہ بروقت کام آسکے۔

اور یہ ایسے مفید طریقے ہیں کہ ان کو استعمال کرنے کے بعد غیر مقلدین ایسے بھاگیں گے جیسے شیطان آذان کی آواز سن کر بھاگتا ہے۔

پہلا طریقہ:

جب بھی کوئی غیر مقلد بحث کرنے کے واسطے آپ کے سامنے آئے تو اس کے سامنے قرآن مجید اور حدیث پاک کی چند کتابیں رکھدیں اور کہیں کہ مکرم!

نماز کے متعلق گفتگو کرینگے سب سے پہلے میں تکبیرِ تحریمہ کے متعلق پوچھتا ہوں اس کی شرعی حیثیت کیا ہے فرض ہے، واجب ہے یا سنت؟

اسی طرح پھر تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھانا، ثناء پڑھنا، قراءۃ کرنا، اور تسبیحاتِ رکوع وسجدہ کے متعلق ہر ایک کی شرعی حیثیت اور حکم اُن سے پوچھتے جائیں اسی طرح ثناء، تعوذ اور تسمیہ وغیرہ ہر ایک عمل کے متعلق ان سے صراحتاً معلوم کریں کہ یہ آہستہ پڑھے جائیں گے یا زور سے؟

قرآن وسنت میں سرًّا اور جہرًا کا لفظ دکھائیں۔

جواب میں صرف اور صرف قرآن کی آیت یا حدیث کی صریح عبارت درکار ہے بصورت دیگر فریق مخالف کی دلیل تام نہ کہلائیگی۔

یاد رکھیے! غیر مقلدین جان چھڑانے کی خاطر کہتے ہیں کہ یہ فرض، واجب اور سنت وغیرہ احکام بدعت ہیں قرآن وسنت سے ثابت نہیں لہذا ہم ان کو نہیں مانتے۔

یہ کہتے ہی آپ فوراً قلم وکاغذ لیکر اُن سے کہے کہ یہاں کاغذ پر لکھ کر دیدو کہ: فاتحہ خلف الامام، رفع الیدین، آٹھ رکعات تراویح وغیرہ نہ فرض ہے نہ واجب ہے اور نہ ہی سنت ہے۔ مزید یہ کہ غیر مقلدین کے جن شیوخ حضرات نے ان کو واجب وغیرہ کہا ہیں وہ بدعتی ہیں۔
یقین کیجئے غیر مقلدین زہر کا پیالہ پی تو سکتا ہے لیکن تا قیامت یہ لکھ کر نہیں دے سکتے۔
کیونکہ ساری زندگی تو یہ حضرات ان کو فرض و واجب ہی کہتے رہے۔

دوسرا طریقہ:
آپ شروط الصلاۃ، تعلیم الاسلام، بہشتی زیور، قدوری، نور الایضاح یا اردو فتاویٰ عالمگیری وغیرہ میں سے کوئی بھی کتاب لیکر غیر مقلد کے سامنے بیٹھ جائیں اور ان سے کہے کہ جناب تم لوگ کہتے ہو کہ فقہ قرآن وحدیث کے خلاف ہے اس لئے اب میں ترتیب سے ایک ایک مسئلہ پڑھتا ہوں آپ ہر مسئلے کے خلاف ایک ایک آیت یا ایک ایک صحیح صریح حدیث پیش کرتے جائے جس سے ہم اس مسئلے کو غلط مان کر چھوڑ دیں گے، اور ہاں پھر آپ کو صحیح مسئلہ بھی قرآن وحدیث سے بتانا پڑے گا۔
یقین جانیے اس طریقے پہ غیر مقلد آدھے صفحے تک بھی اپنا علمی سفر جاری نہیں رکھ سکتا۔

تیسرا طریقہ:
احادیث کی وہ کتابیں جس میں متعارض (آپس میں بظاہر ٹکراؤ والی) احادیث موجود ہو مثلاً طحاوی شریف، مصنف ابن ابی شیبہ اور مصنف ابن عبد الرزاق لے کر غیر مقلد کو اس سے متعارض احادیث سنانا شروع کریں مثلاً بعض احادیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رفع الیدین کرتے تھے جبکہ بعض احادیث میں آتا ہے کہ آپ علیہ السلام رفع الیدین نہیں کرتے تھے۔

غیر مقلد کو مخاطب کر کے ان سے کہو کہ جناب برائے کرام آپ ان احادیث کا آپس میں تعارض و ٹکراؤ اپنے دو اصولوں سے ختم فرمائیں، لیکن یاد رہے کسی امتی کا قول پیش نہ کیجئے کیونکہ ایسا کرنا آپ کے نزدیک شرک ہے۔

چوتھا طریقہ:

غیر مقلدین فقہائے کرام کی اصطلاحات (فرض واجب سنت وغیرہ) کو نہیں مانتے، کہتے ہیں کہ یہ احکام قرآن وسنت سے ثابت نہیں۔

لیکن اسکے برعکس محدثین کی اصطلاحاتِ حدیث (یعنی مرفوع، موقوف، مقطوع، متواتر، مشہور، عزیز، غریب، شاذ و محفوظ، منکر و معروف وغیرہ کو مانتے ہیں۔

آپ ان سے سوال کیجئے کہ مکرم! آپ مجھے اصطلاحاتِ محدثین (مرفوع، موقوف وغیرہ) کی تعریفات قرآن وحدیث کی عبارات سے دکھائیں لیکن یاد رہے کسی امتی سے چوری نہ کریں۔

نیز یہ فرق بھی اپنے دو اصولوں سے بتائیں کہ محدثین کی اصطلاحات تو تمام کے تمام قابل قبول ہے جبکہ فقہائے کرام کی اصطلاحات غیر معتبر اور بدعت ہیں۔

آخر یہ فرق کس نے کیا ہے قرآن نے یا حدیث نے؟

قوی امید ہے کہ اس طرح کی سوالات سے غیر مقلدین کا عقل ٹھکانے پر آجائیگی۔

شیعہ مذہب بنانے میں یہودیوں کا ہاتھ، نیز چار عقائد میں باہمی توافق:

سیدنا عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کے دور خلافت میں مسلمانوں کی سیاسی عظمت کا سورج عین نصف النہار پر تھا کہ اسی وقت ایک یہودی انتقام بھرا ہوا پروگرام لے کر اسلام کی صفوں میں داخل ہوا۔ اس نے اپنا نام عبداللہ رکھا اور اپنی تحریک کا آغاز حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کی گورنروں کے خلاف پروپیگنڈے سے کیا۔ پھر رفتہ رفتہ صحابہ کرام کے خلاف بھی بولنے لگے۔ تاہم ان لوگوں کی کاروائیاں مسلمانوں میں کچھ سیاسی انتشار سے آگے نہ بڑھ سکیں۔ ایک مدت تک یہ تحریک زیرزمین چلتی رہی یہاں تک کہ تیسری صدی ھجری کے نصف آخر میں مسلمانوں میں ایک نئے مذھب نے جنم لیا، اور چوتھی صدی ھجری میں عبداللہ بن سبا کا پہلا تاریخی تعارف ان الفاظ میں سامنے آیا۔ شیعہ مؤرخ ابو عمرو الکشی (المتوفی 370ھ) اپنی کتاب رجال کشی میں لکھتے ہیں کہ:

ذکر بعض اھل العلم ان عبداللہ بن سبا کان یھودیا فاسلم ووالی علیا علیه السلام، وکان اول من اَشۡهَرَ بالقول بفرض امامة علی علیه السلام واظھر البراءة مِن اعدائه وکاشفَ مخالفیه واکفرھم فمن ھھنا قال من خالف الشعية ان اصل التشیع والرفض ماخوذ من الیھودیة.

ترجمہ۔ بعض اہل علم نے کہا ہے کہ عبداللہ ابن سبا یہودی تھا اسلام میں داخل ہوا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت کا دم بھرنے لگا- یہ پہلا شخص تھا جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی منصوص امامت کی بات کہدی اور آپ کے دشمنوں سے اظہار لاتعلقی کیا اور آپ کے مخالفین سے پردہ اٹھایا اور انکی تکفیر کی۔ اسی جہت سے وہ لوگ جو شیعہ کے خلاف ہوئے کہتے ہیں کہ تشیع اور رفض کی جڑ یہودیوں سے چلی ہے۔

اسی طرح فتح الباری میں پانچویں صدی کے امام ابوالمظفر الاسفرائنی کی شہادت بھی موجود ہے۔

وزعم ابو المظفر الاسفرائنی فی الملل والنحل ان الذین احرقھم علی طائفة من الروافض ادعوا فیه الألٰھیة وھم البسائیة وکان کبیرھم عبداللہ بن سبا یھودیا فاظھر الاسلام وابتدع ھذہ المقالة.

یعنی علامہ اسفرائنی نے خیال ظاہر کیا ہے کہ وہ لوگ جنہیں حضرت علی رضی اللہ نے آگ جلا دیا تھا۔وہ رافضیوں کا ایک گروہ تھا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ میں خدائی طاقت کے مدعی تھے وہ سبائی تھے اور ان کا بانی عبد اللہ بن سبا یہودی تھا اس نے اپنے آپکو مسلمان ظاھر کیا اور یہ باتیں گھڑیں۔(فتح الباری. ص 100-26)

تاریخ ابن عساکر میں بھی یہی کچھ ھے کہ کان اصله من الیمن وکان یھودیا فاظھر الاسلام.

عبارت میں وکان یھودیا فاظھر السلام کے الفاظ سے پتہ چلتا ہے کہ عبد اللہ بن سبا ایک خفیہ پروگرام سے اسلام کی صفوں داخل ہوا تھا.

اسی طرح حافظ ابن کثیر الدمشقی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

ان رجلا یقال له عبداللہ بن سبا کان یھودیا فاظھر الاسلام وصار الیٰ مصر فاوحیٰ الیٰ طائفة من الناس کلاما اخترعه من عند نفسه.

یعنی ایک شخص تھا جیسے عبد اللہ بن سبا کہا جاتا تھا وہ یہودی تھا اس نے اپنے آپکو مسلمان کیا اور مصر چلا آیا اور کچھ لوگوں کو اکٹھا کر کے خفیہ طور ان سے کچھ باتیں کیں اور وہ سب باتیں اس کا اختراع تھی.(البدایہ والنھایہ ص167ج7)

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ(المتوفی852ھ)اسکے متعلق لکھتے ہیں کہ:

اخبار عبداللہ بن سبا شھرة فی التاریخ ولیست له روایة وللہ الحمد وله اتباع یقال لھم السبائیة معتقد الالوھیة علی ابن طالب وقد احرقھم علی بالنار فی خلافته.

=÷=

یعنی عبد اللہ ابن سبا کی خبریں تاریخ میں عام ہو چکیں اور اسکی کوئی روایت (حدیث و تاریخ میں) نہیں ہے اسپر خدا کا شکر ہے۔

اسکے پیروکاروں کو سبائی کہا جاتا تھا وہ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کی الوھیت کے قائل تھے، حضرت علی رضی اللہ نے اپنے دور خلافت میں انہیں آگ میں زندہ جلایا۔

(لسان المیزان 290-3)

اسی مفسد یہودی عبد اللہ بن سباء کی وجہ سے مسلمانوں میں اختلافات ابلنے لگے۔ تاریخی تذکروں میں عبد اللہ بن سبا کو ان نظریات کا مؤجد قرار دیا گیا ہے جن کو دو سو سال بعد شیعوں نے بطور مذھب کے قبول کیا۔ اس سے پہلے یہ لوگ صرف اپنے سیاسی پروپیگنڈے سے پہچانے جاتے تھے۔ پہلی دو صدیوں میں اس فرقے کا کوئی مذھبی وجود نہ تھا۔سبائی نظریات میں سے چار اہم نظرئے جو سعیہ حضرات کے ہاں بھی بڑی اہمیت کے حامل ھیں۔ مختصراً ہم آپکے سامنے ذکر کرئینگے۔

جس ہم ثابت یہ کرنا چاہتے ہیں کہ شیعہ مذہب یہودیوں کی پیداوار ہے۔

عقیدہ نمبر ایک: عقیدہ رجعت ہے۔

یعنی بعد از وفات دوبارہ دنیا میں پلٹ کر واپس آنا۔ شیعوں کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ قرب قیامت کے وقت دوبارہ دنیا میں واپس تشریف لے آئینگے۔

یاد رہے! یہ عقیدہ عبد اللہ بن سبا یہودی کے محنت کی وجہ سے شیعت میں منتقل ہو کے آئی۔ علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ (المتوفی 630ھ) لکھتے ہیں کہ:

اخرجه اهل الشام فاتیٰ مصراً فاقام فيهم وقال لهم العجب ممن يصدق ان عیسیٰ یرجع ویکذب ان محمداً یرجع فوضع لهم الرجعة۔

یعنی عبد اللہ ابن سباء کو اھل شام نے نکالا تو یہ مصر آگیا اور یہاں کافی عرصہ ٹھہرا رہا وہ انہیں کہتا تھا ان لوگوں پر تعجب ہے جو اس بات کی تصدیق تو کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ آئینگے اور اس

بات کو نہیں مانتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ آئینگے۔اس شخص نے ان لوگوں کیلئے عقیدہ رجعت گھڑا۔(کامل ابن اثیر ص77ج3) دیکھئے!عبد اللہ ابن سباء کا یہ عقیدہ تھا کہ آپ علیہ السلام دوبارہ تشریف لائینگے آہستہ آہستہ عقیدہ و نظریہ دلوں میں قرار پکڑ تا گیا شیعوں نے کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ دنیا میں دوبارہ تشریف لے آئینگے۔

معلوم ہوا شیعہ فرقہ کو بنانے میں یہودیوں کا ہاتھ تھا۔

دوسرا عقیدہ:

جو عبد اللہ بن سبا یہودی ہی سے شیعت کو ملی ہے وہ یہ ہے کہ شیعہ حضرات کا عقیدہ یہ ہے کہ ہر نبی کا کوئی وصی ہوتا ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصی حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔ مطلب یہ کہ آپ علیہ السلام کا جانشین حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے پہلے خلافت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ملنی چاہئے تھی۔ اور یہی عقیدہ عبد اللہ بن سباء کا تھا۔ علامی ابن اثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

ثم قال بعد ذٰلک انه کان لکل نبی وصی وعلیٌ وصی محمدٍ فمن اظلم ممن لم یجز وصیُه رسول الله صلی الله علیه وسلم وان عثمان اخذها بغیرها حق۔ یعنی پھر عبد اللہ ابن سبا نے کہا کہ ہر نبی کا کوئی وصی ہوتا ہے اور آپ علیہ السلام کا وصی حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے اس سے زیادہ ظالم کون ہو سکتا ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت نافذ نہ ہونے دی--- اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تو خلافت بلا کسی استحقاق کے لے لی تھی۔ (کامل ابن اثیر 77ج3)

معلوم ہوا کہ جو عقیدہ عبد اللہ ابن سبا کا تھا وہی شیعوں میں منتقل ہو کے آئی۔ لہذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ شیعہ مذہب بنانے میں یہودیوں کا بڑا ہاتھ تھا۔

تیسرا عقیدہ:

عبداللہ ابن سباء یہودی نے یہ قائم کیا تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت نص پر مبنی ہے اللہ ورسول کی طرف سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلافت ملی ہے شوریٰ پر یہ خلافت مبنی نہیں۔مزید یہ کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ معصوم تھے اور جو جانشین رسول ہو وہ معصوم پر تا ہے شیعہ مذہب میں عصمت آئمہ کا عقیدہ عبداللہ ابن سباء ہی سے آیا۔علامہ شہرستانی رحمہ اللہ الملل والنحل میں لکھتے ہیں کہ:

هو اوّلُ مَنْ اظهر القول بالفرض بامامة عليٍّ۔

یعنی عبداللہ ابن سباء وہ پہلا شخص ہے جس نے حضرت رضی اللہ عنہ کی امامت خدا کی طرف سے مقرر ہونے کی بات کی۔ اور یہی عقیدہ شیعوں کا بھی ھے لہذا یہ کہنے میں ہم حق بجانب ہے کہ شیعہ یہودیوں کے پیداوار ہے۔

چوتھا خطرناک عقیدہ:

عبداللہ ابن سباء کا ایک خطرناک نظریہ یہ تھا کہ اس نے کہا حضرت علی رضی اللہ عنہ میں خدا نے حلول کیا ھوا ہے پھر آہستہ آہستہ یہاں تک بڑھا کہ اس نے الوھیب یعنی خدا ہونے کا عقیدہ وضع کر لیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو الٰہ کہا اور آپکی ربوبیت کا اعلان کیا۔اسی وجہ سے تو انکو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آگ میں جلادیا۔جیسے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھ چکے ہیں کہ:

وله اتباع يقال لهم السبائيّة معتقدون الالوهية فى على ابن طالب وقد احرقهم عليٌّ بالنار فى خلافته۔

یعنی عبداللہ ابن سباء کے پیروکاروں کو سبائی کہاجاتا ہے وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کیلئے الوھیب کاعقیدہ رکھتے تھے آپ نے انہیں اپنے عہد خلافت میں آگ میں ڈال کر جلادیا تھا۔(لسان المیزان ص 290ج3)

=÷=

بالکل یہی عقیدہ شیعوں کا بھی ہے۔یعنی شیعہ حضرات نے یہ عقیدہ عبداللہ ابن سباء سے لیا ہے اور یہ چاروں عقیدے آج بھی آپکو محمد بن یعقوب الکلینی کی کتاب الکافی میں اور علامہ خمینی کی تصدیق کردہ علامہ مجلسی کی کتب میں نہایت کھلے الفاظ میں ملینگے۔

یہ چار تو وہ عقیدے ہیں جسکو یہودیوں نے شیعہ مذہب بنانے کیلئے بطور تاسیس کے مقرر کئے ہیں۔البتہ اسکے علاوہ شیعوں کے اور بھی انتہائی خطرناک ہے گندے عقائد ہیں۔

مزید تفصیل حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب،امام اہل السنت حضرت مولانا سرفراز خان صفدر صاحب علامہ خالد محمود پی ایچ ڈی لندن اسی طرح مولانا منظور نعمانی صاحب اور حجۃ الاسلام مولانا قاسم نانوتوی صاحب رحمہ اللہ کی کتب میں ملاحظہ فرمائیں۔

=÷=

فتنہ الحاد:

آج کے درس میں تین اہم مباحث پہ بات کرینگے۔

مبحث اول: آج ہم اپنے معاشرے اور سوسائٹی میں بکثرت ایسے لوگوں کو دیکھتے ہیں جو مسلکی پختگی کو مذہبی جنون سے تعبیر کرتے ہیں، جدید تعلیم کے ڈسے ہوئے تو بے شمار ایسے نوجوان موجود ہیں جو علی الاسلام انکار خدا، انکار رسل، انکار ملائکہ، انکار حشر ونشر اسی طرح جنت و جہنم کا مزاق اڑاتے ہوئے ببانگ دھل ان اسلامی احکامات کا انکار کر کے انہیں پاؤں تلے روندتے رہتے ہیں۔

علمی اصطلاح میں ان لوگوں کو الحاد، ملحدین دہریت اور مادیت جیسے ناموں سے یاد کئے جاتے ہیں۔

یقین کیجئے عالم اسلام کیلئے آج کل یہ سب سے بڑا فتنہ ہے۔

آئیں: ذرا اس فتنے کے خلاف کام کرنے کی اہمیت تو معلوم کیجئے۔ مفکر اسلام مولانا سید ابو الحسن علی ندوی رحمہ اللہ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ بے شمار عربی اردو کتابوں کے مصنف ہیں، زمانے کے نبض شناس عالم ہیں، اپکے افکار دلوں میں ہمت، تحریک، انقلاب اور عزم نو بیدار کرتے ہیں، عجم کیا عرب بھی آپکی نبض شناسی، دور بینی اور علمیت کے قائل ہیں، عظیم خدمات کی بدولت عالم اسلام نے اپکو مفکر اسلام کا لقب دیا۔ اپ الحادی فتنے کے متعلق فرماتے ہیں، آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سرمایے پر ڈاکا ڈالا جارہا ہے، آپ کے قلعے میں شگاف پیدا کئے جارہے ہیں، آپ کے دار السلطنت پر حملہ کیا جارہا ہے، آگے درد دل یوں لکھتے ہیں کہ آج اگر امام ابو حنیفہ، امام شافعی، امام مالک، اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ ہوتے تو میں یقین کرتا ہوں کہ شاید وہ فقہ کی تدوین بھی تھوڑی دیر کیلئے روک دیتے اور اس مسئلے (الحاد) کی طرف توجہ کرتے۔ (پاجا سراغ زندگی ص48 طبع نشریات اسلام)

اسکے بعد مفکر اسلام لکھتے ہیں: آج تمہارے لئے الحاد سے پنجہ آزمائی کا موقع ہے تمہارے لئے دہریت، مادیت سے انکھ ملانے کا موقع ہے یقین مانو کہ اس سے امام ابو حنیفہ، امام شافعی، امام مالک و امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کی روح نہیں محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی روح خوش ہو گی.

(پاچا سراغ زندگی ص48 طبع نشریات اسلام)

یقین کیجئے یہ ایک حقیقت ہے کہ آج الحاد کی طاقت بڑھ رہی ہے، جس کے اعداد وشمار نہایت تشویش ناک اور اضطراب ہیں۔ منظم طریقے سے مذہب بیزاری پیدا کی جارہی ہے، الحاد کے ایجنٹ ملحدین ہر جگہ پھیلے ہوئے ہیں، ملحدین مسلمانوں کی بھیس میں اللہ تعالیٰ، رسول، قرآن، حدیث اور احکامِ اسلام پر سوالات اٹھا کر لوگوں کو گمراہ کررہے ہیں۔ مذہبی امتیازات کرنے کی بات کی جارہی ہے، حدیث کی اہمیت ختم کی جارہی ہے۔رواۃ حدیث کا مزاق اڑایا جارہاہے، سلف کی تحقیقات کو قلم زد کیا جارہاہے، جہاد، مدرسہ، ٹوپی، پگڑی، برقعہ، مولوی اور اس جیسے الفاظ گالی کی مترادف ہو چکے ہیں۔ شدت سے اس کی ضرورت محسوس کی جارہی ہے کہ علمائے کرام اس فتنے کے سامنے بند باندھے۔

مبحث ثانی: الحاد کی تعریف

الحاد کا لغوی معنٰی ہے میلان اور انحراف (منجد) ابن منظور افریقی لکھتے ہیں:

الملحد العادل عن الحق المدخل فيه ماليس فيه:

یعنی ملحد ایسے شخص کو کہتے ہیں جو حق سے روگردانی کرے اور اس میں ایسی چیز کی آمیزش کرے جو اس میں نہیں ہے (لسان العرب)

تفسیر روح البیان میں ہے:

الحادفي الأصل: مطلق الميل والانحراف ومنه اللّحد لانه في جانب القبر۔

یعنی دراصل الحاد مطلقاً اعراض وانحراف کے معنی میں آتا ہے اس لیے بغلی قبر کو بھی لحد کہتے ہیں کیونکہ وہ بھی ایک طرف مائل کرکے بنائی جاتی ہے۔(تفسیر روح البیان تحت تفسیر سورۃ حم السجدۃ)

اسی طرح تفسیر قرطبی میں الحاد کی تعریف یوں لکھا ہے:

الالحاد: المیل والعدول ومنه الأحد في القبر لانه میل الی ناحیة منه۔

یعنی الحاد اعراض اور تجاوز کرنے کو کہا جاتا ہے اسی مناسبت سے بغلی قبر کیلئے لحد کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے کیونکہ وہ بھی ایک کونے کی طرف مائل ہوتی ھے۔(تفسیر قرطبی، تحت سورۃ حم السجدۃ)۔

اور تفسیر کبیر میں مذکور ہے:

فالملحد هو المنحرف، ثم بحکم العرف أُختص بالمنحرف عن الحق الی الباطل۔

بہرحال تمام تفاسیر اور اہل لغت کی کتب سے الحاد کی تعریف کا خلاصہ یہی نکلا کہ الحاد سے مراد اللہ تعالیٰ کا انکار کرنا، اہل ایمان کے طریقے سے اعراض کرنا، بعث بعد الموت اور جنت وجہنم کی تکذیب کرنا، اللہ، اسکے رسول اور دین اسلام پر زبان درازی کرنا ہے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

ان الذین یُلحِدون في آیاتنا لایخفَون علینا۔

مبحث ثالث: تاریخ الحاد:

ویسے تو شروع ہی سے مذہب ساتھ بالمقابل الحاد بھی تمام معاشروں میں رہا ہے لیکن یہ تاریخ میں کبھی بھی قوت نہ پکڑ سکا۔

البتہ مہم سوال یہ ہے کہ جدید الحاد کا نقطہ آغاز کب سے ہوا؟

انیسویں صدی میں جب چارلیس ڈارون کے نام نہاد باطل نظریہ ارتقاء کو قبول عام حاصل ہوا تو گویا الحاد نے ایک مذھب کی صورت اختیار کرلی جس کا مؤجد ومؤسس ڈارون تھا بس پھر اسی صدی میں لاکھوں لوگ جن میں اکثریت تعلیم یافتہ افراد کی تھی، مذہب سے بیگانہ ہوکر ملحد ہوگئے، پھر ان حضرات نے نظر

یہ ارتقاء کی باقاعدہ تبلیغ کرنا شروع کردی، ملحدین خصوصاً الہامی ادیان کے بنیادی عقائد یعنی وجود باری تعالیٰ، رسالت اور عقیدہ آخرت پر حملہ آور ہوتے ہیں، موجودہ دور کے ملحدین عوام کے اذھان میں دینی کاموں کی اہمیت کو ختم کرنے کیلئے ان سے کہتے ہیں، حج اور عمرہ ادا کرنے سے بہتر یہ ہے کہ کسی غریب کی شادی کا بندوبست کیجئے، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ملحدین نکاح شرعی کے قائل ہی نہیں کیونکہ یہ سرے سے خدا اور رسول ہی کو نہیں چہ جائیکہ نکاح شرعی کا ماننا، بس صرف ان کا ایسے باتوں سے ھدف یہ ہے کہ لوگوں کے دل ودماغ میں حج وعمرے کی حسب کو ختم کرلیں۔

یا کہتے ہیں عید الاضحی میں اتنے بڑے پیمانے پر گائے بیل اور بکرے وغیرہ کی قربانی کرنے سے بہتر یہ ہے کہ ملکی سطح پر یتیموں کی پرورش کی جائے، حالانکہ ان کا مقصد یتیم کی کفالت کرنا نہیں بلکہ یہ حضرات دراصل عید میں قربانی کرنے کی قائل ہی نہیں اس لئے یہ باتیں کرتے ہیں۔ یا کہتے ہیں کہ مسجد کو قالین نہیں کسی بھوکے کو روٹی دو۔ تبلیغ میں نکلنے سے بہتر یہ ہیں کہ کسی لاچار مریض کو دوا فراہم کردو۔

مسجد میں سیمنٹ کی بوری دینے سے افضل یہ ہے کہ کسی بیوہ کے گھر آٹے کی بوری دے آو۔

یاد رکھیں: دو نیک اعمال کو اس طرح تقابل میں پیش کرنا کوئی عقل مندی یا انسانی ہمدردی نہیں بلکہ عین جہالت ہیں اگر تقابل ہی کرنا ہے تو یوں کراؤ اور کہوں ایک یا دو کروڑ کی گاڑی اس وقت لو جب پڑوس میں بھوکا سونے والا کوئی نہ ہو ایک دو لاکھ کا موبائل تب لئے جب محلے میں بھیک مانگنے والا کوئی نہ ہو قیمتی ریشم والے کپڑے تب پہنو جب سڑک پہ پھٹے کپڑے پہننے والا کوئی نہ ہو۔

یہ کروڑوں کی گاڑیاں، لاکھوں کے موبائل فونز اور ہزاروں کے کھلونے خریدتے وقت ان ملحدین کو یتیموں، بیواؤں اور غریبوں کی فکر کیوں لاحق نہیں ہوتی؟

آخر ین یہ چڑ کعبہ مسجد حج وعمرہ اور تبلیغ ہی سے کیوں ہے؟ اللہ تعالیٰ ہمیں فتنوں کی شر سے محفوظ فرمائیں۔

=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=

مسئلہ طلاق ثلاثہ:

مسئلہ طلاق کو سمجھنے کیلئے تین مباحث کا جاننا ضروری ہے۔

مبحث اول: اقسام طلاق

مبحث ثانی: مذہب اور طلاق ثلاثہ

مبحث ثالث: دلائل اہل سنت والجماعت

مبحث اول، اقسامِ طلاق

طلاق کی تین قسمیں ہیں

(1)طلاق رجعی (2)طلاق بائن

(3)طلاق مغلظہ۔

طلاقِ رجعی یہ ہے کہ صاف اور صریح لفظوں میں ایک یا دو طلاق دی جائے، اس کا حکم یہ ہے، کہ ایسی طلاق میں عدت پوری ہونے تک نکاح باقی رہتا ہے اور شوہر کو اختیار ہے کہ عدت ختم ہونے سے پہلے بیوی سے رجوع کرلے، اگر اس نے عدت کے اندر رجوع کرلیا تو نکاح بحال رہے گا دوبارہ نکاح کی ضرورت نہ ہو گی۔ مطلقہ عورت کی عدت تین حیض ہے بشر طیکہ وہ مطلقہ حاملہ نہ ہو کیونکہ حاملہ عورت کی عدت بچے کی پیدائش ہے اور وہ عورت غیر مدخول بہانہ ہو یعنی ایسی عورت جس سے نکاح ہوا ہو لیکن صحبت نہ ہوئی ہو ایسی عورت کیلئے کوئی عدت نہیں۔

اور ایسی عورت نہ ہو جس کی ماہواری نہ آتی ہو، اگر ایسی عورت ہو تو اس کی عدت تین مہینے ہیں۔ اور اگر اس نے عدت کے اندر رجوع نہ کیا تو طلاق مؤثر ہو جائیگی نکاح ختم ہو جائیگا، اب اگر دونوں چاہیے تو دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں لیکن جتنی طلاقیں وہ استعمال کر چکا ہیں وہ ختم وہ گئیں، آئندہ اس کو تین میں سے صرف باقی ماندہ وہ طلاقوں کا اختیار ہو گا، مثلاً اگر ایک طلاق دی تھی اور اس سے رجوع کرلیا تھا تو اب اس کے

پاس صرف دو طلاقیں باقی رہ گئیں، اور اگر دو طلاقیں دے کر رجوع کر لیا تھا تو اب صرف ایک باقی رہ گئیں، اب اگر ایک طلاق اور دے دی تو بیوی تین طلاقوں کے ساتھ حرام ہو جائے گی۔

اور طلاق بائن یہ ہے کہ گول مول الفاظ (یعنی کنایہ الفاظ) میں طلاق دی جائے یا طلاق کے ساتھ کوئی ایسی صفت ذکر کی جائے جس سے اس کی سختی کا اظہار ہو، مثلاً یوں کہے کہ تجھ کو سخت طلاق، یا لمبی چوڑی طلاق۔

طلاق بائن کا حکم یہ ہے کہ بیوی فوراً نکاح سے نکل جاتی ہے اور شوہر کو رجوع کا حق نہیں رہتا، البتہ عدت کے اندر بھی اور ختم ہونے کے بعد بھی دوبارہ ہو سکتا ہے۔

طلاق مغلظہ یہ ہے کہ بیوی کو تین طلاق دی جائے اس صورت میں بیوی ہمیشہ کیلئے حرام ہو جائے گی اور بغیر شرعی حلالہ کے دوبارہ نکاح بھی نہیں ہو سکتا۔

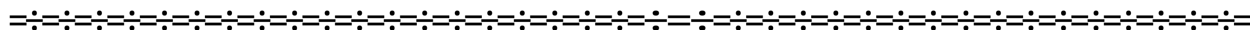
مبحث ثانی: طلاق ثلاثہ اور مذہب:

مسئلہ طلاق ثلاثہ میں ایک جانب اکثر اہل اسلام یعنی ائمہ اربعہ ہیں جبکہ دوسری جانب اہل تشیع، مرزائی، اور غیر مقلدین ہیں۔ ائمہ اربعہ یعنی امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ چاروں ائمہ کرام کا مسلک یہ ہیں کہ تین طلاق ہر صورت میں تین ہی واقع ہو جاتی ہیں چاہیے ایک مجلس میں ہو یا جدا مجلس میں۔

امام نووی رحمہ اللہ اہل اسلام کا مسلک یوں بیان کرتے ہیں:

وقد اختلف العلماء فیمن قال لأمرته انت طالق ثلاثا فقال الشافعي ومالك وابو حنیفة واحمد یقع الثلاث۔

یعنی علمائے کرام اختلاف کر چکے ہیں اس شخص کے بارے میں جس نے بیوی کو تین اکھٹی طلاقیں دے دی ہو، لیکن مشہور مجتہدین امام اعظم ابو حنیفہ، امام شافعی، امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ چاروں



ائمہ کرام کہتے ہیں کہ تین طلاق دینے سے تین ہی واقع ہو جاتی ہیں۔(شرح مسلم ص478،فتح القدیر ص25ج3، عمدۃ القاری، ص537ج9)

ائمہ کرام کے اتفاق اور اجماع کی صورت میں بعض حضرات کے اختلاف کی کوئی اہمیت نہیں، کوئی چیز حرام ہو تو کسی کے کہنے سے وہ حلال نہیں ہو سکتی۔

آتے ہیں دوسرے مسالک کی طرف۔

شیعہ حضرات کا مسلک یہ ہے کہ اکھٹی تین طلاقیں دینے کی صورت میں ایک ہی طلاقِ رجعی واقع ہو جاتی ہے۔

دیکھئے!شیعہ حضرات کی مشہور کتب

(المبسوط فی فقہ اسلامیہ للطوسی ص4ج5 کتاب الطلاق۔اور فروع کافی، ص71ج4،اسی طرح تہذیب الاحکام للطوسی، ص260ج2)

مرزائی مذہب اور تین طلاق۔

مرزائیوں کے ہاں بھی ایک مجلس کی تین طلاقیں ایک طلاق ہے۔

فقہ احمدیہ میں ہے کہ اگر تین طلاقیں ایک دفعہ دی جائیں تو ایک طلاق رجعی متصور ہو گی۔(فقہ احمدیہ، ص80)

اسی طرح مرزائی مفسر محمد علی اپنی تفسیر بیان القرآن میں لکھتے ہیں کہ: طلاق ایک ہی ہے خواہ سو دفعہ کہے یا تین دفعہ خواہ اسے ہر روز کہتا جائے یا ہر ماہ میں ایک دفعہ کہے اس سے کوئی فرق نہیں پڑ سکتا۔(تفسیر بیان القرآن، ص136 جلد1 تحت الآیت الطلاق)

غیر مقلدین اور اکھٹی تین طلاقیں:

غیر مقلدین کے نزدیک بھی مرزائیوں اور سعیوں کی طرح اکھٹی تین طلاقیں واقع نہیں ہوتی بلکہ یہ ایک ہی طلاق شمار کی جائیگی۔

دیکھئے انکی کتب:

(فتاویٰ نزیریہ، ص39 جلد3، فتاویٰ ثنائیہ، ص220ج2۔

کنزالحقائق، ص69، فتاویٰ ستاریہ، ص64ج2، تنویر الافاق فی مسئلۃ الطلاق ص81 ص82 اور ص516)

پتہ چلا کہ اکھٹی تین طلاق کو ایک شمار کرنے میں غیر مقلدین مرزائیوں اور اہل تشیع کے ساتھ ہیں۔

مبحث ثالث، دلائل اہل سنت والجماعت:

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے تین طلاق کے متعلق جدا جدا آیتیں نازل فرمائی ہیں۔

طلاق رجعی کا ذکر:

والمطلقات یتربصن بأنفسھن ثلاثۃ قروء (آیت نمبر228)

دو طلاق کا ذکر:

الطلاق مرتان (آیت نمبر229)

دو طلاق رجعی کے بعد شوہر اگر بیوی کو روکنا چاہئے تو شریعت کے اصول کے مطابق روک سکتی ہے اس میں عورت کی رضامندی کی حاجت نہیں، لیکن اگر طلاق رجعی کی عدت ختم ہو چکی ہو یا طلاق بائن دی ہو تب از سر نو نکاح کرنا پڑے گا۔

طلاق بائن میں عورت کی رضا کو دیکھا جائے گا۔

=÷=

جبکہ تین طلاق یعنی طلاق مغلظہ کا حکم: فان طلقھافلاتحل له حتی تنکح زوجاغیرہ، ایت نمبر230 میں موجود ہے یعنی تین طلاق دینے کے بعد عورت خاوند پر حرام ہو جاتی ہے جب تک حتی ینکح زوجاغیرہ، یعنی حلالہ شرعیہ سے کام نہ لیں۔

اب چند آیات مبارکہ سے علمائے کرام کے استدلال کو ذکر کرینگے اور پھر احادیث مبارکہ کو۔

غیر مقلدین دن رات چیختے ہیں کہ جی ہم امام بخاری کے ساتھ ہے امام بخاری ہمارا ہے، ہمارا مسلک امام بخاری والا مسلک ہے لیکن مسئلہ طلاق ثلاثہ میں غیر مقلدین کا امام بخاری رحمہ اللہ کے ساتھ بھی اختلاف ہے کیونکہ اس مسئلے میں امام بخاری رحمہ اللہ کا نظریہ

بھی اہل اسلام کی طرح ہیں یعنی اکھٹی تین طلاقیں تین ہی سمجھتے ہیں۔

قرآن مجید کی آیت "الطلاق مرتان" سے استدلال کرتے ہوئے امام بخاری رحمہ اللہ باب قائم کرتے ہیں: باب من اجاز طلاق الثلاث، وفی نسخة، باب من جوز طلاق الثلاث۔

(بخاری شریف، ص791ج2)

یعنی اکھٹی تین طلاقیں دینے سے تین ہی واقع ہو جاتی ہیں معلوم ہوا اس مسئلے میں بھی امام بخاری رحمہ اللہ غیر مقلدین کے سر پہ ہاتھ نہیں رکھتا۔

اسی طرح مذکورہ آیت سے استدلال کرتے ہوئے امام ابو بکر جصاص الرازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

یدل علی وقوع الثلاث معامع کونه منھیاعنه۔

یعنی یہ آیت اکھٹی تین طلاق کے واقع ہونے پر دلالت کرتی ہے اگرچہ اکھٹی تین طلاق دینے سے منع کیا گیا ہے۔ احکام القرآن للجصاص، ص527ج1)

مشہور مفسر قرآن صحابی رسول حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما:

فان طلقھافلا تحل له حتی تنکح زوجاغیرہ، ایت مبارکہ سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

=:=

ان طلقها ثلاثا فلا تحل له حتی تنکح زوجا غیرہ، یعنی اگر کسی نے تین طلاق دے ڈالی تو یہ عورت اس کیلئے حلال نہیں جب تک کسی اور سے نکاح نہ کرلے، پھر اگر وہ شوہر ثانی اپنے مرضی سے طلاق دے تب پہلے شوہر کیلئے حلال ہوسکتی ہے ورنہ نہیں۔

(سنن الکبری للبیہقی، ص376ج7۔باب نکاح المطلقة ثلاثا)

اسی آیت سے علامہ ابن حزم رحمہ اللہ استدلال کرتے ہوئے صاف الفاظ میں لکھتے ہیں:

فان طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره

(فهذا يقع على الثلاث مجموعةً ومفرقةً ولا يجوز ان يُخَص بهذه الآية بعض ذلك دون بعضٍ بغير نص۔

یعنی مذکورہ آیت اکھٹی تین طلاق کے واقع ہونے پر دلالت کرتی ہے چاہئے وہ اکھٹی تین طلاق ایک ہی دفعے میں دی گئی ہو یا جدا جدا دی گئی ہو، اور بغیر کسی نص کے اس آیت کو تین اکھٹی طلاقوں کے متعلق چھوڑ کر صرف متفرق کے ساتھ خاص کردینا صحیح نہیں۔المحلی لابن حزم، ص376ج7کتاب الطلاق

یہاں تک تو علمائے کرام کے استدلات ہوئے قرآن مجید کی آیات مبارکہ سے۔

آتے ہیں احادیث کی طرف۔

حدیث نمبر1:عن عائشة رضي الله عنها ان رجلا طلق امراته ثلاثا فتزوجت وطلق فسُئِل النبيُ صلى الله عليه وسلم اتحل للاول؟قال لا حتى يذوق عسيلتها كما ذاق الاول۔

(بخاری شریف، ص791ج2باب من اجاز طلاق الثلاث

/صحیح مسلم، ص463ج1/السنن الکبری للبیهقی، ص334ج7، باب ماجاء فی امضاء الطلاق الثلاث وان کن مجموعات)

=:=

ترجمہ۔ حضرت عائشہ رضی اللہ سے مروی ہیں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاق دے دی پھر اس عورت نے دوسرے شخص سے نکاح کر لیا(لیکن بغیر جماع کئے)اس نے طلاق دے دی۔ آپ علیہ السلام سے پوچھا گیا کیا یہ عورت اب پہلے شخص کیلئے حلال ہو گئی ہے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا جب وہ دوسرا خاوند بھی اس کے شہد سے چکھے (یعنی جماع کر لے) جیسا کہ پہلے نے چکھا تھا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ اور علامہ بدر الدین عینی رحمہ اللہ مذکورہ حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

فالتمسك بظاهر قوله طلقها ثلاثا فانه ظاهر في كونها مجموعة۔

یعنی امام بخاری رحمہ اللہ کا استدلال (کہ تین طلاق تین ہی شمار ہوتی ہیں)اس روایت کے الفاظ:طلقها ثلاثا:سے ہے کیونکہ یہ الفاظ اس بارے میں بالکل ظاھر ہے کہ اس شخص نے تین طلاقیں اکھٹی دی تھیں۔(فتح الباری، ص455ج9 / طرح عمدۃ القاری، ص241ج14)

سنن نسائی شریف کی حدیث ہے،عن محمود بن لبيد، قال اخبر رسول الله صلى الله عليه وسلم عن رجل طلق امراته ثلاث تطليقات جميعافقام غَضْباً ثم قال ايلعب بكتاب الله وأنا بين أظهُركم حتى قام رجل وقال يارسول الله الا اقتله۔

(سنن نسائی ،ص99ج2، باب الثلاث المجموعة ومافيه من التغليظ)

محمود بن لبید فرماتے ہیں کہ آپ علیہ السلام کو بتایا گیا ایک ایسے شخص کے بارے میں جس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں اکھٹی دی تھی،توآپ علیہ السلام کااس بات کو سنتے ہی غصے سے کھڑے ہوئے اور فرمانے لگا میرا آپکے درمیان ہوتے ہوئے کتاب اللہ سے کھیلا جاتا ہے تو ایک آدمی کھڑے ہوئے فرمایا، یارسول اللہ کیا میں اسکو قتل کر دوں؟

مذکورہ حدیث سے تین طرز پہ استدلال ہو سکتا ہے کہ اکھٹی تین طلاقیں تین ہی واقع ہوتی ہے۔

نمبر1: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اکھٹی تین طلاق دینے کی خبر سن کر غصہ کا اظہار فرمانا

تین طلاق کے واقع ہونے کی مستقل دلیل ہے۔

کیونکہ اگر تین طلاقیں ایک ہوتیں اور خاوند کو رجوع کا حق باقی رہتا تو شدید غصہ کی کوئی وجہ نہیں تھی بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرمادیتے کہ ایک طلاق ہوتی ہے تم رجوع کرلو۔

نمبر2: اگر تین طلاق واقع نہ ہوتیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور انکو رد فرمادیتے اور صراحتاً فرمادیتے کہ تین طلاقیں واقع نہیں ہوئی ہیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین طلاقوں کو نافذ کردیا تھا۔ جیسے کہ فتح الباری میں آتا ہے (ان فيه التصريح بأن الرجل طلق ثلاثاًمجموعة ولم يرده بل امضاه (فتح الباری۔ ص451 جلد9)

یہ ابن العربی کا قول ابن حجر رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے مذکورہ حدیث میں صاف اس بات کی تصریح ہے کہ اس آدمی نے تین طلاقیں اکھٹی دی تھی اور آپ علیہ السلام نے اسکو رد نہیں کیا بلکہ نافذ کردیا تھا۔

نمبر3: امام نسائی رحمہ اللہ کا: الثلاث المجموعة ومافيه من التغليظ: کے عنوان سے باب باندھنا بھی اس بات کی دلیل ہے کہ اکھٹی تین طلاقیں واقع ہوجاتی ہے۔

اجماع امت اور تین طلاق۔

امام ابوبکر جصاص رحمہ اللہ فرماتے ہیں ۔فالكتابُ والسنة واجماعُ السلف توجب ايقاعَ الثلاث معاً۔

یعنی قرآن وحدیث اور سلف صالحین کا اس بات پہ اجماع ہے کہ تین طلاقیں اکھٹی تین ہی واقع ہوتی ہے۔(احکام القرآن للجصاص، ص527ج1)

اسی طرح قاضی ثناء اللہ پانی پتی تفسیر مظہری میں لکھتے ہیں: اجمعوا على انه من قال لأمراته انت طالق ثلاثاًيقع ثلاثاًبالاجماع۔

یعنی اس بات پہ اتفاق و اجماع ہے جس نے اپنے بیوی سے کہا تجھے تین طلاق۔ تو تین ہی واقع ہوجاتی ہے بالاتفاق۔(تفسیر مظہری، ص300ج1)

=-=

اصول کرخی کی عبارت پر اعتراض کا علمی و تحقیقی جواب:

امام ابوالحسن کرخی رحمہ اللہ نے اصول فقہ پر ایک مختصر کتاب لکھی ہے جس میں فقہ کے چند بنیادی قواعد بیان کئے گئے ہیں۔

اس کتاب میں انہوں نے دو عبارات ایسی ذکر کی ہیں جن سے بظاھر قران کریم اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین معلوم ہوتی ہیں جس کی بنیاد پر فقہ حنفی کے دشمن اور لاعلم عوام حتیٰ کہ منکرین تقلید میں سے بہت سے اہل علم بھی عبارت کی حقیقت کو سمجھے بغیر فوراً تبرا اور فتویٰ بازی شروع کر دیتے ہیں۔

پہلے اصول کرخی کی وہ عبارات ملاحظہ فرمائیں۔ جس پر اعتراضات کئے جاتے ہیں۔

قاعدہ نمبر 28 کے تحت امام ابوالحسن کرخی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

إِنّ کلّ اٰیۃ تُخالِفُ قولَ اصحابنا فإنہا تُحمَلُ علي النسخ اوعلی الترجیح والاولیٰ ان تُحمَلَ علي التاویل من جھۃ التوفیق.

یعنی ہر وہ آیت جو ہمارے اصحاب کے قول کے خلاف ہو تو اسکے بارے یہی سمجھا جائیگا کہ یہ آیت منسوخ ہے یا کسی دوسرے دلیل کو اس پر ترجیح حاصل ہے اور بہتر یہ ہے کہ اس میں ایسی تاویل کی جائے کہ اس آیت اور ہمارے اصحاب کے قول میں موافقت پیدا ہو جائے۔

(اصول البزدوی ویلیہ اصول الکرخی ص374)

یہ تو آیت کے متعلق عبارت ہو گئی اب دوسری عبارت حدیث کے متعلق بھی ملاحظہ فرمائیں۔

إنّ کلَ خبرٍ یجئ بر خلاف قولِ اصحابنا فانہ یُحمل علي النسخ اوعلی انہ معارض بمثلہ ثم صار الي دلیل اخر اوترجیح فیہ بمایحتج بہ اصحابنا من وجہ

الترجيح اويحمل علي التوفيق وانمايفعل ذلك علي حسب قيام الليل فان قامت دلالة النسخ يحمل عليه وان قامت الدلالة علي غيره صرنا اليه.

یعنی ہر وہ حدیث جو ہمارے اصحاب قول کے خلاف ہو تو وہ نسخ پر محمول کی جائیگی یا وہ اسی کے مثل دوسری حدیث کے معارض ہوگی تو پھر کسی دوسرے دلیل سے کام لیا جائیگا یا جس حدیث سے ہمارے اصحاب نے استدلال کیا ہے اس میں وجوہ ترجیح میں سے کوئی ایک ترجیح کی وجہ ہوگی یا پھر دونوں میں تطبیق وتوفیق کا راستہ اختیار کیا جائیگا اور یہ دلیل کے لحاظ سے ہوگا، اگر دلیل معارض حدیث کے نسخ کی ہے تو نسخ پر محمول کیا جائیگا یا اسکے علاوہ کسی دوسری صورت پر دلیل ملتی ہے تو وہ صورت اختیار کی جائیگی۔(اصول کرخی، ص373)

یہی وہ عبارات ہیں جن کی حقیقت سمجھے بغیر لاعلم علماء وعوام فقہ حنفی پر اعتراضات کرتے رہتے ہیں، ایسے لوگ اپنے معمولی علم وفہم کو استعمال کرتے ہوئے کنویں کی مینڈک کی طرح یہی سمجھتے ہیں کہ جو کچھ میں نے سمجھا ہے بس وہی حق وسچ ہے اس کے علاوہ کوئی دوسرا نقطہ نظر قبول ہی نہیں ہے۔

آتے ہیں جواب کی طرف۔ دیکھئے! کسی بھی قول کا صحیح مطلب یا تو کہنے والا اور یا اسکے شاگرد آپ کو صحیح طرح بتا سکتا ہے کیونکہ اسکے شاگرد قائل کی مراد اور منشاء سے دوسروں کی بنسبت زیادہ واقف ہوتا ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ جوبات عبارت میں ذکر کی گئی ہیں اس میں مطلق ومقید کیا ہے اور عام وخاص کیا ہیں؟

امام کرخی رحمہ اللہ کے شاگردوں کی شاگرد ابو حفص عمر بن محمد النسفی(متوفی 537ہجری) جو اپنے علمی تبحر کی وجہ سے مشہور ہیں اور انکی کتابیں فقہ حنفی کا بڑا

مأخذ سمجھا جاتا ہیں، انہوں نے اصول کرخی کے اصولوں وقواعد کی تشریح کی ہے جس میں امام کرخی رحمہ اللہ کی اس عبارت کا صحیح معنی ومطلب بیان ہو چکا ہے، وہ ان تمام اصول وقواعد کی تشریح اور مثال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

=:=

قال(النسفي)من مسائله ان من تحرى عندالاشتباه واستدبر الكعبة جازعندنا

لان تاويل قوله تعالىٰ فولوا وجوهكم شطره إذا علمتم به،والى حيث وقع تحريكم عندالاشتبا ه،اويحمل على النسخ،كقوله تعالى،ولرسوله ولذالقربىٰ،في الآية ثبوت سهم ذوالقربى في الغنيمة ونحن نقول انتسخ ذلك باجماع الصحابة رضي الله عنهم اوعلى الترجيح كقوله تعالى والذين يتوفون منكم ويذرون ازواجا،ظاهر يقتضي ان الحامل المتوفى عنهازوجهاذلاتنقضي عدتها بوضع الحمل قبل مضى أربعة اشهر وعشرة ايام.لان الايةعامة في كل متوفى عنهازوجهاحاملا اوغيرها.وقوله تعالىٰ،واولات الاحمال اجلهن ان يضعن حملهن يقتضي انقضاءالعدة بوضع الحمل قبل مضى الاشهرلانهاعامة في المتوفى عنهازوجها وغيرها لكنارجحناهذه الآية

بقول ابن عباس رضي الله عنهما،انهانزلت بعد نزول تلك الآية فنسختها،وعلي رضي الله عنه جمع بين الاجلين احتياطاً لاشتباه التاريخ.

امام نسفی رحمہ اللہ نسخ،ترجیح اور تطبیق کی امثلہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:اس کے مسائل میں سے یہ ہیں کہ جس پر قبلہ مشتبہ

ہوجائے اوروہ غوروفکر کے بعدایک سمت اختیار کرلیے تو ہمارے نزدیک جائز ہے(اگرچہ اس نے قبلہ کے علاوہ کی طرف رخ کرکے نمازپڑھی ہو)

اور اللہ تعالیٰ کے قول،فولواوجوھکم شطرہ،یعنی اپنے چیزوں کو قبلہ حرام کی طرف کرلیا کریں،علامہ نسفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں،کہ ہمارے نزدیک مذکورہ آیت کی تاویل یہ ہے کہ قبلہ حرام کی طرف چہرہ کرناتب ضروری ہے جب کسی بندے کو قبلے کی سمت وطرف معلوم ہو،پھر اشتباہ کی صورت

میں غور وفکر کے بعد جو سمت اختیار کیا جائیگا یا وہ نسخ پر محمول ہو گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، اور نسخ کی امثلہ قرآن مجید میں موجود ہے جیسے

ولرسوله ولذی القربی، مذکورہ آیت میں رشتہ داروں کیلئے غنیمت کے مال میں حصہ کا ثبوت ہے اور ہم کہتے ہیں کہ یہ صحابہ کرام کے اجماع سے منسوخ ہے۔

یہ تو نسخ کی مثال ہوگئی کہ آیت مبارکہ صحابہ کرام کی اجماع نے منسوخ قرار دیا۔

آتے ترجیح پر محمول کرنے کی صورت کی طرف۔

دیکھئے! آیت مبارکہ:**والذین یتوفون منکم ویذ رون ازواج**ا، کا ظاہری تقاضا یہ ہے کہ حاملہ عورت کا شوہر مر جائے تو اسکی عدت وضع حمل سے نہیں ہو گی بلکہ اسکو بھی چارماہ دس دن عدت کے گزارنے ہوں نگے کیونکہ یہ آیت ہر ایک کے بارے میں عام ہے خواہ وہ حاملہ ہو یا غیر حاملہ، جبکہ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے (سورۃ الطارق پارہ 28 آیت نمبر 4)

اس آیت مبارکہ کا تقاضا یہ ہے کہ حاملہ عورت کے وضع حمل کے بعد عدت ختم ہو جائیگی، خواہ چار ماہ دس دن ابھی تک پورے ہوئے نہ ہو، مزید یہ کہ یہ آیت عام ہے خواہ حاملہ عورت کا شوہر مرا ہو یا نہ مرا ہو۔

علامہ نسفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کو ہم نے اس لئے ترجیح دی کیونکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول موجود ہے کہ وہ آیت جس میں ایا ہے کہ حاملہ عورت کی عدت وضع حمل ہے یہ اس پہلی والی آیت مبارکہ، **والذین یتوفون منکم**، کے بعد نازل ہوئی ہے تو ترجیح والی آیت سے یہ دوسری آیت یعنی ، **والذین یتوفون منکم**، والی آیت منسوخ ہو گئی ہے۔

جبکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے دونوں اقوال میں بنا بر احتیاط جمع یعنی تطبیق کی صورت اختیار کی ہے۔

یہاں تک روایات مبارکہ کے اندر نسخ، ترجیح او تطبیق کی صورتیں تھیں، جبکہ حدیث میں بھی یہی چیز پائی جاتی ہے، علامہ نسفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قال(النسفي)ان الشافعي يقول بجواز اداء سنة الفجر بعد اداء فرض الفجر قبل طلوع الشمس لماروي عن عيسى رانى رسول الله صلى الله عليه وسلم اصلى ركعتين بعدالفجر فقال ماهما. فقلت ركعتاالفجر
كنت لم اركعهمافسكت قلت هذامنسوخ بماروي عن النبي صلى الله عليه وسلم انه قال لا صلوٰۃ بعدالفجرحتى تطلع الشمس ولا بعدالعصرحتى تغرب الشمس،والمعارضة فكحديث انس رضي الله عنه انه كان يقنت في الفجرحتى فارق الدنيافهومعارض برواية عن انس رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قنت شهرا ثم تركه فاذاتعارضا روايتاه تساقطافبقى لناحديث ابن مسعودرضي الله عنه.ان النبي صلى الله عليه وسلم قنت شهرين يدعو على احياء العرب ثم تركه.واماتاويل فهوماروي عن النبي صلى الله عليه وسلم انه كان اذا رأسه من الركوع قال سمع الله لمن حمده قولواربنالك الحمد وهذا دلالة الجمع بين الذكرين من الأمام وغيره .ثم روي عن النبي صلى الله عليه وسلم انه اذاقال الأمام سمع الله لمن حمده قولواربنا لك الحمد، والقسمة تقطع الشركة فيوفق بينهما فنقول الجمع للمنفرد والافراد للامام والمقتدي وعن ابي حنيفة انه يقول الجمع للمتنفل والإفراد للمفترض.

یعنی امام شافعی رحمہ اللہ طلوع شمس سے پہلے فجر کی سنت پڑھنے کو جائز قرار دیتے ہیں انکی دلیل حضرت عیسی رضی اللہ عنہ سے منقول وہ حدیث ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو فجر کے بعد دو رکعت پڑھتے دیکھا،انہوں نے پوچھایہ تم کیاپڑھ رہے تھے،میں نے عرض کیاکہ فجر کی دوسنت رکعتیں جس کو میں نہیں پڑھ سکتا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر سکوت اختیار کیا۔ علامہ نسفی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں کہتا ہوں یہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے منسوخ ہے کہ فجر کے بعد کوئی نماز نہ پڑھی جائے تاوقتیکہ سورج طلوع ہو جائے اور عصر کے بعد کوئی نماز نہ پڑھی جائے تاوقتیکہ سورج غروب ہو جائے۔ جبکہ معارض کی صورت یہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز میں قنوت پڑھتے رہے اور اسی معمول پر دنیا سے رخصت ہوئے اب یہ حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ کے دوسری حدیث کے معارض ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مہینہ فجر کی نماز میں قنوت پڑھی پھر اس کو چھوڑ دیا۔

رہ گئی تاویل کی صورت تو وہ یہ ہے کہ آپ علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپ علیہ السلام جب رکوع سے سر اٹھاتے تو سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم ربنالک الحمد کہا کرو۔ اب یہ حدیث تقسیم شرکت کے منافی ہے تو ان دونوں احادیث میں تطبیق اس تاویل کے ذریعہ دی جائیگی کہ دونوں ذکر سمع اللہ لمن حمدہ اور ربنالک الحمد کہے کی صورت منفردں کیلیے ہے اور تقسیم اس صورت میں ہے جب باجماعت نماز ہو رہی ہو۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے منقول ہے وہ فرماتے تھے جمع نفل نماز پڑھنے والے کیلئے ہے اور افراد فرض نماز پڑھنے والے کیلئے ہے۔

امام کرخی رحمہ اللہ کے قاعدہ کا صحیح معنی و مطلب امام نسفی کی بیان کردہ تشریح کی روشنی میں اتنا واضح ہو گیا ہے کہ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ امام کرخی رحمہ اللہ کے قول کا مطلب و مراد یہ نہیں ہے کہ اگر کوئی قرآن کی آیت ہو یا کوئی حدیث ہو تو اس کے مقابل میں صرف امام ابو حنیفہ کا قول کافی ہو گا، بلکہ امام کرخی رحمہ اللہ کا صحیح منشاء یہ ہے کہ وہ یہ بتانا چارہا ہیں کہ ائمہ احناف نے اگر قران پاک کی کسی آیت کو ترک کیا ہے یا کسی حدیث کو قابل عمل نہیں مانا ہے تو اسکی وجہ یہ ہے کہ ان کی رائے میں قرآن کی وہ آیت منسوخ ہے یا پھر اپنے ظاہر پر نہیں ہے جس کی دلیل دوسری آیت یا احادیث سے ملتی ھے، ائمہ احناف نے کسی مسئلہ میں جس پہلو کو اختیار کیا ہے اس کیلئے بھی انکے پاس قرآن و حدیث سے دلائل موجود ہیں۔

=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=

مجھے قوی امید ہے کہ اتنی بات سمجھنے میں کسی بھی صاحب عقل کو تامل نہ ہو گا۔

امام کرخی رحمہ اللہ کی یہ بات کہ ائمہ احناف نے اگر آیت یا حدیث کو چھوڑا ہے تو اس لئے کہ یا تو وہ انکی رائے میں منسوخ ہے، یا اس کی معارض کوئی دوسری حدیث ہے یا پھر وہ حدیث اپنے ظاہر پر محمول نہیں ہے، ایسی درجنوں مثالیں دی جاسکتی ہے جن میں قرآن وحدیث کی واضح نص موجود ہونے کے باوجود ائمہ کرام نے ان آیات واحادیث میں تاویلات کی ہیں، جن میں سے چند پیش خدمت ہے۔

حدثنایحيٰ بن یحيٰ التیميُ وعثمان بن ابي شیبۃً کلاھما عن جریر قال یحيٰ اخبرنا جریر عن الاعمش، عن ابي سفیان، قال سمعت جابرًا یقول سمعت النبي صلی اللہ علیہ وسلم یقول، ان بین الرجلِ وبین الشرکِ والکفرِ ترکُ الصلٰوۃ/(صحیح مسلم کتاب الایمان، باب بیان إطلاق اسم الکفر علی من ترک الصلٰوۃ/جلد1 رقم الحدیث153)

اسی طرح دوسری حدیث ہے۔

اخبرنا الحسینُ بن حُرَیْثٍ، قال انبأنا الفضل بن موسیٰ، عن الحسین بن الواقد، عن عبداللہ بن بریدۃ، عن ابیہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ان العھد الذي بیننا وبینھم الصلٰوۃ فمن ترکھا فقد کفر.

یعنی ہمارے اور تمہارے درمیان عہد نماز ہے جو نماز ترک کرے گا، کافر ہو گا۔

(سنن نسائی/کتاب الصلاۃ، باب الحکم فی تارک الصلاۃ۔ جلد1 رقم الحدیث464.)

مندرجہ بالا احادیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان میں واضح نص موجود ہے کہ فرض نماز ترک کرنے والا کافر ہے۔ چاہئے جان بوجھ کر ترک کرے یا سستی کوتاہی کے سبب۔ اس کے باوجود بھی آج تقریباً تمام مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے علماء حضرات فرض نماز ترک کرنے والے کو مسلمان

ہی تسلیم کرتے ہیں اور ایسے شخص کا نکاح بھی پڑھاتے ہیں اور نماز جنازہ بھی۔ اور اسے مسلمانوں کے قبرستان میں ہی دفن کیا جاتا ہے اور ایسے شخص کا ذبیحہ بھی حلال سمجھتے ہیں۔

ترمذی شریف کی حدیث: ہے:

حدثنا قتيبة، حدثنا بشر بن المُفَضّل، عن الجريري، عن عبدالله بن شفيق العُقيلي، قال كان اصحاب محمد صلى الله عليه وسلم لايرون شيئا من الأعمال تركُهُ كفرٌ غيرَ الصلٰوة.

یعنی اصحاب رسول اللہ صلی علیہ وسلم نماز کے علاوہ کسی اور عمل کے ترک کرنے کو کفر نہیں جانتے تھے۔

(جامع الترمذی، کتاب الایمان، باب ماجاء فی ترک الصلاۃ / جلد 5 رقم الحدیث 2622۔)

مندرجہ بالا حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے واضح فرمان کے باوجود بھی تمام صحابہ کرام نماز ترک کرنے والے کو کافر نہیں سمجھتے تھے۔ تو کیا کوئی مسلمان یہ کہنے کی جرأت کر سکتا ہے کہ نعوذباللہ تمام صحابہ کرام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی مخالفت کی؟ کیونکہ تمام صحابہ کرام آپ علیہ السلام کے فرمان کا حقیقی مطلب جانتے تھے، اسی لئے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تارک نماز کو کافر نہیں سمجھا۔

امام کرخی رحمہ اللہ کی عبارت کا صحیح معنی و مفہوم بھی بالکل یہی ہے کہ جس طرح صحابہ کرام نے نبی علیہ السلام کے واضح فرمان کو اپنے ظاہر پر محمول نہیں سمجھا بالکل اسی طرح ائمہ احناف نے بعض آیات واحادیث کو اپنے ظاہر پر محمول نہیں سمجھا۔ یہاں یہ بات واضح ہوگئی کہ امام کرخی کی بات کا جو منشاء اور مقصد ہے وہ اپنی جگہ بالکل درست ہے اور یہی بات ہر دور میں علماء اعلام نے ائمہ کرام کی جانب سے کہی ہیں چاہئے وہ ابن تیمیہ ہو یا دیگر جید علمائے کرام۔

مثلاً ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے

=:=

"رفع الکلام عن ائمۃ الاعلام" کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے،اس میں وہ ائمہ کرام کے کسی حدیث یا نص قرآنی کی مخالفت کی وجوہات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

الاسباب التي دعت العلماء الی مخالفة بعض النصوص وجمیع الاعزار ثلاثة اصناف۔

احدھا! عدم اعتقادہ أن النبي صلی اللہ علیہ وسلم قالہ،

الثاني: عدم اعتقادہ إرادۃ تلك المسئلة ذلك القول۔ والثالث: اعتقادہ ان ذلك الحکم منسوخ، وھذہ الاحناف الثلاثة تتفرع الی اسباب متعددۃ.

یعنی ایسے تمام اسباب جن کی وجہ سے ائمہ کرام کا عمل بظاہر کسی حدیث کے مخالف نظر اتا ہے وہ تین قسم کے ہوسکتے ہیں۔

ایک تو یہ ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہیں کہا(یعنی حدیث کے ثبوت کا اختلاف)

دوسرا یہ کہ وہ سمجھتے ہیں کہ آپ علیہ السلام کی بات کا مقصد وہ نہیں تھا جو لوگ اس حدیث سے ثابت کرنا چارہے ہیں(یعنی حدیث کے فہم کا اختلاف)

تیسرا یہ کہ وہ سمجھتے ہیں کہ حدیث ثابت بھی ہے اور اس سے مراد بھی ٹھیک لیا گیا ہے مگر اب یہ حکم منسوخ ہے(حدیث کے بلحاظ عمل قبولیت میں اختلاف)

(رفع الملام عن ائمۃ الاعلام، ص9)

اسکے بعد ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ان تینوں اعزار کی شرح میں لکھتے ہیں کہ:

السبب التاسعة! اعتقادہ أن الحدیث معارض بمایدل علی ضعفه اونسخه اوتاویله ان کان قابلا للتاویل بمایصلح ان یکون معارضا بالاتفاق مثل آیة اوحدیث آخر اومثل اجماع(رفع الملام عن ائمة الاعلام /9)

=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=

ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی مذکورہ بیان کردہ تشریح کو غور سے پڑھیے اور دیکھئے کہ امام کرخی رحمہ اللہ کے بیان میں اور امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے بیان میں کس درجہ مطابقت ہے۔

امام کرخی کی بات اور ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی بات میں بہت ہی کم فرق ہے اور اگر کچھ فرق ہے تو صرف اسلوب اور طرز ادا کا فرق ہے۔

امام کرخی کا اسلوب بیان منفی ہے یعنی ہر وہ آیت یا حدیث جو ہمارے اصحاب کے مخالف ہو

جب کہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا بیان مثبت ہے یعنی اگر کسی امام نے کسی حدیث پر عمل ترک کیا ہے تو اس کی وجہ اس کا منسوخ ہونا، یا کسی دوسرے حدیث کے معارض ہونا وغیرہ ہے، اسلوب بیان کے فرق کے علاوہ مزید گہرائی سے دیکھیں اور پرکھیں تو دونوں میں کوئی فرق نہیں ملے گا۔

=:=

اہل باطل کی تین پہچان

ہمارا تعلق اہل السنت والجماعت حنفی مذہب، دیوبندی مشرب کے ساتھ ہیں، یہ ہمارا علمی اور مذہبی نسب نامہ ہے جس پر کلہ الحمد ہم فخر کرتے ہیں۔

دیوبندی اکابرین کا ہر ہر قول ایک مکمل کتاب کی حیثیت رکھتا ہے۔

مشہور دیوبندی مصنف و محقق علامہ نعمت اللہ اعظمی صاحب دامت برکاتہم العالیہ اہل باطل کی تین علامات بتلاتے ہیں جو کہ انتہائی اہم ہیں۔

لیکن مقصود کو بیان کرنے سے پہلے آپ کو علامہ اعظمی صاحب کا مختصر تعارف بھی کراؤنگا۔ تاکہ درس کی اہمیت آپ کے ذھن میں خوب بیٹھ جائے۔

ام المدارس دارالعلوم دیوبند کے استاذ الحدیث، بحر العلوم علامہ نعمت اللہ اعظمی صاحب ہندوستان کے مشہور محققین میں سے شمار کیا جاتا ہے۔

آپ کی پیدائش 1936 ہے،

شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے شاگرد ہے۔

1953 میں آپ کی فراغت ہوئی ہے۔

1982 سے اب دارالعلوم دیوبند میں خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔۔۔ سینکڑوں کتب کے مصنف ہیں۔

دارالعلوم دیوبند میں آپ تفسیرِ بیضاوی، مؤطا امام مالک، سنن ابی داؤد اور صحیح مسلم شریف کئی دفعہ پڑھا چکے ہیں، آج کل ترمذی شریف حضرت کے زیر درس ہے۔

=÷=

مولانا سعید احمد پالن پوری رحمہ اللہ کی وفات کے بعد شیخ الحدیث اور صدر مدرس کے منصب کیلئے علامہ اعظمی صاحب کا نام تجویز ہوا تھا لیکن حضرت نے معذرت کرلی۔

اس کے علاوہ آپ اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے صدر بھی ہیں۔

علم حدیث، علم اسماء الرجال، عیسائیت اور یہودیت پر دقت نظر اور وسعت علم کی وجہ سے انہیں "بحر العلوم" کے لقب سے جانا جاتا ہے۔

بڑی ہستی ہے اللہ تعالیٰ عمر میں برکت نصیب فرمائے۔

آتے ہیں مقصد کی طرف۔

انڈیا سے تعلق رکھنے والے مولانا مفتی مسعود قاسمی صاحب لکھتے ہیں کہ: علامہ نعمت اللہ اعظمی صاحب نے فرمایا کہ!

اہل باطل کی تاریخ میں غور کرنے سے یہ تین خصوصیتیں قدر مشترک کے طور پر نظر آتی ہے۔

پہلی علامت:

اپنے نظریات کے علاوہ سب کو باطل کہنا۔

دیکھئے: جتنی بھی باطل جماعت یا شخصیات ہیں، جب اپنے نظریے کو پیش کرتی ہیں وہ یہ کہتی ہے کہ یہی حق ہے اور اپنے علاوہ سب کو اہلِ حق سمیت صراحۃً یا اشارۃً باطل کہتی ہیں۔

اور دوسروں کو باطل قرار دینے کے پیچھے دراصل یہ سوچ کارفرما ہوتی ہے کہ دوسروں کی نفی اور تردید کے بغیر انکی دوکان نہیں چمک سکتی۔ اپنے مسلک کی ترویج ان کو دوسرے مسلک کی تردید میں نظر آتی ہے۔

دوسری علامت:

پہلے نظریات قائم کرنا پھر نصوص سے دلائل لانا۔

=:=

اہلِ باطل پہلے اپنے ذہن سے کسی نظریہ کی تشکیل دیتا ہے اور پھر اس کو حتمی شکل دے کر اس کے مطابق نصوص میں دلیل تلاش کرتا ہے اور کھینچ تان کر (اصولِ استدلال کی ہڈیاں توڑتے ہوئے) کسی نہ کسی نص کو اپنے نظریہ پر منطبق کر ہی لیتا ہے۔

کیوں کہ قرآنی وحدیثی نصوص میں بہت لچک (عموم) اور ظاہری تعارُضات ہیں۔ اور نظمِ قرانی میں اسی لچک (عموم) کی وجہ سے قرآن کی تفسیر میں ہمارے علماء متوارث (منقول) تفسیروں کے پابند رہے ہیں جو متداول بھی ہوں۔ اور اس پابندی سے آزاد ہونا ہر دور میں باطل شخصیات کے لئے اپنے باطل نظریات کے اثبات اشاعت کے لئے نہایت سہل الحصول راستہ رہا ہے۔

ہمارے علماء نے علامہ مودودی وغیرہ کی تفسیروں کو اسی لئے رد فرمایا ہے کہ وہ جابجا اپنی تفسیروں میں اس توارث وتداول کی پابندی سے آزاد پھر ٹھوکر کھاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

نیز نصوص میں (ظاہراً) تعارض تو ہوتا ہے۔ ان متعارض نصوص میں جمع و تطبیق اور ترک و اختیار اور تاویل و ترجیح کے کچھ اصول وضوابط متعین ہیں جن کی پابندی ہی انسان کو صراطِ مستقیم کی روش سے باندھے رکھ سکتی ہے۔ ان اصولوں سے آزاد ہونے کے بعد ہر کوئی ان نصوص کو اپنے اپنے باطل نظریات کی دلیل بنا کر پیش کر سکتا ہے۔

تیسری علامت:

اپنے نظریات پر شاذ اور متفرد اقوال کا سہارا لینا۔

اہلِ باطل اپنے باطل نظریات کے اثبات کے لئے شاذّ اور متفرد اقوال کا سہارا ہی لیتا ہے۔

چونکہ قرآن پاک کی کسی ایک ہی آیت یا ایک ہی مضمون کی تفسیر میں متعدد مگر متقارب ومزاجِ شریعت سے ہم آہنگ اقوال علماءِ تفسیر سے منقول اور ماثور ہوتے ہیں، انھیں تفسیری اقوال میں ایک غریب (شاذ) اور انوکھا (متفرِّد) قول بھی مل جاتا ہے جو ان تمام تفسیروں سے متباعد نیز مزاجِ شریعت سے ہٹا ہوا نظر آتا ہے۔ ضروری نہیں کہ اس کا قائل کوئی غیر معتبر مفسر ہی ہو بلکہ کبھی کبھی ایسا

شاذو متفرد قول کسی معتبر اور معتمد علیہ مفسر سے بھی ظاہر ہو سکتا ہے۔ جیسے "کتے" کی تفسیر "شیر" سے معتبر مفسر علامہ طبری رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے۔ اور اس میں کوئی استبعاد اور قدح بھی نہیں ہے کہ کبھی کبھی کسی صحیح الفکر معتبر عالم کا قول تفرّد کے دائرے میں آجائے۔ اس سے اسکی معتبریت متأثر نہیں ہوتی۔

اس لئے تفسیر بالمأثور کے سلسلے میں ہمارے اسلاف کا مذاق ومزاج یہی رہا ہے کہ وہ تفسیر متوارث ہونے کے ساتھ ساتھ متداول بھی ہو۔

اور رہا شاذو متفرِّد قول تو وہ صرف وہ بیانِ استیعاب کے لئے ہوتا ہے نہ کہ بیانِ استدلال کے لئے۔

یعنی یہ نہیں کہ شاذ قول کو بطورِ تفسیر عمومی اور عوامی حلقوں میں بیان بھی کیا جانے لگے اور اس سے استدلال بھی کیا جانے لگے۔ ہاں درسی طور پر تمام تفسیری اقوال کا استیعاب اور احاطہ کرنے کے لئے متعلقہ حلقوں میں بیان کیا جاسکتا ہے۔

=÷=

حافظ حمد اللہ صاحب محترم کا جمہوریت کے حوالے سے ایک غلط موقف

2018 تک جمعیت سے وابسطہ حضرات کہتے تھے کہ ٹھیک ہے جمہوریت کفر ہے لیکن فی الحال اس گندہ نظام میں حصہ لینا ہماری مجبوری ہے۔ کبھی کہتے تھے ضرورت ہے کبھی کہتے اھون البلیتین ہے کبھی کہتے ہم حالت اضطرار میں ہے۔ تو لوگوں نے ان کی عذر کو بادل ناخواستہ اسی لئے مان لیا کہ چلو ٹھیک ہے حالت اضطرار میں میں گدھے اور خنزیر کی گوشت بھی کھانا بھی جائز ہے۔

لیکن اب کچھ عرصہ سے جمعیت کے علماء کرام جمہوریت کو مسلمان بنانے کیلئے ایڑی چھوٹی کا زور لگا رہے ہے۔

بہت سے احباب نے میرے پاس پرانے اور کٹر شیر انی فکر جناب حافظ حمد اللہ صاحب کا ایک ویڈیو بھیجا جس میں جناب ببانگ دھل کہہ رہاہے جمہوریت کی بنیاد ہی اسلام نے رکھی ہے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ موصوف دلیل کیا دے رہاہے کہتا ہے کہ جی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے مابعد تعین خلیفہ کیلئے 6 رکنی کمیٹی بنائی تھی کہ تم خلیفہ کی تعین کیجئے اور ان سے یہ بھی کہا تھا کہ اگر تم ایک خلیفہ پر متفق نہ ہوسکے تو پھر اکثریت کی فیصلے کو ترجیح دی جائیگی۔

پشتو سمجھنے والے ساتھی حافظ صاحب محترم کا یہ مختصر کلپ نیٹ پر ملاحظہ فرماسکتے ہیں۔

حافظ صاحب سے گلہ نہیں اس سے پہلے بھی حافظ صاحب محترم کا ایک ویڈیو کلپ وائرل ہوچکا ہے جس میں جناب شیعوں سے دوستی بڑھانے کی خاطر کہتا ہے کہ اہل تشیع سے ہمارے اختلافات اصولی نہیں بلکہ شوافع اور جنابلہ جیسے فروعی اختلافات ہیں، حالانکہ ادنی درجے کے طالب علم کو پتہ ہے کہ شیعوں سے اختلافات فروعی نہیں بلکہ اصولی ہیں۔

=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=

خیر اصل موضوع کی طرف آتے ہیں۔

حافظ صاحب محترم کا کلپ تقریباً سات منٹ پر مشتمل ہیں سب کا جواب ایک ہی کلپ میں دینا مشکل ہے فی الحال دو باتوں کو زیر بحث لاؤنگا۔

نمبر ایک۔۔۔جمہوریت کی بنیاد ہی اسلام نے رکھی ہے۔

نمبر دو۔واقعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے استدلال۔

حافظ صاحب محترم کی پہلی بات کہ جمہوریت کی بنیاد ہی اسلام نے رکھی ہے یہ بات عدم مطالعے کا نتیجہ ہے اور ہمارے اکابر کی تصریحات کے سوفیصد مخالف ہے۔

میں یہاں پر بطورِ نمونہ اپنے اکابر کی تصریحات سے صرف چند اقتباسات پیش کرونگا تاکہ پتہ چلے جمہوریت کے بارے میں اکابر علماء دیوبند کی کیا رایہ ہے: ملاحظہ فرمایئے۔

نمبر ایک: شہید اسلام مولانا یوسف لدھیانوی رح سے خاص اسلامی جمہوریت کے حوالے سے جلد 8 صفحہ 158 پر سوال پوچھا گیا ہے اور سوال کچھ یوں ہے

(س: میری ایک الجھن یہ ہے کہ: اسلام میں جمہوریت کی گنجائش ہے یا نہیں؟۔۔۔۔۔۔الخ)

جواب میں مولانا صاحب سب سے پہلے "اسلامی جمہوریت" کی غلط تصور کو رد کرتے ہوئے لکھتا ہے۔۔۔

بعض غلط نظریات قبولیتِ عامہ کی ایسی سند حاصل کرلیتے ہیں کہ بڑے بڑے عقلاء اس قبولیت عامہ کے آگے سر ڈال دیتے ہیں۔۔۔۔الخ)

ہے۔

کچھ آگے جاکر فرماتے ہے:

(اسلام کا جدید جمہوریت سے کوئی تعلق نہیں، نہ جمہوریت کو اسلام سے کوئی واسطہ ہے، "ضدان لا یجتمعان" یہ دو متضاد جنسیں ہیں جو اکٹھی نہیں ہوسکتیں)

("آپکے مسائل اور انکا حل جلد 8 صفحہ 165")

=:=

نمبر دو۔۔ مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ کے انٹریوز اور تقاریر کی ایک کتاب ہے بنام "آذان سحر" اس میں مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ اسلامی قانون سازی اور جمہوری قانون سازی کے متعلق فرماتے ہیں کہ:

یہ بھی کہا گیا ہے کہ قرآن وسنت کے خلاف کوئی قانون نہیں بن سکے گا، یہ بات میں سمجھتا ہوں کہ ایک دھوکہ ہے، اس لئے کہ بنیادی حقوق کی دفعات اس کی نفی کرتی ہے مثلاً ان دفعات میں مذہبی آزادی کے عنوان میں وضاحت سے کہا گیا ہے، کہ پاکستان کے ہر شہری کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ جو مذہب اور عقیدہ چاہیے قبول کر سکتا ہے اس میں گویا مسلمان کو عیسائی، یہودی، ہندو اور مرزائی بننے کا حق دیا گیا ہے۔ مرتد ہونے کی اجازت دی گئی ہے جبکہ اسلامی قانون سازی کہتی ہے، من بدل دینہ فاقتلوہ۔

چنانچہ اسلامی قانون کے تحت اگر اس ہاؤس میں (اسمبلی ہال میں) ہم قانون سازی کا کام شروع کریں تو ایسے شخص کیلئے قتل مرتد کی سزا تجویز کریں گے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

انما جزاء الذين يحاربون الله ورسوله ويسعون فى الارض فسادا ان يقتلوا او يصلبوا او تقطع ايديهم وارجلهم من خلاف:

اسی طرح حدیث میں آتا ہے کہ: من بدل دینہ فاقتلوہ۔ کہ جس نے اپنا دین بدل دیا اسے قتل کرو۔

قرآن وسنت کی اس تصریح کے باوجود ہم اب یہ (قرآنی سزا) سزا تجویز نہیں کر سکتے۔ اس لئے کہ آپ (برسر اقتدار طبقہ) نے آزادی مذہب کے نام سے اسے آئین میں حق دیا ہے۔ جبکہ مسلمان کے لئے سب سے عظیم جرم ارتداد ہے۔ زنا، شراب نوشی، سود خوری، ڈاکہ زنی کا جرم اس سے کم ہے، جب بڑے سے بڑے جرم پر (اسلامی سزا) سزا نہیں ہو سکتی تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ آئین کسی طرح اسلامی نہیں کہلا سکتا۔ بحوالہ (آذان سحر صفحہ 107)

نمبر تین۔ علامہ مفتی رشید احمد صاحب اپنے فتاوی "احسن الفتاوی جلد 6 صفحہ 94" پر کچھ یوں لکھتے ہے

=÷=

(اور چونکہ اسلام نے "مشاورت" کا حکم دیا ہے، اس لئے "جمہوریت" کو مشاورت کے ہم معنی سمجھ کر لوگوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ "جمہوریت" عین اسلام ہے۔ حالانکہ بات اتنی سادہ نہیں، در حقیقت جمہوری نظام حکومت کے پیچھے ایک مستقل فلسفہ ہے جو دین کے ساتھ ایک قدم بھی نہیں چل سکتا، اور جس کے لئے سیکولزم پر ایمان لانا تقریبا لازمی شرط کی حیثیت رکھتا ہے۔)

نمبر چار: آج کل کی نام نہاد جمہوریت سے اسلام کا کوئی واسطہ نہیں، جس میں عقل و بصیرت کے بجائے صرف تعداد دیکھی جاتی ہے، اور قطعاً بے عقل اور نااہل لوگوں کو بھی ذی بصیرت خواص کے پہلو میں کھڑا کر دیا جاتا ہے، ایسی اندھیر نگری کا اسلام میں کوئی تصور نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم
کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۱/۳/۱۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نمبر پانچ: مفتی مختار الدین شاہ صاحب نے اپنے کتاب "اسرار العروج" میں جہاں جمہوریت پر زبردست رد لکھی ہے تو وہاں اس مبحث کے آخر میں جمہوریت پر کاری اور فیصلہ کن ضرب لگاتے ہوئے اس مبحث کا خاتمہ کیا ہے لکھا ہے۔
(مذکورہ بالا حقائق کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس شیطانی راہ (جمہوریت) سے نفاذ اسلام کی توقع کرنا عبث اور فضول کام ہے لہذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اس دجالانہ پر فریب نظام کو اسلام کی پیوند نہ لگائیں اور اس بات کی کوشش کریں کہ اپنی پوری زندگی خالص اسلامی اصولوں پر تعمیر کریں۔
جو لوگ اس نظام میں کسی مجبوری کے تحت شامل ہو جاتے ہیں ان کی خدمت میں اتنی درخواست ہے کہ وہ اس پر اسلام کا لیبل نہ لگائیں اور اپنے قول و فعل سے کسی ایسی بات کو صادر نہ ہونے دیں جس کی وجہ سے لوگ اس جمہوری دستور کے تحت ہونے والے انتخابات کو دین کا کام اور کار ثواب سمجھیں۔)

=÷=

نمبر چھ: بعض لوگوں کو یہ حماقت سوجھی ہے کہ وہ جمہوری سلطنت کو اسلام میں ٹھونسنا چاہتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ اسلام میں جمہوریت کی تعلیم ہے استدلال میں یہ آیت پیش کرتے ہیں (وشاورھم فی الامر) مگر یہ بالکل غلط ہے لوگوں نے مشورہ کی دفعات ہی کو دفع کر دیا ہے اسلام میں جو درجہ ہے اس کو بالکل نہیں سمجھا۔

اقتباس از اشرف الجواب للتھانوی رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ

لہذا یہ کہنا کہ جمہوریت کی بنیاد اسلام نے رکھی ہے یہ بات سو فیصد غلط ہے اور نہ ہی یہ ہمارے دیوبندی اکابر کی رایہ ہے بلکہ یہ حافظ صاحب محترم کی اپنی بنائی ہوئی منطق ہے۔

دوسری بات: حافظ صاحب محترم نے جمہوریت کی جواز کے متعلق دلیل یہ پیش کی تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے مابعد تعیین خلیفہ کیلیئے 6 رکنی کمیٹی بنائی تھی کہ تم خلیفہ کی تعیین کیجیئے اور ان سے یہ بھی کہا تھا کہ اگر تم ایک خلیفہ پر متفق نہ ہو سکے تو پھر اکثریت کی فیصلے کو ترجیح دی جائیگی۔

دیکھیئے: یہ دلیل جو حافظ صاحب نے جمہوریت کی تائید میں پیش کی در حقیقت اسی دلیل میں جمہوریت کی تردید ہے۔

کس طرح؟؟؟

دیکھیئے: خلیفہ کی تعیین کیلیئے علماء اور مجتہدین صحابہ کرام کے چند افراد کی کمیٹی بنانا جمہوریت پر انتہائی زبردست رد ہے کیونکہ جمہوریت میں "حکمران کا انتخاب" عوام کا حق ہے جبکہ اسلامی نظام میں حکمران کے انتخاب کا حق شوری میں موجود اہل الحل والعقد کو حاصل ہے۔

"البدایۃ والنھایۃ" نے ذکر کیا ھے کہ تقرر عثمان رض کے وقت کچھ لوگوں کو سعد بن ابی وقاص رض نے یہ کہہ کر رخصت کر دیا کہ "اھل الشوری جمع ہو چکا ہے تم جاؤ شوری ہی فیصلہ کریگا۔

پتہ چلاکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تعیین خلیفہ کیلئے عوام کے بجائے چھ بڑے اکابر صحابہ کرام کی کمیٹی کو تشکیل دینا اسلامی طریقے سے خلیفہ کا انتخاب کرنا تھا نہ کہ جمہوری طریقے سے۔

جمہوری طریقہ ہوتا تو باقاعدہ ووٹنگ کی شکل ہوتی ہر مرد عورت سے رایہ لیا جاتا۔ لیکن یوں نہ کیا گیا کیونکہ جمہوریت تھی ہی نہیں۔

اصول مشورہ سے متعلق اسلامی نظام اور جمہوریت میں نمایاں فرق پائے جاتے ہیں مثلا

1)جمہوریت میں ہر کس وناکس مشورہ کا مستحق ہوتا ہے خواہ اسمبلیوں کے اندر ہو یا بذریعہ ووٹنگ، لیکن اسلامی نظام میں مشورہ کی مستحق صرف وہ لوگ ہیں جو اس کے اہل ہوں.

2)جمہوریت میں فیصلہ ووٹوں کی کثرت کی بناء پر کیا جاتا ہے جبکہ اسلامی نظام میں مشورہ کا مقصد اقرب الی الحق دلیل کی تلاش ہوتی ہے، اور پھر آخری فیصلہ امیر مجلس کی صوابدید پر ہوتا ہے

قال تعالی: فاذا عزمت فتوکل علی اللہ " جس میں قلت و کثرت رائے کا کوئی عمل دخل نہیں۔

3)اسلامی نظام میں مشورہ صرف تدبیریں وانتظامی امور میں ہوتا ہے اور وہ بھی کتاب وسنت کی حدود میں رہ کر، جبکہ جمہوریت میں عوام کا لحاظ رکھتے ہوئے ہر چیز کو زیر بحث لایا جاتا ہے.

4)اسلامی نظام میں امام و خلیفہ کا چناؤ اھل الحل و العقد کرتا ہے جبکہ جمہوریت میں زانی، شرابی، ڈاکو، سیکولر، ملحد، کافر اصلی وغیرہ.

میلاد کا جہتِ ثبوت * قسط اول

اہل سنت دیوبند میلاد النبی کے قائل ہیں منکر نہیں:
مسئلہ میلاد کو ہم تین دروس پر تقسیم کرتے ہیں۔
آج کا یہ پہلا درس دو ابحاث پر مشتمل ہیں۔
مبحث اول!
مسئلہ میلاد کے متعلق ایک اہم تمہید۔
مبحث دوم!
علماء دیوبند سے مفاسد سے خالی میلاد کے مستحب اور مستحسن ہونے کا ثبوت۔

مبحث اول:
مسئلہ میلاد کے متعلق ایک اہم تمہید:
دیکھئے! بعض مسائل لوگوں کی وجہ سے دو پہلو اختیار کر لیتے ہیں۔ مثبت اور منفی۔ محققین علماء کرام ان دونوں پہلوؤں کو وضاحت کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔
جیسے کہ تقلید کے مسلے میں بھی ہم مذموم اور محمود دونوں اقسام کو ذکر کرتے ہیں۔ غیر مقلدین تقلید مذموم کے حوالے سے علماءِ کرام کی عبارات پیش کرتے ہیں کہ تقلید جہالت، بدعت، اور شرک ہے جبکہ ہم اہل السنت والجماعت اسکی وضاحت کرتے ہیں کہ تقلید مطلقاً بدعت اور شرک کے زمرے میں نہیں آتا بلکہ تقلید کی دو قسمیں ہیں، تقلید محمود اور تقلید مذموم۔

=÷=

فساق فجار بے دین اور غیر مجتہد کی تقلید حرام ہے جبکہ اہل فن، اہل علم مجتہدین حضرات کی تقلید جائز باعث ثواب اور حکم قرآنی ہے۔

بالکل اسی طرح علماء دیوبند میلاد کے دونوں جانب بیان کرتے ہیں لیکن بدعتیوں کو یہ چیز ہضم نہیں ہوتی۔ بدعتی حضرات کہتے ہیں کہ نہیں تم لوگ اسکی منفی جانب کو بیان کئے بغیر میلاد کی محافل منائیں۔

بدقسمتی سے آج بعض افراد مذہب کو ایک انتقامی تیر کے طور پر استعمال کر رہے ہیں، جب بھی چاہے کسی پر مماتی اور کسی پر وہابی کا لیبل لگا کر انہیں بدنام کیا جاتا ہے۔ مسئلہ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے بھی علماء دیوبند کے ساتھ مخالفین اور حاسدین نے یہی کچھ کیا۔۔۔ کسی نے کہا کہ علماء دیوبند جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر مولود شریف کو بدعت کہتا ہے لہذا یہ گستاخ ہے، کسی نے کہا یہ لوگ وہابی ہے، کسی نے فتویٰ جاڑ کے کہا کہ یہ کے مشرک ہیں۔۔۔ کسی نے کہا کہ اکابر علماء دیوبند میلاد کے قائل تھے جبکہ اصاغر میلاد کے منکر ہیں لہذا یہ لوگ اصل دیوبندی نہیں۔۔۔ حالانکہ یہ سب کچھ علماء دیوبند پر افتراء ہیں۔۔۔ دیکھئے بات سمجھنے کی کوشش کیجئے!

مسئلہ میلاد یا ذکر مولود شریف کسی بھی زمانے میں علماء دیوبند کے درمیان اختلافی نہیں رہا ہے۔۔۔ یہ ایک اتفاقی مسئلہ ہے لیکن جہتیں اسکی دو ہیں۔

اگر مفاسد سے خالی ہو تو تمام اہل السنت علماء دیوبند کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ مستحب اور مستحسن عمل ہے۔

اور اگر مفاسد پر مشتمل ہو تو تمام علماء دیوبند اس پر متفق ہے کہ یہ ناجائز اور حرام ہے۔

جن اکابر حضرات نے جائز کہا ہے تو انہوں نے مفاسد سے پاک مولود شریف کے پیش نظر کہا ہے۔

اور جن حضرات نے بدعت اور حرام کہا ہے انہوں نے مفاسد کو مدنظر رکھتے ہوئے حرمت اور بدعت کا قول نقل کیا ہے.

مبحث دوم!

علماء دیوبند سے مفاسد سے پاک میلاد کے مستحب اور مستحسن ہونے کا ثبوت:

حوالہ نمبر 1

محقق العصر علامہ عبد الشکور لکھنوی فرماتے ہیں بعض جہلاء نے یہ مشہور کر رکھا ہے کہ مسلمانوں کا کوئی گروہ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر مولد شریف کو بدعت کہتا ہے میرے خیال میں وہ مسلمان، مسلمان ہی نہیں جو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے تذکرے کو منع کرے یا برا بھلا کہے۔(علامہ عبد الشکور لکھنوی حیات و خدمات، ص600)

حوالہ نمبر 2

امام اہل سنت، قاطع شرک و بدعت شیخ سرفراز خان صفدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ محفل میلاد کا عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں کہ!

اس میں شک و شبہ کی ادنی گنجائش بھی نہیں ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشق و عقیدت اور محبت عین ایمان ہے آپ کی ولادت سے لے کر وفات تک زندگی کے ہر شعبہ کے صحیح حالات و واقعات اور آپ کے اقوال و افعال کو پیش کرنا باعث نزول رحمت خداوندی ہے اور ہر مسلمان کا یہ فریضہ ہے کہ وہ آپ کی زندگی کے حالات کو معلوم کرے اور مشعل راہ بنائے۔ سال کے ہر مہینہ میں اور مہینے کے ہر ہفتہ میں اور ہر ہفتے کے ہر دن میں اور دن کے ہر گھنٹہ اور منٹ میں کوئی وقت ایسا نہیں جس میں آپ کی زندگی کے حالات بیان کرنے اور سننے ممنوع ہو یہ بات محل نزاع نہیں ہے (یعنی اس بات میں اختلاف نہیں)

(راہ سنت پی ڈی ایف صفحہ نمبر 169 /160 باب ہفتم)

حوالہ نمبر 3

عرب وعجم سے تصدیق شدہ، علماءِ دیوبند کی مشہور زمانہ اور متفقہ کتاب "المہند والمفند" میں عرب شیوخ کا سوال اور علماء دیوبند کا جواب یوں لکھا ہوا ہے۔

السُّوالُ الواحدُ والعشرونَ

اتقولون اِنّ ذِکرَ ولادتِهِ صلى الله عليه وسلم مُستَقْبَحٌ شرعاً من البِدْعاتِ السيّئةِ المُحَرّمَةِ ام غيرَ ذلک.

اکیسواں سوال:

کیا آپ اس بات کے قائل ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ کی ولادت باسعادت کا تذکرہ شرعاً قبیح بدعت سئیہ و حرام ہے؟ یا آپ کا نظریہ کچھ اور ہے؟

الجواب

حاشا اَنْ يقولَ اَحَدٌ من المسلمين فضلاً اَنْ نقولَ نحن اِنّ ذِكرَ ولادته الشريفةِ عليه الصلاةُ والسلامُ بَلْ وذكرَ غُبارِ نِعاله وبولِ حماره صلى الله عليه وسلم مستقبحٌ من البدعات السيئةِ المُحَرّمَةِ فالاحوالُ التى لها ادني تعلُقٍ برسولِ الله صلى الله عليه وسلم ذكرُها مِنْ احبِّ المندوبات واعلى المستحبّات عندنا سواءٌ كان ذكرُ ولادته الشريفةِ او ذكرُ بولِه وبرازه وقيامِهِ وقعودِهِ ونومِه ونبهتِه كما هو مُصَرّحٌ في رسالتنا المُسمّاةِ بالبراهين القاطعةِ فى مواضعَ شتّى منها وفى فتاوى مشايخِنا رحمهُمُ الله تعالى كما فى فتاوى مولانا المحَدّثِ السهارنفوري تلميذِ الشّاه محمد اسحاق الدهلوىّ ثم المهاجرِ المكيِ نَنْقُلُهُ مترجمًا لتكون نُمونةً عن الجميع

جواب:

خدا کی پناہ! ہم تو کیا کوئی مسلمان بھی ایسا نہیں کہہ سکتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کا ذکر بلکہ آپ کے نعلین کے غبار اور سواری کے بول کا تذکرہ قبیح بدعت سئیہ یا حرام ہے بلکہ ہمارا نظریہ تو یہ ہے کہ وہ تمام احوال جن کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات سے ادنیٰ سا تعلق بھی ہے ان کا تذکرہ کرنا ہمارے نزدیک انتہائی پسندیدہ اور اعلیٰ درجہ کا مستحب ہے خواہ ذکر ولادت شریفہ ہو یا آپ کے بول وبراز، نشست وبرخاست اور بیداری خواب کا تذکرہ ہو جیسا کہ ہماری کتاب "براھین قاطعہ" میں کئی مقامات پر صراحتاً موجود ہے اور ہمارے مشائخ کے فتاویٰ مثلاً مولانا احمد علی سہارنپوری شاگرد رشید شاہ محمد اسحاق دہلوی ثم المہاجر المکیہ فتاویٰ میں مذکور ہے ہم اس جگہ مولانا احمد علی سہارنپوری رحمہ اللہ کا فتویٰ عربی میں ترجمہ کرکے نقل کرتے ہیں تاکہ پتہ چل جائے کہ اس بارے میں ہمارے اسلاف کا کیا عقیدہ ہے۔

سُئِلَ ھو رحمہ اللہ عن مجلس المیلاد بأیِّ طریقٍ یجوز وبأیِّ طریق لایجوز؟ فأجاب بِأنّ ذکرَ الولادۃِ الشریفۃِ لسیّدنا رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بروایاتٍ صحیحۃٍ فی اوقاتٍ خالیۃٍ عن وظائفِ العباداتِ الواجبۃِ وبکیفیّاتٍ لم تکُنْ مخالِفۃً عن طریقۃِ الصحابۃِ واھل القرونِ الثلاثۃِ والمشھودِ لھا بالخیر وبالاعتقاداتِ التی غیرُ موھمۃٍ بالشرکِ والبدعۃِ وبالآدابِ التی لم تکن مخالِفۃً عن سیرۃِ الصحابۃِ التی ھی مِصْداقُ قولِہِ علیہ السلام "ما انا علیہ واصحابی" وفی مجالسٍ خالیۃٍ عن المُنکراتِ الشرعیۃِ مُوجِبٌ لّلخیر والبرکۃِ بشرطِ ان یکونَ مَقرونًا بِصِدقِ النیّۃِ والاخلاصِ واعتقادِ کونِہِ داخلاً فی جُملۃِ الاذکارِ الحَسَنَۃِ المندوبۃِ غیر مقیّدٍ بوقتٍ من الاوقاتِ فاذا کان کذٰلک لا نَعلمُ احداً المسلمینَ انْ یَحکُمَ علیہ بِکونہ غیرَ مشروعٍ او بدعۃٍ إلی آخر الفتوٰی.

مولانا رحمہ اللہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے تذکرہ کی مجلس کے متعلق سوال کیا گیا کہ یہ جس طریقے سے جائز ہے اور کس طریقے سے ناجائز؟ تو مولانا نے جواب دیا "سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کی ولادت شریفہ کا ذکر خیر وبرکت کا باعث ہے جبکہ صحیح روایات کو ایسے اوقات میں بیان کیا جائے جن میں کوئی واجب عبادت نہ ہو، ان۔ کیفیات کے ساتھ جو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور ان اہل قرونِ ثلاثہ کے طریقے کے خلاف نہ ہو جس کے خیر ہونے کی گواہی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے، ایسے عقائد کا بیان ہو جن سے شرک اور بدعت کا خدشہ نہ ہو، ان آداب کو بجالایا جائے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اس سیرت کے مخالف نہ ہو جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان "ما انا علیہ واصحابی" کی مصداق ہے اور یہ مجالس منکرات شرعیہ سے پاک بھی ہوں بشرطیکہ ذکر ولادت صدقِ نیت، اخلاص اور اس عقیدہ سے کیا جائے کہ یہ بھی جملہ اذکار حسنہ میں سے ایک ذکر حسن ہے جو کسی خاص وقت کے ساتھ مخصوص نہیں۔ جب ذکر ولادت اس طرح ہو گا تو ہمارے خیال میں کوئی مسلمان بھی اس کے غیر مشروع یا بدعت ہونے کا فتویٰ نہ دے گا۔" الخ

فَعُلِمَ من هذا انّا لا نُنْكِرُ ذكرَ ولادته الشريفةِ بل نُنْكِرُ علىٰ الامور المُنكَرَةِ كما شَفَتُّمُوها فى المجالس المولوديّةِ التى فى الهند من ذكر الروايات الواهيّةِ والموضوعةِ واختلاط الرجالِ والنساءِ والاسراف فى ايقاد الشُموع والتَزْيينات واعتقادِ كونِهِ واجباً بالطعنِ والسَّبِّ والتكفير على من لم يَحْضُرْ معهم مَجْلِسَهم وغيرها من المُنكَرات الشرعيةِ التى لايكاد يُوجدُ خاليًا منها فلو خلا من المُنكَرات حاشا ان نقول اِنّ ذِكرَ الولادةِ الشريفةِ مُنكَرٌ وبدعةٌ.

وكيف يظُنُّ بمُسلمٍ هذا القولُ الشّنِيعُ فهذا القولُ علينا ايضا من افتراءاتِ الملاحِدةِ الدّجّالينَ الكذّابينَ. خذَلَهُمُ اللهُ تعالى برًّا وبَحْرًا وسهلاً وجبلاً.

اس فتویٰ سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ولادت شریفہ کے تذکرہ کے منکر نہیں بلکہ ان ناجائز امور کے منکر ہیں جو اس طرح کی مجالس میں شامل ہو گئے ہیں جیسا کہ ہندوستان کی مجالس مولود میں آپ نے خود دیکھا ہے کہ موضوع اور من گھڑت روایات بیان کی جاتی ہیں، مردوں عورتوں کا اختلاط ہوتا

ہے، چراغاں اور دوسری زیب وزینت پر فضول خرچی کی جاتی ہے، اس مجلس کو واجب سمجھا جاتا ہے اور جو شخص اس میں شریک نہ ہو اس پہ طعنے کس کے کفر کا فتویٰ لگایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی بے شمار منکرات ہیں جن سے شاید ہی کوئی مجلس خالی ہو۔ اگر مجلس میں یہ منکرات نہ ہوں تو اللہ کی پناہ کہ ہم یوں کہیں کہ ولادت شریفہ کا ذکر کرنا ناجائز اور بدعت ہے۔

نیز کسی مسلمان کے بارے میں کیسے گمان کیا جاسکتا ہے کہ اس نے ایسی بری بات کی ہے؟

خلاصہ یہ ہے کہ یہ بات بھی جھوٹے ملحد دجال لوگوں کی طرف سے ہم پر بہتان ہے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو رسوا کرے اور خشکی وتری اور نرم وسخت زمین میں ان پر غضب فرمائے۔

(المہند المفند صفحہ 64 اکیسواں سوال کا جواب)

حوالہ نمبر4

اس سے بعض لوگ اس غلط بات کی طرف چلے جاتے ہیں، گویا کہ ہم ذکر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو منع کرتے ہیں۔ نعوذ باللہ! ثم نعوذ باللہ! نفسِ ذکر میلاد فخر عالم علیہ السلام کو کوئی منع نہیں کرتا؛ بلکہ ذکرِ ولادت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مثل ذکر دیگر سیر و حالات کے مندوب ہے۔(البراہین القاطعة علی ظلام انوار الساطعة:۱۴)

حوالہ نمبر5

اس پوری تفصیل سے واضح ہو گیا کہ محفلِ میلاد میں کوئی تاریخ معین اور ضروری نہ سمجھی جائے، شیرینی کو ضروری نہ سمجھا جائے، ضرورت سے زیادہ روشنی نہ کی جائے، غلط روایات نہ پڑھی جائیں، نظم پڑھنے والے بے ریش نہ ہوں، اور گانے کی طرح نہ پڑھیں، اسی طرح دوسری بدعات سے خالی ہو، تو مضائقہ نہیں۔ (امداد الفتاویٰ:۲۴۹/۵، ونظام الفتاویٰ، حصہ دوم:۱۶۵/۱، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، دیوبند)

=÷=

ان تمام حوالہ جات سے یہ بات واضح ہو گئی کہ ہم اہل سنت دیوبند میلاد کے منکر نہیں بلکہ ہم اسے قائل ہیں لہذا اہل بدعت نے اپنے خرافات کو رواج دینے کے لیے اور پیٹ پوجا کے چکر میں ہم پر یہ الزام لگایا کہ ہم اہل سنت دیوبند میلاد کے منکر ہیں۔

ان شاء اللہ آنے والے کلپ میں علماء دیوبند کے عبارات کی روشنی میں مسئلہ میلاد کے منفی اور بدعی جانب کو مد نظر رکھتے ہوئے انتہائی اہم بحث کیا جائے گا۔

=÷=

مروجہ میلاد النبی / دوسری قسط

آج کے اس درس میں مروجہ عید میلاد النبی کے متعلق علماء دیوبند کا نظریہ و خیال زیر بحث لائینگے۔

پچھلے درس میں وضاحت کے ساتھ ہم اس بات کو بیان کر چکے کہ علماء دیوبند کے نزدیک نفسِ میلاد (جو مفاسد اور قیودات سے پاک ہو) اعلیٰ درجے کی پسندیدہ مندوب مستحسن اور مستحب عمل ہے۔

علماء دیوبند ایسی محافل پر نہ تو رد کرتے ہیں اور نہ ان سے لوگوں کو روکتے ہیں۔۔۔ جیسے کہ پورے سال سیرت النبی کے نام سے کانفرنسیں منعقد ہوتی رہتی ہے علماء دیوبند اس میں خود ہی شریک ہوتے ہیں۔

البتہ مروجہ جشن عید میلاد النبی جو سر تا پا خرافات اور بدعات کا مجموعہ ہو یہ علماء دیوبند کے نزدیک بدعت اور حرام ہے۔

دراصل میلاد کے اندر جو باتیں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے خلاف ہیں، علماء دیوبند ان پر رد کر کے ان سے لوگوں کو روکتے ہیں اگرچہ بذاتِ خود وہ باتیں اچھی ہی کیوں نہ ہوں، شریعت میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔

دیکھئے! اس بات پر تمام علماء کرام کا اتفاق ہے کہ عین دوپہر کے وقت نماز پڑھنا مکروہ ہے، اور اس بات پر بھی کہ قبلہ رو ہوئے بغیر نماز پڑھنا منع ہے، اور اس پر بھی ساری امت کا اتفاق ہے کہ محرم کے مہینے میں حج نہیں ہو سکتا اور حج کرنے کی جگہ صرف مکہ مکرمہ ہے، کراچی میں حج نہیں ہو سکتا۔

دیکھئے! نماز، روزہ، حج سب فرائض ہیں، لیکن چونکہ ان کی آدائیگی شریعت کے بتائے ہوئے طریقے کے خلاف ہوئی ہے، اس لئے یہ ناجائز ہوگئے اور ان کے ناجائز ہونے کو فریق مخالف بھی مانتے۔ لہذا اگر کوئی شخص ایسی نماز، روزہ اور حج وغیرہ سے منع کرے گا، تو اس کو کوئی عقلمند انسان یوں نہ کہے گا کہ یہ آدمی نماز، روزہ حج سے منع کرتا ہے۔

اسی طرح میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مسئلہ کو لے لیجئے کہ مفاسد وقیودات سے پاک ہو تو جائز ورنہ مروجہ جشن عید میلاد النبی بدعت اور حرام ہے۔

دراصل علماء دیوبند کہتے ہیں کہ ہر چیز کو کرنے کا ایک طریقہ ہوتا ہے، جب وہ چیز اسی طریقے سے انجام دی جائے گی تو وہ درست اور صحیح ہو گی۔ ورنہ درست نہ ہو گی۔

مروجہ مفاسد پر مشتمل عید میلاد النبی کے متعلق علماء دیوبند کا خیال ونظریہ کیا ہے؟

جشن عید میلاد النبی کے متعلق علماءِ دیوبند کا نظریہ:

یاد رہے! مفاسد پر مشتمل میلاد صرف علماء دیوبند کے نزدیک بدعت نہیں بلکہ اس پر تمام اہل السنت متفق ہیں، اس لئے پہلے چند ان علمائے کرام کی عبارات پیش کرتے ہیں جو دیوبند سے پہلے گزر چکے ہیں بعد میں علماء دیوبند کے عبارات کی طرف آتے ہیں۔

(1) علامہ ابن امیر الحاج مالکی لکھتے ہیں۔

ومن جملة ما احدثوه من البدع مع اعتقادہم ان ذلک من اکبر العبادات واظہار الشعائر مایفعلونه فی الشہر الربیع الأول من المولد وقد احتوی ذلک علی بدع ومحرمات۔۔۔۔۔لأن ذلک زیادۃ فی الدین ولیس من عمل السلف الماضیین۔(المدخل جلد 1 ص 85)

یعنی ان بدعات میں سے جو لوگوں نے اس اعتقاد سے قائم کر رکھی ہیں کہ یہ بڑی عبادات ہیں اور شعائر اسلام کا اظہار ہیں یہ وہ عمل ہے جس لوگ ربیع الاول میں آپ علیہ السلام کی پیدائش پر کرتے ہیں اور اب یہ کام بہت سی بدعات اور ممنوعات پر مشتمل ہو گیا ہے۔۔۔۔۔یہ سب دین میں زیادتی ہے اور اس پر سلف صالحین کا عمل ثابت نہیں۔

(2) حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مکتوبات میں لکھتے ہیں کہ!

اگر فرضاً حضرت ایشان (صلی اللہ علیہ وسلم) درین آوان در دنیا زندہ بودے واین مجالس واجتماع منعقد میشد. آیا باین امر راضی میشودند واین اجتماع را می پسندید یا نہ. یقین فقیر آنست کہ ھرگز این معنی را تجویز نمی فرمودند بلکہ انکار می نمودند الخ... (مکتوبات مجدد الف ثانی. حصہ 5 ص 22)

یعنی بالفرض اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب اس دور میں دنیا میں تشریف لے آئیں تو وہ محافل جو (آج کل) منعقد ہوتے رہتے ہیں کیا اس سے راضی ہونگے اور کیا اس کو پسند کرینگے کہ نہیں؟

فرماتے ہیں کہ فقیر کا یقین یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی بھی اس طرح کی محافل کو پسند نہ کرتے بلکہ ہوتے تو ایسے محافل سے منع فرماتے۔

(3) حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے بھی ان محافل کا سختی سے نوٹس لیا ہے جو اہل بدعت نے ان محفلوں میں قائم کرر کھی تھیں۔ لکھتے ہیں کہ:

ولا یزال اھل الاسلام یحتفلون بشھر مولدہ صلی اللہ علیہ وسلم..... ولقد اطنب ابن الحاج فی المدخل فی الانکار علی ما احدثہ الناس من البدع والاھواء والغنا ، بالات المحرمۃ عند عمل المولد الشریف فان اللہ تعالیٰ یثیبہ علی قصدہ الجمیل و یسلک بنا سبیل السنۃ. (ماثبت السنۃ ۷۹)

یعنی اہل اسلام ربیع الاول میں ایسی محفلیں کرتے چلے آرہے ہیں اور علامہ ابن امیر الحاج نے المدخل میں بڑی تفصیل سے ان بدعات کارد کیا ہے جو لوگوں نے اس میں پیدا کرلی ہیں وہ خواہشات کے درپے ہوئے اور حرام کردہ آلات سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ولادت پر گانے لگے۔ سو اللہ تعالیٰ علامہ ابن امیر الحاج کو اپنے اس نیت

پر اجر جمیل عطاء فرمائے اور ہمیں سبیل سنت پر چلائے وہ ہمیں کافی ہے اور بہت اچھا کارساز ہے۔

((4)حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ بھی دونوں جانب ذکر کرتے ہیں کہ:
ذکر ولادت شریف نبوی صلی اللہ علیہ وسلم مثل دیگر اذکار خیر کے ثواب اور افضل ہے اگر بدعات سے اور قبائح سے خالی ہو اس سے بہتر کیا ہے..... اسی سے متصل آج کل کے مروجہ میلاد کے متعلق لکھتے ہیں کہ۔

البتہ جیسا ہمارے زمانے میں قیودات وشنائع کے ساتھ مروج ہے اس طرح بے شک بدعت ہے اور بوجوہ ذیل ناجائز۔

اولاً یہ کہ اکثر مولود خواں جاہل ہوتا ہے اور روایتیں اکثر غلط اور موضوع بیان کرتا ہے اور سب قاری وسامعین تحت وعید "من كذب على متعمدا فليتبوأ مسوده من النار(الحدیث) داخل ہوتے ہیں،

ثانیاً، یہ کہ اہتمام اس کا مثل اہتمام ضروریات دین کے بلکہ زیادہ کرتے ہیں، کہیں قالین وفروش کہیں چوکی ومسند کہیں شامیانہ کہیں گلاب پاش کہیں قندیل وفانوس، کہیں جھاڑ، چمنی گلاس، کہیں لوبان سلگھا اور بہت سے امور غیر ضروری کو ضروری سمجھتے ہیں، اور بغیر ان سامانوں کے مولود کرنے کو خالی پھیکا سمجھتے ہیں، ان چیزوں میں ناحق اسراف بیجا ہوتا ہے، ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین۔ ثالثاً۔ یہ کہ تعیین وتقیید روزِ ولادت کو ضروری سمجھتے ہیں، کہ اور کسی دن مولود میں فضیلت نہیں ہے۔ غیر مقید کو مقید سمجھنا اور غیر ضروری کو ضروری جاننا بدعت قبیحہ سے ہے۔
(امداد الفتاویٰ جلد پنجم ص258)

(5)فتاویٰ رشیدیہ میں فقیہ العصر مولانا مفتی رشید احمد گنگوہی صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:
مجلس مولود مروجہ بدعت ہے بسبب خلط مکروہہ کے مکروہ تحریمہ ہے۔۔۔۔۔چند سطر بعد لکھتے ہیں کہ:

عقد مولود اگرچہ اس میں کوئی امر غیر مشروع نہ ہو مگر اہتمام و تداعی اس میں بھی موجود ہے لہذا اس زمانہ میں درست نہیں و علی ھذا عرس کا جواب ہے بہت اشیاء ہیں کہ اول مباح تھیں پھر کسی وقت میں منع ہو گئیں مجلس عرس و مولود بھی ایسا ہی ہے۔

(فتاویٰ رشیدیہ، کتاب البدعات، ص255)

(6) علامہ انور شاہ کشمیری صاحب رحمہ اللہ موجودہ دور کے میلاد النبی کے متعلق فرماتے ہیں کہ

المولود الذي شاع في هذا العصر و أحدثه صوفي في عهد سلطان إربل سنة (600)، ولم يكن له أصل من الشريعة الغراء،

(العرف الشذي شرح الترمذي جلد2 ص38)

یعنی مولود جو آج کل ہمارے زمانے میں رائج ہے یہ جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے چھ سو سال بعد اربل بادشاہ کے دور میں ایک صوفی نے ایجاد کیا، اور اس کیلئے شریعت مطہرہ میں کوئی اصل نہیں ہے.

(7) فتاویٰ دار العلوم دیوبند میں ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں کہ!

یہ جلسے بحالت موجودہ بالکل بدعت اور بہت سے منکرات شرعیہ پر مشتمل ہیں اور آئندہ کے لئے جو خطرات سوال میں ظاہر کیے گئے ہیں قریب الوقوع معلوم ہوتے ہیں باقی رہا یہ سوال کہ ان جلسوں میں کچھ منافع تبلیغ احوال سیرت وغیرہ موجود ہیں سو یہ منافع ضرور موجود ہے بلکہ شاید اس دنیا میں کوئی بد سے بدتر فعل بھی نہ نکلے جس سے کوئی منافع حاصل نہ ہوا ہو لیکن شریعت ایسے منافع کے حق میں بھی یہی فیصلہ صادر کرتی ہے کہ (**اثمهما اكبر من نفعهما**) یعنی ان کا گناہ ان کے نفع سے زیادہ ہے اس لئے سرے سے ان جلسوں کی شرکت و اہتمام و التزام بدعت ہے جس کا ترک ضروری ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند جلد1 ص163)

=÷=

(8) فتاویٰ محمودیہ میں بھی صراحت کے ساتھ دونوں صورتیں لکھی ہوئی ہے لکھتے ہے کہ!
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک خواہ ذکر ولادت ہو یا عبادات، معاملات، جہاد، شب وروز کے نشست وبرخاست کا ذکر ہو بلاشبہ باعثِ ثواب، موجب خیر وبرکت ہے۔ مگر مجلس میلاد مروجہ طریق پر بے اصل خلافِ شرع اور بدعت ہے، بہت قبائح اور منکرات پر مشتمل ہوتی ہے۔ ابن امیر حاج نے المدخل میں جلد2 میں 23 صفحات میں اس کے مفاسد کو شمار کیا ہے۔
(فتاویٰ محمودیہ ج3 ص165)

(9) فقیہ العصر مفتی فرید احمد صاحب لکھتے ہیں کہ. مولود شریف اگر تبلیغی اجتماع کا نام ہو تو جائز ہے۔ اور اگر ذکر ولادت کا نام ہو تو بذات خود ایک بڑی عبادت ہے، لیکن عوارض خارجہ، اسراف، امارد کی نعت خوانی، خطرہ اعتقاد حاضر ناضر کی وجہ سے یہ موجودہ مروجہ مجالس منعقد کرنا ممنوع ہے۔ فقط قال ابن عابدین لو دعی الی دعوة فالواجب الاجابة ان لم یکن هناک معصیة ولا بدعة والامتناع اسلم فی زماننا الا اذا علم یقینا ان لا بدعة ولا معصیة والظاهر حمله علی غیر الولیمة لما مر وفی التقریرات الرافعی ص ۳۰۶ لا یظهر هذا لحمل بل الظاهر حمله علی عمومه.
(ردالمحتار ص ۲۴۵ جلد ۵ کتاب الحظر والاباحة/بحواله. فتاوی فریدیه ج۱ ص ۳۱۸)

(10) فتاویٰ حقانیہ میں مروجہ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

ہمارے نزدیک محققین علماء کرام کی تصریحات کے پیش نظر عید میلاد کے نام سے جو مجلسیں منعقد ہوتی ہیں اور جن کو آج کل کے علماء اور جہلاء سب سے بہترین عبادت اور کار خیر جانتے ہیں بدترین قسم کی بدعت ہے۔

(فتاویٰ حقانیہ جلد2ص92)

(11)شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک سوال کے جواب میں میلاد کی دونوں جانب انتہائی اعتدال کے ساتھ لکھتے ہیں کہ:

مسئلے کی وضاحت کیلئے چند امور ملحوظ رکھئے!

اول۔۔۔اس میں نہ تو کوئی شک وشبہ ہے نہ اختلاف کی گنجائش کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکار مقدس اعلیٰ ترین مندوبات میں سے ہے اور اس میں بھی شبہ نہیں کہ میلاد کے نام سے جو محفلیں سجائی جاتی ہیں ان میں بہت سی باتیں ایسی ایجاد کرلی گئی ہیں جو حدود شرع سے متجاوز ہیں یعنی مروجہ میلاد دو چیزوں کا مجموعہ ہے ایک مستحب ومندوب، یعنی تذکار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم،

دوم وہ خلاف شرع خرافات جو اس کے ساتھ چسپاں کردی گئی ہیں اور جن کے بغیر میلاد کو میلاد ہی نہیں سمجھا جاتا، گویا ان کو "لازمہ میلاد" کی حیثیت دے دی گئی ہے۔

دوم۔۔۔جو چیز اپنی اصل کے اعتبار سے مباح یا مندوب ہو، مگر عام طور سے اس کے ساتھ قبیح عوارض چسپاں کرلئے جاتے ہوں، اس کے بارے میں کیا طرز عمل اختیار کرنا چاہیے؟اس میں ذوق کا اختلاف ایک فطری چیز ہے، جس کی نظر نفس مندوب پر ہوگی اس کا ذوق یہ فیصلہ کرے گا کہ ان عوارض سے تو بے شک احتراز کرنا چاہیے، مگر نفس مندوب کو کیوں چھوڑا جائے، بخلاف اس کے جس کی نظر عوام کے جذبات ورجحانات پر ہوگی اس کا فتویٰ یہ ہوگا کہ خواص تو ان عوارض سے بلاشبہ احتراز کریں گے، لیکن عوام کو ان عوارض سے روکنا کسی طرح ممکن نہیں، اس لئے عوام کو اس سیلاب سے بچانے کی یہی صورت ہے کہ ان کے سامنے بند باندھ دیا جائے، یہ دونوں ذوق اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں، اوران کے

درمیان حقیقی اختلاف نہیں، کیونکہ جو لوگ جواز کے قائل ہیں وہ نفس مندوب کے قائل ہیں، خلاف شرع عوارض کے جواز کے وہ بھی قائل نہیں، اور جو عدم جواز کے قائل ہیں وہ بھی نفس مندوب کو ناجائز نہیں کہتے، البتہ خلاف شرع عوارض کی وجہ سے ناجائز کہتے ہیں۔

سوم۔۔۔اس ذوقی اختلاف کے رونما ہونے کے بعد لوگوں کے تین فریق ہو جاتے ہیں:

ایک فریق تو ان بزرگوں کے اقوال و فعل کو سند بنا کر اپنی بدعات کے جواز پر استدلال کرتا ہے۔

دوسرا فریق خود ان بزرگوں کو مبتدع قرار دے کر ان پر طعن و ملامت کرتا ہے۔

اور تیسرا فریق کتاب وسنت اور ائمہ مجتہدین کے ارشادات کو سند اور حجت سمجھتا ہے، اور ان کے بزرگوں کے قول و فعل کی ایسی توجیہ کرتا ہے کہ ان پر طعن و ملامت کی گنجائش نہ رہے، اور اگر بالفرض کوئی توجیہ سمجھ میں نہ آئے تب بھی یہ سمجھ کر کہ یہ بزرگ معصوم نہیں ہیں ان پر زبان طعن دراز کرنے کو جائز نہیں سمجھتا، پہلے دونوں مسلک افراط و تفریط کے ہیں اور تیسرا مسلک اعتدال کا ہے۔

ان امور کے بعد گزارش ہے کہ حضرت حاجی صاحب نور اللہ مرقدہ کے فعل سے اہل بدعت کا استدلال غلط ہے، کیونکہ ہماری گفتگو "میلاد" کے ان طریقوں میں ہے جن کا تماشا دن رات اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔اس میلاد کو تو حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ بھی جائز نہیں کہتے، اور جس کو حاجی صاحب رحمہ اللہ جائز کہتے ہیں وہ اہل بدعت کے ہاں پایا نہیں جاتا، اس کی مثال بالکل ایسی ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی کہتا ہے کہ "مسیح موعود" کا آنا مسلمان ہمیشہ مانتے آئے ہیں اور میں "مسیح موعود" ہوں لہذا قرآن وحدیث کی ساری پیشگوئیاں میرے حق میں ہیں، پس اگر مرزا قادیانی قرآن وحدیث والا "مسیح موعود" نہیں اور اس کا قرآن وحدیث کو اپنی ذات پر چسپاں کرنا غلط ہے تو ٹھیک اسی طرح اہل بدعت کے ہاں بھی حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ والا "میلاد" نہیں، اس لئے حضرت رحمہ اللہ کے قول و فعل کو اپنے "میلاد" پر چسپاں کرنا محض مغالطہ ہے۔

بہر حال صحیح اور اعتدال کا مسلک وہی ہے جو حضرات اکابر اکابر دیوبند نے اختیار کیا کہ نہ ہم مروجہ میلاد کو صحیح کہتے ہیں اور نہ ہی ان اکابر کو مبتدع کہتے ہیں۔

(آپ کے مسائل اور ان کا حل جلد اول ص447)

=÷=

بدعات سے پاک میلاد کے متعلق علماء دیوبند کا نظریہ / تیسری قسط:

ایک اشکال انتہائی کثرت سے کیا جاتا ہے کہ: نفس محفل میلاد جب (مفاسد اور قیودات سے پاک ہو) علماء دیوبند کے نزدیک مستحب ہے تو آخر علماء دیوبند ماہ ربیع الاول میں شان وشوکت اور اہتمام کے ساتھ اس کو مناتے کیوں نہیں؟

مذکورہ اشکال کا جواب چار قسم کے قواعد اور وجوہات پر مبنی ہیں۔

جواب: پہلی وجہ:

دیکھئے: دیوبند کسی فرد واحد کے نظریے کا نام نہیں، بلکہ دیوبند اس وقت عالمگیر اور آفاقی نظریے کی شکل اختیار کر چکی ہے، آج عرب وعجم کے بے شمار افراد دیوبندی نظر وفکر سے استفادہ کر رہے ہیں۔

اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ نفسِ میلاد جو مفاسد وقیودات سے پاک ہو علماء دیوبند کے نزدیک مستحب اور مستحسن ہے۔ لیکن اگر علماء دیوبند اس مستحب عمل کو ہر سال شان وشوکت کے ساتھ ماہ ربیع الاول میں منائے تو ان کو دیکھتے ہوئے لوگ ان کی اتباع میں اس مستحب عمل کو واجب اور فرض کے درجہ تک لے جائینگے۔۔۔۔ بیہچیانہ کرنے والوں پر گستاخ، تضلیل، یفسیق اور تکفیر جیسے فتوے لگ جائینگے۔

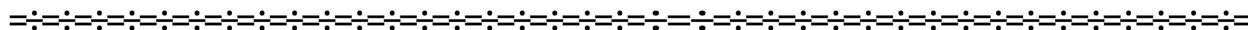
علماء دیوبند والے دور اندیش اور وسیع فکر کے مالک ہیں،

یہ حضرات جس طرح ہر کام کی ابتداء کو دیکھتے ہیں بالکل اسی طرح اس کام کی انتہاء، انجام اور ثمرات کو بھی مد نظر رکھتے ہیں۔

علماء دیوبند کے دور اندیشی اور وسیع فکر کے متعلق ایک دلچسپ واقعہ ملاحظہ فرمائیں۔

خلافت عثمانیہ کے دور میں فلسطین اس کا ایک صوبہ تھا، یہودیوں کو اس خطے میں زمین خریدنے اور مستقل سکونت اختیار کرنے کی اجازت نہیں تھی۔

مگر جب پہلی جنگ عظیم میں جرمنی اور خلافت عثمانیہ کو شکست ہوئی، تو انگریزوں نے خلافت عثمانیہ کو ٹکڑوں پر تقسیم کیا، فلسطین پر برطانیہ نے قبضہ کیا تو ایک منصوبے کے تحت یہودیوں کو دنیا کے مختلف



حصوں سے وہاں لایا گیا، خلافت عثمانیہ کے نافذ کردہ اس قانون کو تبدیل کر دیا گیا جس کے تحت یہودی فلسطین میں زمین خرید کر آباد ہونے کے مجاز نہیں تھے۔اس قانون کے خاتمے کے بعد دنیا بھر سے یہودیوں نے وہاں آکر مہنگے داموں زمینیں خریدنا شروع کیا اور اپنی آبادی بڑھانے کی مہم چلائی۔

فلسطین کے بعض غیور عوام نے فلسطین سے باہر علماء کرام سے استفتاء کیا، کہ کیا یہود پر فلسطین کی زمین فروخت کرنا جائز ہے کہ نہیں؟

بعض عرب شیوخ نے فتویٰ دیا کہ اہل کتاب کے ساتھ خرید و فروخت جائز ہے اس میں کوئی مشکل نہیں جبکہ علماء دیوبند میں مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمہ اللہ اور حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے فلسطین کے مفتی اعظم الحاج امین الحسینی کے فتویٰ کی تائید کرتے ہوئے کہا کہ فلسطین کی زمین یہودیوں پر فروخت کرنا شرعاً جائز نہیں ہے

تو دنیا جہان کے شیوخ حیران رہ گئے کہ یہ آخر کس طرح فتویٰ علماء دیوبند نے دیا، فقہ کی کتب میں تو صاف لکھا ہوا ہے کہ اہل کتاب کے ساتھ خرید و فروخت جائز ہے۔علماء دیوبند نے جواب دیا کہ یہود فلسطین کی زمین خریدنے کے بہانے فلسطین میں آبادی بڑھا کر اسے اس حد تک لانا چاہتے ہیں کہ فلسطین اور بیت المقدس پر پر قبضہ کر سکیں۔۔۔۔۔اور بالآخر وہی کچھ ہوا جس کا ابتداء ہی میں علماء دیوبند نے خدشہ پیش کیا تھا۔

آج اسرائیل پوری امت مسلمہ کے لئے درد سر بنا ہوا ہے۔

کاش اُسوقت اہل فلسطین غیرت و حمیت کا مظاہرہ کرتے تو آج یہ زلت کے ایام نہ دیکھنے پڑتے۔

بہر حال مقصد کی طرف آتا ہوں، علماء دیوبند اسی وجہ سے مفاسد سے پاک مستحب میلاد کو نہیں مناتا تا کہ کل عوام اس مستحب کو وجوب کا درجہ نہ دیدے، جبکہ دین اسلام میں کسی امر شرعی کو اپنی حیثیت سے زیادہ درجہ دیدینا ناجائز ہے، جیسے کہ الدر المختار میں آتا ہے۔

=÷=

سَجْدَۃُ الشکرِ مستحبۃٌ بہ یُفْتیٰ، لکنُّھاتُکْرَہُ بعدَالصلوۃِ بِأَنّ الجَھَلَۃَ یَعتَقِدُونھا سُنۃً او واجبۃً، وکلُّ مباحٍ یؤدی الیہ فھو مکروہ.

(الدر المختار، ج۱)

یعنی سجدہ شکر واجب ہے۔ اسی پر فتویٰ ہے لیکن نمازوں کے بعد مکروہ ہے کیونکہ جاہل لوگ اس کو سنت یا واجب سمجھ بیٹھیں گے اور ہر مباح جس کا یہ نتیجہ ہو مکروہ ہے۔

دوسری وجہ: علماء دیوبند کا کسی معین مہینے میں میلاد کے نہ منانے کا یہ ہے کہ علماء دیوبند میلاد یا ذکر ولادت کو کسی خاص معین مہینے یا دن کا عبادت نہیں سمجھتا، بالفاظ دیگر علماء دیوبند اس مسئلے میں تخصیص شرعی کے قائل نہیں۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ اپنی کتاب "ارشاد العباد فی عید المیلاد" میں مسلم شریف کی ایک حدیث لاتے ہیں۔

لاتختصُّوا لیلۃَ الجمعۃِ بقیامٍ من بینِ اللّیالی ولاتختصُّوا یوم الجمعۃ بصیامٍ من بینِ الایامِ الا ان یکونَ فی صومٍ یصومُ اَحَدُکُم"

یعنی جمعہ کی رات کو دوسری راتوں سے (نفلی) نماز اور قیام کیلئے خاص نہ کرو اور جامعہ کے دن کو دوسرے دنوں سے (نفلی) روزہ کیلئے خاص نہ کرو۔ مگر ہاں اگر کوئی سنت کے خاص کردہ روزے رکھتا ہے (مثلاً ایام بیض یا پندرہویں شعبان کا روزہ رکھتا ہے) اور جمعہ کا دن بھی اس میں آجائے تو الگ بات ہے۔

اس حدیث کے تحت حضرت تھانوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ!

اس حدیث سے یہ قاعدہ کلیہ نکلا کہ جو تخصیص منقول نہ ہو وہ منھی عنہ ہے۔۔۔۔ کچھ آگے جا کے لکھتے ہیں کہ:

غرض یہ قاعدہ کلیہ کہ تخصیص غیر منقول دین کے اندر جائز نہیں صحیح ہے۔۔۔ایک دولکیر کے بعد فرماتے ہیں کہ:

اب خاص یوم ولادت کو عید منانے کی تخصیص دیکھئے کہ یہ تخصیص کیسی ہے ظاہر ہے کہ منقول نہیں ہے اور نہ تخصیص عادی وانتظامی ہے بلکہ (لوگ)اس کو دین سمجھتے ہیں چنانچہ اسکے تارک کو ملامت کرتے ہیں اور بددین سمجھتے ہیں،اگر تخصیص عادی ہوتی تو ملامت نہ کرتے اور نہ اس شخص کو بددین جانتے۔۔۔۔پس یہ دین میں تخصیص ہوئی اور غیر منقول ہوئی، نتیجہ ظاہر ہے کہ یہ تخصیص ناجائز ہے۔

(ارشادالعباد فی عید المیلاد ص55،ناشر،شعبہ نشرواشاعت،جامعہ دار العلوم الاسلامیہ لاہور)

علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ!

لأن ذکر اللہ تعالٰی او قصد بہ التخصیص بوقت دون وقت او بشیئ دون شیئ لم یکون مشروعا حیث لم یرد بہ الشرع لأنہ خلاف الشرع.(البحرائق،ج۲ص۱۵۹)

اسی طرح امام شاطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

منھا التزام العباداتِ المعینۃ فی اوقات معینۃ لم یوجد لھا ذلک التعیین فی الشریعۃ.(الاعتصام،ج۱ص۳۴)

علامہ ابوشامہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

لاینبغی تخصیص العباداتِ باوقات لم یخص بھا الشرع.

(الباحث علی انکار الحوادث ۱۴۸)

مذکورہ حوالہ جات سے یہ بات روزروشن کی طرح واضح ہوگئی کہ اپنی طرف سے عبادات کیلئے اوقات کی تعیین کرنا جائز نہیں۔

=÷=

اسی وجہ سے علماء دیوبند بغیر کسی تعیین شرعی کے پورہ سال جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا میلاد کرتے رہتے ہیں اگرچہ کبھی کبھار کسی انتظامی مصلحت کے طور پر ربیع الاول کے مہینے ہی میں کیوں نہ ہوں۔

جبکہ شہید سعید شیخ رحیم اللہ حقانی صاحب رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ ایک عنوان ہے میلاد النبی کا، دوسرا عنوان ہے سیرت النبی کا، علماء دیوبند دوسرے عنوان کو پسند کرتے ہیں کیونکہ میلاد النبی کا عنوان جزئی ہے جو صرف آپ علیہ السلام کی ولادت کے احوال کو شامل ہے جبکہ سیرت النبی عنوان کلی ہے جس میں ولادت، وفات، غزوات، اور معجزات وغیرہ تمام قسم کے احوال شامل ہیں۔

تیسری وجہ: علماء دیوبند کا میلاد کو شان وشوکت سے نہ منانے کا فقہ کا ایک قاعدہ ہے۔

شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ اپنی کتاب "اختلاف امت اور صراط مستقیم" میں "ردالمحتار" سے لکھتے ہیں:

واذا ترَدّدَ الحکمُ بینَ سُنّۃٍ وبدعۃٍکان ترکُ السُنّۃِراجحًا علی فعلِ السنۃِ

(رد المحتار، ج۱ص۶۴۲/البحر الرائق ج۲ص۲۱)

یعنی جب کوئی حکم سنت اور بدعت کے درمیان دائر ہو تو سنت کا ترک کرنا بدعت کو کرنے پر مقدم ہو گا۔

اسی حدیث سے حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے "ارشاد العباد فی عید المیلاد" میں میلاد کے نہ کرنے پر استدلال کیا ہے۔

کیونکہ دنیا میں بہت کم لوگ ایسے ہیں جو میلاد کو بدعات سے پاک کر کے مناتے ہیں اکثر لوگ میلاد میں مختلف قسم کی بدعات کا ارتکاب کرتے ہیں، درمیان میں بہت سے حیران وپریشان ہیں کہ یاخدائے یہ کیا مہاجرہ ہے، ان پریشان وحیران زدہ لوگوں کیلئے فقہ کا یہ قاعدہ بہترین رہنمائی کرتی ہے کہ جب بھی کوئی

حکم میں تردد آجائے کہ یہ سنت ہو گا یا بدعت؟ تو بدعت کے مرتکب ہونے کے بجائے سنت کا ترک کرنا ہو گا۔

چوتھی وجہ:

علماء دیوبند اس لئے ہر سال اہتمام کے ساتھ میلاد مناتے نہیں کیونکہ ایک مستحب امر کی طرف تداعی (یعنی ایک دوسرے کو دعوت دینے) اور اہتمام کا ارتکاب کرنا لازم آتا ہے۔ جبکہ یہ چیز فقہاء نے مکروہ لکھا ہے۔

فقیہ العصر مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

عقد مجلس مولود اگرچہ اس میں کوئی امر غیر مشروع نہ ہو مگر اہتمام و تداعی اس میں بھی موجود ہے لہذا اس میں درست نہیں، و علی ھذا عرس کا جواب ہے، بہت اشیاء ہیں کہ اول مباح تھیں پھر کسی وقت میں منع ہو گئیں مجلس مولود و عرس بھی ایسا ہی ہے۔

(فتاویٰ رشیدیہ، کتاب البدعات ص 255)

یہی قاعدہ بہت سے فقہاء کرام نے اپنی کتب میں لکھا ہوا ہے بطور مثال صرف ایک حوالہ ملاحظہ فرمائیں:

شرح منیہ میں لکھا ہوا ہے کہ:

فالصلوۃ خیر موضوع مالم یلزم ارتکاب کراھۃ واعلم ان النفل بالجماعۃ علی سبیل التداعی مکروہ. (شرح منیہ کبیری ص ۱۱۴)

یعنی نماز بنیادی اور افضل و بہترین عبادت ہے، لیکن اس سب کے باوجود تداعی و اہتمام کے سبب سے جو نفل نماز میں مشروع نہیں وہ بدعت بن جاتی ہے اور مکروہ ہے۔

=÷=

یہاں کوئی درس وتدریس کی طرف دعوت دینے پر اشکال نہ کریں، کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے لوگوں کو تعلیم کی مجلس میں شرکت کی دعوت دینا تو ملتا ہے لیکن مستحبات اور مندوب کی طرف تداعی کے ساتھ دعوت دینا نہیں ملتا۔

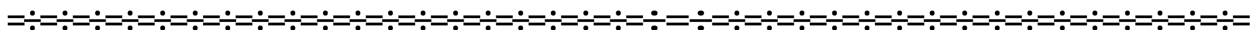
وھو (ابو ھریرۃ رضی اللہ عنہ) حین خرج الی الناس بسوق المدینۃ فنادی فیھم ما بالکم میراث رسول اللہ ﷺ یقسم فی المسجد بین امتہ وانتم مشتغلون فی الاسواق فترکوا السوق و اتوا الی المسجد فوجدوا الناس حلقا حلقا لتعلیم القرآن و الحدیث والحلال و الحرام فقالوا و این ماذکرت یا اباھریرۃ قال ہذا میراث نبیکم وان الانبیاء لم یور ثوا دینارا ولا درھما و انما ورثوا العلم وھا ہوذا۔(المدخل، ص: 82 ، ج: 1)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ کے بازار میں لوگوں کے پاس گئے اور ان میں اعلان کیا کہ اے لوگو! تمہیں کیا ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی میراث تو آپ کی امت میں مسجد میں تقسیم کی جا رہی ہے اور تم یہاں بازاروں میں مشغول ہو لوگوں نے (یہ سوچ کر کہ آپ ﷺ کی چھوڑی ہوئی کوئی چیز برکت کے طور پر ہی مل جائے گی) بازار چھوڑا اور مسجد کی طرف آئے اور لوگوں کو حلقوں میں دیکھا تعلیم قرآن کا حلقہ، تعلیم حدیث کا حلقہ، اور حلال و حرام کی تعلیم کا حلقہ، تو پوچھا اے ابو ہریرہؓ آپ نے جو کہا تھا وہ کہاں ہے ؟ انہوں نے فرمایا یہی تمہارے نبی کی میراث ہے۔ انبیاء علیہم السلام دینار و درہم کی میراث نہیں چھوڑتے علم کی میراث چھوڑتے ہیں اور وہ یہی ہے۔

اور مولانا خلیل احمد سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ اس بارے میں ضابطہ تحریر فرماتے ہیں۔ ”پس غور کرنا چاہئے کہ نفس ذکر مولود مندوب و مستحسن ہے مگر صلوۃ نفل اس سے اعلیٰ وافضل ہے کہ عمدہ عبادات اور افضل القربات ہے اور خیر موضوع ہے مگر بایں ہمہ بوجہ تداعی واہتمام کے کہ یہ اس میں مشروع نہیں بدعت لکھتے ہیں۔ یہاں ذکر مولود میں بھی گو مندوب ہے مگر تداعی واہتمام اس کا کہیں سلف سے ثابت

نہیں بدعت ہو وے گا۔ البتہ وعظ و دروس میں تداعی ثابت ہے کیونکہ وہ فرض ہے جیسا کہ فرائض صلوات میں تداعی ضروری ہے۔"

(براہین قاطعہ، ص:153)



بدعات کی پہچان کے متعلق دواہم قواعد:

بدعات کی پہچان کے متعلق حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ دو انتہائی اہم قواعد ذکر کرتے ہیں، افادے کی خاطر دونوں بالترتیب نقل کرتے ہیں۔

پہلا قاعدہ:

سنت وبدعت کا شرعی ضابطہ:

سنت وبدعت کا شرعی ضابطہ جس سے ہر عمل کے متعلق فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ سنت ہے یا بدعت۔
ایک قاعدہ کلیہ بیان کرتا ہوں اس سے یہ واضح ہوجائیگا کہ جتنی چیزیں خیر القرون کے بعد ایجاد ہوئی ہیں، ان میں کون سی بدعت ہے اور کونسی مندوب و مستحب اور شریعت سے ثابت ہیں اور اس سے یہ بھی واضح ہوجائیگا کہ اس خوشی کے ظاہر کرنے کا کوئی مقبول (پسندیدہ) طریقہ ہے یا نہیں، اور یہ مروجہ طریقہ بدعت ہے یا نہیں۔

ایجاد کردہ چیزوں کی پہلی قسم:

پس جاننا چاہئے کہ خیر القرون کے بعد جو چیزیں ایجاد کی گئیں، ان کی دو قسمیں ہیں، ایک تو وہ کہ ان کا سبب داعی جدید ہے (یعنی خیر القرون میں اس کی ضرورت کے اسباب نہیں پائے گئے) اور وہ کسی مامور بہ کی موقوف علیہ ہیں (یعنی کوئی شرعی حکم اس پر موقوف ہے) کہ ان کے بغیر اس شرعی حکم پر عمل نہیں ہوسکتا۔ جیسے دینی کتابوں کی تصنیف اور مدرسوں اور خانقاہوں کی تعمیر کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ان میں سے (اس انداز کی) کوئی شئی نہ تھی اور ان کا سبب داعی بھی جدید ہے اور نیز یہ چیزیں ایسی ہیں کہ شرعی حکم ان پر موقوف ہے۔
تفصیل اس کی یہ ہے کہ یہ سب کو معلوم ہے کہ دین کی حفاظت سب کے ذمہ ضروری ہے۔ اس کے بعد سمجھئے کہ خیر القرون میں دین کی حفاظت کے لئے جدید واسطوں میں سے کسی سی کی ضرورت نہ

تھی۔ قوت حافظہ اس قدر قوی تھا کہ جو کچھ سنتے تھے وہ سب نقش کالحجر ہو جاتا تھا، فہم ایسی تھی کہ اس کی ضرورت ہی نہ تھی، کہ سبق کی طرح ان کے سامنے تقریر کریں، تدینؐ و تقوی بھی غالب تھا۔

اس کے بعد دوسرا زمانہ آیا، غفلتیں بڑھ گئیں، قویٰ کمزور ہو گئے، ادھر اہل ہوا (یعنی خواہش پرستوں والا) اور عقل پرستوں کا غلبہ ہوا، تدین مغلوب ہونے لگا، پس علماء امت کو دین کے ضائع کا قوی اندیشہ ہوا۔ پس اس کی ضرورت واقع ہوئی کہ دین کے تمام اجزاء کی تدوین کی جائے۔

چنانچہ دینی کتابیں حدیث، اصول حدیث، فقہ، اصول فقہ، عقائد میں تصنیف ہوئیں اور ان کی تدریس کے لئے مدارس تعمیر کئے گئے۔۔۔اس لئے کہ اس کے بغیر دین کی حفاظت کی کوئی صورت نہ تھی۔

پس یہ وہ چیزیں ہوئی کہ ان کا سبب جدید ہے کہ خیر القرون میں (یعنی صحابہ و تابعین کے عہد میں) نہ تھا۔ اور دین کی حفاظت اس پر موقوف ہے پس یہ اعمال گو صورۃً بدعت ہیں لیکن حقیقت میں بدعت نہیں بلکہ اس قاعدہ سے **مقدمة الواجب واجب**ؒ (یعنی واجب کا ذریعہ بھی واجب ہوتا ہے اس قاعدہ سے یہ چیزیں) واجب ہیں۔

ایجاد کردہ چیزوں کی دوسری قسم:

دوسری قسم کی وہ چیزیں ہیں جن کا سبب قدیم ہے (یعنی خیر القرون عہد نبوی، صحابہ و تابعین میں بھی وہ سبب موجود تھا) مثلاً مروجہ میلاد کی مجلسیں، تیجہ، دسواں، چہلم وغیرہا بدعات کہ ان کا سبب قدیم ہے۔ مثلاً مجلس میلاد کے منعقد کرنے کا سبب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریفہ پر خوشی ہے اور یہ سبب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے

زمانہ میں بھی موجود تھا، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یا صحابہ کرام نے مجلسیں منعقد نہیں کیں، کیا نعوذ باللہ صحابہ کا فہم یہاں تک نہیں پہنچا تھا، اگر اس کا سبب اس وقت نہ ہوتا تو البتہ یہ کہہ سکتے تھے کہ ان کا منشاء موجود نہ تھا، لیکن جب اس کا باعث اور سبب اور اس کی بنیاد موجود تھی۔ پھر کیا وجہ ہے کہ نہ حضور

صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی میلاد کی مجلس منعقد کی اور نہ صحابہ کرام نے، ایسی شی کا حکم یہ ہے کہ یہ صورۃً بھی بدعت ہیں اور معنًی بھی۔

یہ قاعدہ کلیہ ہے سنت اور بدعت کے پہچاننے کا اس سے تمام جزئیات اور اختلافی مسائل کا حکم مستنبط ہو سکتا ہے اور ان دونوں قسموں میں ایک عجیب فرق ہے، وہ یہ کہ پہلی قسم کی تجویز کرنے والے خواص یعنی علماء ہوتے ہیں، اور اس میں عوام تصرف نہیں کرتے۔ اور دوسری قسم کی تجویز کرنے والے عوام ہوتے ہیں اور وہی اس میں ہمیشہ تصرف کرتے ہیں۔

چنانچہ میلاد شریف (مروجہ، صفدر) کی مجلس کو ایک بادشاہ نے ایجاد کیا ہے اس کا شمار بھی عوام ہی میں سے ہے۔ اور عوام ہی اب تک اس میں تصرف کر رہے ہیں۔

(وعظ السرور، ملقب به، ارشاد العباد فی عید المیلاد ص49 بعنوانِ بدعت کی پہچان)

خلاصہ۔ بہر حال آسان الفاظ میں مذکورہ قواعد کی تعبیر یوں ہو گی کہ:

ہر وہ نیا کام جس کے کرنے کا سبب، داعی (مقتضِی) جدید ہو (یعنی خیر القرون میں اس کے کرنے کے اسباب موجود نہ ہو، اور مزید یہ کوئی حکم شرعی بھی اس پر موقوف ہو ایسا کام اگرچہ خیر القرون والوں نے نہ کیا ہو لیکن بعد والے کرنے لگ جائیں تو یہ اگرچہ صورۃً بدعت ہے لیکن در حقیقت بدعت نہیں۔ (بقاعدہ، مقدمۃ الواجب واجبۃ)

جیسے کتبِ حدیث، فقہ، اصول فقہ، صرف ونحو کی تدوین، ائمہ کی تقلید۔ یا پھر مدراس وخانقاہوں کی تعمیر وغیرہ۔

اور اگر کسی کام کا سبب داعی قدیم ہو (یعنی خیر القرون میں اس کے کرنے کے اسباب موجود ہو) پھر بھی خیر القرون والوں نے چھوڑا ہو تو ایسا کام کرنا صورۃً بھی بدعت ہے اور حقیقتاً بھی بدعت ہے۔ جیسے میلاد، تیجہ، دسواں اور چہلم وغیرہ۔۔(صفدر)

دوسرا قاعدہ:

عقلی طور پر مروجہ عید میلاد النبی کی تردید۔

جاننا چاہئے کہ جس قدر عبادتیں شارح علیہ السلام نے مقرر فرمائی ہیں ان کے اسباب بھی مقرر فرمائے ہیں اور اس اعتبار سے مامور بہ کی یعنی جن اعمال کا حکم دیا گیا ہے ان کی چند قسمیں نکلتی ہیں۔

(1) اول تو یہ کہ سبب میں تکرار یعنی (اس عمل کا) سبب بار بار پایا جاتا ہو تو سبب کے مکرر (یعنی بار بار پائے جانے کی) وجہ سے مسبب (یعنی وہ حکم) بھی بار بار پایا جائے گا، مثلاً نماز (واجب ہونے) کے لئے وقت سبب ہے پس جب وقت آئے گا نماز بھی واجب ہو گی۔

اسی طرح رمضان کے مہینہ کا پایا جانا رمضان کے روزوں کے لئے سبب ہے جب بھی رمضان کا مہینہ آئے گا تو روزہ ہو گا، اسی طرح مثلاً عید کی نماز کے لئے عید الفطر اور قربانی کے لئے یوم اضحیہ بھی اسی باب سے ہے۔

(2) دوسری قسم یہ کہ مسبب بھی ایک ہو اور سبب بھی ایک جیسے بیت اللہ شریف حج کے لئے چونکہ سبب (یعنی بیت اللہ) ایک ہے اس لئے مامور بہ یعنی حج بھی عمر میں ایک مرتبہ فرض ہے، یہ دونوں قسمیں مدرک بالعقل یعنی عقل سے سمجھ میں آتی ہیں کیونکہ عقل کا بھی تقاضا ہے کہ سبب کے تکرار سے مسبب بھی مکرر ہو اور سبب کے ایک ہونے سے مسبب (یعنی حکم بھی) ایک ہو۔

=÷=

(3) تیسری قسم یہ ہے کہ سبب تو ایک ہو اور مسبب (یعنی حکم) کے اندر تکرار ہو جیسے حج کے طواف میں رمل کا اصل سبب تو قوت کا دکھلانا تھا، لیکن اب وہ قوت دکھلانا تو ہے نہیں۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ جب مدینہ منورہ سے مسلمان حج کے لئے مکہ معظمہ آئے تو مشرکین نے کہا تھا کہ ان لوگوں کو یثرب (مدینہ) کے بخار نے کمزور کر دیا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام سے فرمایا کہ طواف میں رمل کریں، یعنی شانے (کاندھے) ہلاتے ہوئے اکڑ کر طواف کریں تاکہ ان کو مسلمانوں کی قوت کا مشاہدہ ہو۔ اب وہ سبب تو نہیں ہے لیکن مامور بہ یعنی طواف میں رمل کا حکم اپنے حال پر باقی ہے۔ یہ امر غیر مدرک بالعقل ہے یعنی عقل سے نہیں سمجھا جا سکتا ہے بلکہ شریعت اس کا فیصلہ کرتی ہے اور جو امر خلاف قیاس (خلاف عقل) ہوتا ہے اس کے لئے نقل اور وحی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اب ہم پوچھتے ہیں کہ عید میلاد النبی کا سبب کیا ہے، ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی تاریخ ہونا ہے اب ہم پوچھتے ہیں کہ وہ تاریخ گزر گئی یا بار بار آتی ہے، ظاہر ہے کہ خاص وہ تاریخ جس میں آپ کی پیدائش ہوئی تھی گزر گئی، کیوں کہ اب جو بارہ ربیع الاول کی تاریخ آتی ہے وہ اس خاص یوم ولادت کے مثل (اور مشابہ) ہوتی ہے نہ کہ بعینہ وہی تاریخ، کیونکہ وہ وقت گزر چکا، اور یہ تو بالکل ظاہر بات ہے اس پر دلیل کی ضرورت ہی نہیں۔

پس مثل اور مشابہ کے لئے وہی حکم ثابت ہونا کسی نقلی اور شرعی دلیل یعنی وحی کا محتاج ہو گا، غیر مدرک بالعقل ہونے کی وجہ سے اس میں قیاس حجت نہیں ہو گا۔ لیکن یہاں ایک اور شبہ ہو سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیر کا روزہ رکھا ہے، سو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ روزہ تو خود منقول ہے اور آپ نے وحی سے روزہ رکھا ہے اس لئے اس پر قیاس نہیں ہو سکتا۔

(وعظ السرور، ملقب بہ،

ارشاد العباد فی عید المیلاد ص 70 بعنوانِ عقلی طور پر مروجہ میلاد کی تردید)

=÷=

مسح علی الجوربین کا تاریخی پس منظر:

آج کا درس پانچ ابحاث پر مشتمل ہیں۔
مبحث اول! مسح علی الجوربین کا تاریخی پس منظر
مبحث دوم: موجودہ بازاری جرابوں پر مسح کا حکم اور ان کی تین اقسام
مبحث سوم: دلائل غیر مقلدین کا اجمالی جائزہ
مبحث چہارم: مسح علی الجوربین کے متعلق اکابر غیر مقلدین کی رائے۔
مبحث پنجم: ایک اہم فائدہ

مبحث اول۔
برصغیر میں لامذہبیت کی تحریک کے شروع ہونے کے بعد بھی عرصہ دراز تک یہ مسئلہ اتفاقی رہا کہ آج کل کے اونی سوتی یا نائلون کے جرابوں پر مسح جائز نہیں۔ مسند الھند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ سے قبل تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ ان جرابوں پر مسح کے مسئلہ پر عمل ہوتا۔ کیونکہ یہاں ہمیشہ فقہ حنفی کے مفتی بہ قول پر عمل ہوتا رہا ہے۔ اس حقیقت کو علامہ احسان الہی ظہیر صاحب غیر مقلد نے بھی تسلیم کیا ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ: شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی تحریک سے قبل تو لوگ اپنے مسائل کے حل کیلئے فقہ سے سرمو تجاوز نہیں کرتے تھے۔ (فتاویٰ علمائے اہلحدیث ج1 ص8)
حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ (متوفی 1176) کے بعد بھی لامذہبیت کی تحریک نے اس مسئلہ کو نہیں چھیڑا، کیونکہ اس تحریکِ لامذھبیت کا سب سے پہلا فتاویٰ، فتاوی نزیریہ اور آخری فتاویٰ، فتاویٰ ثنائیہ تھا، جیساکہ علامہ احسان الٰہی صاحب نے بھی اس حقیقت کو ان الفاظ میں تسلیم کیا ہے۔۔۔ لکھتے ہیں

=:=

کہ: اس سلسلہ کا پہلا مجموعہ فتاویٰ نزیریہ تھا جو شیخ الکل مولانا سید نزیر حسین دہلوی کے فتاویٰ یا ان کی تصدیقات پر مشتمل تھا اور آخری مجموعہ فتاویٰ ثنائیہ تھا جو شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امر تسری کے فتاویٰ اور مولانا شرف الدین کے تعلقات پر مشتمل ہے۔

(فتاویٰ علمائے اہلحدیث ص8ج1)

اس مسئلہ کا وجود غیر مقلدین کے پہلے فتاویٰ میں نہیں بلکہ تمام اکابرین غیر مقلد جمہور ائمہ کرام کی طرح جرابوں پر مسح کی تردید کرتے تھے، البتہ آخری مجموعہ فتاویٰ میں مولانا ثناء اللہ امر تسری صاحب (متوفی 1948) نے 24 اکتوبر 1930 کو ان جرابوں پر مسح کے جواز کا فتویٰ دیا، جسکی تردید حاشیہ پر خود مولوی شرف الدین غیر مقلد نے کر دی۔ کچھ تفصیل کے بعد مولوی شرف الدین نے فیصلہ سنایا ہے کہ یہ مسلک صحیح نہیں۔

(فتاویٰ ثنائیہ ص 441 / ص442ج1)

قرآن کریم میں واضح طور پر یہ بات بیان کی گئی ہے وہ وضو کے صحیح ہونے کے لئے دونوں پیروں کا دھونا شرط ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص وضو کرنے کے بعد (چمڑے) کے موزے پہن لے تو مقیم ایک دن اور ایک رات تک اور مسافر تین دن و تین رات تک وضو میں پیروں کو دھونے کے بجائے (چمڑے) کے موزوں کے اوپری حصہ پر مسح کر سکتا ہے جیسا کہ متواتر احادیث سے ثابت ہے۔

امام ابن منذر رحمہ اللہ تابعی کبیر حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے نقل فرماتے ہیں۔

حدثنی سبعون من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ مسح علی الخفین۔(الأوسط لابن المنذر ج1 ص 430)

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: میں نے ستر صحابہ کرام سے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے موزوں پر مسح فرمایا۔

اسی طرح علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

قد صرح جمع من الحفاظ من الحفاظ بأن المسح متواتر وجَمَعَ بعضُهم رُواتَه فجاوز الثمانين ومنهم العشرة.

یعنی حدیث کے حفاظ کرام کی ایک بڑی جماعت نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ خفین پر مسح کا حکم متواتر ہے بعض حضرات نے خفین کے مسح کی روایت کرنے والے صحابہ کرام کی تعداد کو جمع کیا تو ان کی تعداد 80 سے زیادہ تھی، جن میں عشرہ مبشرہ بھی شامل تھے۔

(فتح الباری، کتاب الوضو، باب المسح علی الخفین۔)

اسی طرح وکیل احناف ملا علی قاری رحمہ اللہ مشکوٰۃ شریف کی شرح میں تحریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

قال الحسن البصری ادرکت سبعین نفرا من الصحابة یرون المسح علی الخفین،ولهذا قال ابوحنیفة ماقلتُ بالمسح حتی جاءنی فیه مثل ضوء النهار۔(مرقاۃ ج2 ص77)

یعنی حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں نے ستر ایسے صحابہ کرام کو پایا جو خفین پر مسح کے قائل تھے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے اسی وجہ سے فرمایا کہ میں خفین پر مسح کا اسوقت تک قائل نہ ہوا جب تک میرے پاس اس کے دلائل اس حد تک اس حد تک واضح اور روشن نہ ہوئے جس طرح دن کی روشنی ہوتی ہے۔

مبحث دوم: موجودہ بازاری جرابوں پر مسح کا حکم اور ان کی تین اقسام:

جمہور فقہاء کرام اور علماء محققین کی رائے یہ ہے کہ آج کل کے موجودہ جرابوں پر مسح کرنا جائز نہیں بلکہ پیروں کا دھونا ہی ضروری ہے۔

=÷=

موجودہ جرابوں پر مسح جائز نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان جرابوں پر مسح کرنے سے نہ وضو ہو گا نہ نماز ہو گی، اگر ان جرابوں پر مسح کرنے والے امام کے پیچھے نماز پڑھی تو نماز نہیں ہو گی۔ زندگی میں ایسی پڑھی ہوئی نمازوں کو لوٹانا ضروری ہے۔

اس مسئلے کو سمجھنے سے قبل موزوں کے اقسام کو سمجھنا ضروری ہے:
خفین کی تین اقسام:
موزوں پر مسح کے جواز اور عدم جواز کے اعتبار سے اصولی طور اسکی تین قسمیں بنتی ہیں۔
نمبر ایک: حقیقی خفین۔ یعنی چمڑے کے موزے: ان پر باجماع امت مسح کرنا جائز ہے۔

نمبر دو: حکمی خفین۔
یعنی وہ موزے جو چمڑے کے تو نہ ہو لیکن موٹے ہونے کی بناء پر ان میں اوصاف چمڑے کے موزوں کے ہوں۔ ایسے موزوں پر مسح کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ راجح قول کے مطابق فقہاء کا فتویٰ ایسے موزوں پر بھی جواز کا ہے۔
نمبر تین* غیر حقیقی غیر حکمی خفین:
یعنی مروجہ اونی، سوتی، یا نائلون کی جرابیں، ایسی جرابوں کے بارے میں جمہور امت کا اتفاق ہے کہ مسح جائز نہیں۔ جمہور فقہاء و علماء کرام نے احادیث نبویہ کی روشنی میں تحریر کیا ہے کہ جرابوں پر مسح کرنا تب جائز ہو گا جب ان میں موٹے ہونے کی شرط پائی جائے یعنی وہ ایسے سخت اور موٹے کپڑوں کے بنے ہوں کہ اگر ان پر پانی ڈالا جائے تو پاؤں تک نہ پہنچ سکے۔
چنانچہ مصنف ابن شیبہ میں روایت ہے:

=÷=

حدثنا هشيم قال اخبرنا يونس عن الحسن وشعبة عن قتادة عن سعيد بن المسيب والحسن انهما قالا: يُمسَحُ على الجوربين اذا كانا صفيقين. (مصنف ابن شيبه ج ا ص ۱۸۸)

حضرت سعید المسیب اور حضرت حسن بصری رحمہ للہ فرماتے ہیں کہ: جرابوں پر مسح جائز ہے بشر طیکہ وہ خوب موٹی ہو، واضح رہے کہ ثوب صدیق اس کپڑے کو کہتے ہیں جو خوب مضبوط ہو۔ دیکھئے قاموس اور مختار الصحاح وغیرہ۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ اور حضرت سعید بن المسیب رحمہ اللہ دونوں جلیل القدر تابعین میں سے ہیں ظاہر ہے انہوں نے صحابہ کرام کا عمل دیکھ کر ہی یہ فتویٰ دیا ہے۔

بلکہ امام علاء الدین ابو بکر بن مسعود الکاسانی الحنفی اس پر اجماع نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

فان كانا رقيقين يشفان الماء لايجوز المسح عليهما باجماع۔

یعنی اگر موزے اتنے پتلے ہو کہ ان میں سے پانی چھن جاتا ہوں تو ان پر بالاجماع مسح جائز نہیں۔ (بدائع الصنائع، کتاب الطہارۃ ج 1 ص 83)

مبحث سوم

دلائل غیر مقلدین کا اجمالی جائزہ:

جرابوں پر مسح کرنے کے متعلق غیر مقلدین کی مرکزی روایت ترمذی شریف کی حدیث مغیرہ بن شعبہ ہے۔ جس میں الفاظ یوں ہے۔

توضأ النبي صلى الله عليه وسلم ومسح على الجوربين والنعلين.

لیکن یاد رہے! یہ حدیث ضعیف اور شاذ ہے۔

=÷=

علی بن مدینی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مسح کے بارے میں مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث اہل مدینہ، اہل کوفہ اور اہل بصرہ نے روایت کیا ہے لیکن ھزیل بن سرحبیل نے ان سب کی مخالفت کرتے ہوئے مغیرہ بن شعبہ سے روایت کیا اور اس میں جرابوں کا مسح نقل کیا۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی ص284ج1)

اسی ہی کو تو شاذ کہا جاتا ہے کہ پوری جماعت ایک بات پہ متفق ہو جبکہ ایک راوی ان تمام کا مخالف ہو۔ ظاہر ہے پوری جماعت کے مقابلے میں ایک راوی کی بات مردود ہو گی۔

اسی طرح مفضل بن غسان کہتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن معین سے اس حدیث کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے کہا: کہ ابو قیس کے علاوہ تمام راوی موزوں پر مسح کا ذکر کرتے ہیں۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی ج1 ص284)

امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ امام ترمذی رحمہ اللہ کا اس حدیث کے بارے میں یہ کہنا کہ یہ حدیث حسن ہے، اس پر علم حدیث کے ان بلند پایہ ماہرین کی رائے کو ترجیح دی جائے گی، بلکہ اگر ان سب کا اتفاق نہ بھی ہوتا تو ان میں سے ہر ایک کی انفرادی رائے بھی امام ترمذی کی اس بات پر مقدم ہو گی، اس بات پر ماہرین علم حدیث کا اتفاق ہے۔

(المجموعہ شرح المهذب ج1 ص500)

غیر مقلدین اس کے علاوہ جتنی روایات صحابہ کرام سے پیش کرتے ہیں کہ انہوں نے جرابوں پر مسح کیا ہے ان میں بھی تلبیس سے کام لیتے ہیں۔ کیونکہ کسی بھی روایت میں نہ تو رقیق یعنی باریک پتلے جرابوں کا ذکر ہیں، نہ کسی محدث وفقیہ نے ان روایات میں رقیق جرابوں کو داخل کیا ہے۔ چودہ سو سال کے عرصہ میں آٹھویں صدی ھجری کے ابن تیمیہ کے علاوہ کسی اور شخص کا نام نہیں ملتا، جو مروجہ جرابوں پر مسح

کا قائل ہو۔ غیر مقلدین ابن تیمیہ کے مسلک کو قرآن وسنت کے نام سے پھیلا کر موجودہ جرابوں پر لوگوں سے مسح کرواتے ہیں اور عوام کی نمازوں کو ضائع کرتے ہیں۔

مبحث چہارم:

* مسح علی الجوربین کے متعلق اکابر غیر مقلدین کی رائے *

مشہور اہلحدیث عالم مولانا محمد عبدالرحمن مبارک پوری نے (تحفۃ الاحوزی شرح جامع الترمذی) میں باب ماجاء فی المسح علی الجوربین والنعلین، کے تحت اس موضوع پر جو تفصیلی بحث فرمائی ہے اس کا خلاصہ کلام یہ ہے۔ جرابوں (جیساکہ آج کل استعمال ہوتے ہیں) پر مسح کی کوئی دلیل نہیں ہے نہ تو قرآن کریم سے نہ سنت سے نہ اجماع سے اور نہ ہی قیاس صحیح سے۔

صحابہ کرام کے موزوں کی طرح کی جرابوں پر آج کل کی باریک جرابوں کو قیاس کرنا قطعاً درست نہیں، ہاں اگر آج بھی موزوں کی طرح کی جرابوں کو کوئی استعمال کرتا ہے تو ان پر مسح کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

(تحفۃ الاحوذی، باب ماجاء فی المسح علی الجوربین والنعلین)

اسی طرح مولانا عبدالجبار غزنوی غیر مقلد فرماتے ہیں کہ جرابوں پر مسح کرنا حدیث صحیح سے ثابت نہیں۔ (فتاویٰ علمائے اہلحدیث ج1 ص99)

اور مولوی ابوالبرکات احمد غیر مقلد فرماتے ہیں کہ جرابوں پر مسح کرنے کے متعلق کوئی حدیث صحیح نہیں ہے۔ علماء نے جرابوں پر مسح کرنے کو موزوں پر مسح کے ساتھ قیاس کیا ہے۔ (فتاویٰ برکاتیہ 18)

اسی طرح غیر مقلدین کے شیخ الکل میاں نذیر حسین دہلوی لکھتے ہیں کہ:

مذکورہ (اونی، یاسوتی) جرابوں پر مسح جائز نہیں کیونکہ اس کی کوئی دلیل نہیں اور مجوزین نے جن چیزوں سے استدلال کیا ہے اس میں خدشات ہیں۔ (فتاویٰ نزیریہ ج1 ص327)

مبحث پنجم: ایک اہم فائدہ:

دیکھئے! یہ بات مسلّم ہے کہ اگر دعویٰ خاص ہو تو دلیل بھی خاص ہونی چاہیے غیر مقلدین کے ساتھ ہمرا اختلاف باریک جرابوں میں ہے تو اگر باریک کا لفظ یہ حضرات کسی روایت میں نہ دکھائیں تو ان کا دعویٰ ہی ثابت نہیں ہوتا اور یہ بات خود غیر مقلدین بھی بہت سے مقامات پر تسلیم کر چکے ہیں مثلاً دعا بعد الجنازہ کے قائلین دعا کے بارہ میں جتنی عمومی آیات واحادیث سے اپنے مدعا پر استدلال کرتے ہیں تو غیر مقلدین انکو قطعاً تسلیم نہیں کرتے، کہتے ہیں کہ دعویٰ خاص کیلئے دلیل خاص ہونی چاہیے، دلیل عام اس جگہ کام نہیں دے گی، اسی طرح اذان سے قبل درود کے اثبات میں بریلوی حضرات تمام درود پاک کے متعلق وہ آیات واحادیث جب دلائل میں تحریر کر دیتے ہیں جن میں اذان کا کہیں نام ونشان نہیں ہوتا، تو غیر مقلدین اس عام استدلال کو جائز قرار نہیں دیتے، کہتے ہیں کہ دعویٰ خاص کیلئے دلیل خاص ہونی چاہیے۔ بالکل اسی طرح غیر مقلدین سے ہم بھی کہتے ہیں کہ اختلاف باریک جرابوں میں ہے تم اسکے مدعی اور قائل ہو۔ لہٰذا دلیل بھی ایسی دکھائیں جس میں صراحتاً رقیق یعنی باریک کا لفظ ہو بصورت دیگر آپ کا مدعیٰ ہر گز ثابت نہیں ہو گا۔

انعامی چیلنج

120000ڈالر نقد انعام:

غیر مقلدین کی تین علامات ہیں

(1)زیادہ جھوٹ بولنا

(2)بات بات پہ چیلنج دینا

(3)بجائے جواب دینے کے اپنی جہالت کو چھپانے کی خاطر صرف سوالات ہی کرنا۔

آج کل ہم دیکھتے ہیں کہ تمام فرقے اہل السنت والجماعت سے بس سوالات ہی کرتے رہتے ہیں، لیکن جاننے والے اس بات کو بخوبی جانتے ہیں کہ اُنکے اکثر اعتراضات وسوالات اصولی لحاظ سے غلط ہیں۔اس لئے صحیح وغلط سوالات کی پہچان ضروری ہے۔

اصول مناظرہ کی کتب میں یہ بات صراحت کے ساتھ لکھی ہوئی ہے کہ مناظرہ میں دو فریق ہوتے ہیں۔

نمبر(1)مدعی

نمبر(2)سائل

مدعی اسکو کہتے ہیں جو کسی حکم شرعی کے ثابت کرنے کی زمہ داری نبھائیں۔جبکہ مدعی کے دعوے کے انکار کرنے والے کو سائل کہاجاتاہے۔

یادرہے:سائل کے سوالات کا تعلق مدعی کے دعوے سے ہوتاہے جب تک مدعی کا دعویٰ سامنے نہ آئے سوالات ممکن ہی نہیں۔

مدعی کے دعوے سے ھٹ کر سوالات کرنا اصولاً غلط اور باطل ہیں۔

مثلاً ایک آدمی دعوی کررہاہے کہ میں صرف اور صرف قرآن کو مانتاہوں تو ہم اُن سے یوں سوال کرینگے کہ قرآن پاک سے گدھے کا حلال یا حرام ہونا دکھلاؤ۔

=÷=

یا صرف اور صرف قرآن پاک سے مکمل نماز کا طریقہ ثابت کر کے دکھاؤ، تو ان سے ہمارے یہ سوالات بسو فیصد درست و صحیح ہیں کیونکہ اُس مدعی دعوے کے مطابق ہیں۔

لیکن اگر کوئی شخص یوں دعویٰ کریں کہ میں صرف قرآن وحدیث کو مانتا ہوں تو ان سے یہ سوال کرنا کی مکمل نماز صرف قرآن پاک سے دکھاؤ یہ غلط ہے، کیونکہ یہ اس کے دعوے کے خلاف ہے۔ دعویٰ اُس نے یوں کیا تھا کہ میں قرآن وحدیث دونوں کو مانتا ہوں اور آپ سوال میں ان سے مطالبہ کر رہے ہو کہ صرف قرآن سے دکھاؤ۔

ہاں اس سے سوال یوں کرنا صحیح ہو گا کہ نماز کے تمام مسائل صراحتاً قرآن وحدیث سے دکھائیں۔

اگر کسی جزئی مسئلے میں اجماع یا قیاس شرعی سے کام لیا، یا امتی کے قول سے استدلال کیا تو اپنے دعوے میں جھوٹا ثابت نکلے گا اس لئے کہ دعویٰ اس نے صرف قرآن وحدیث کے ماننے کا کیا تھا، جبکہ اب استدلال اجماع، قیاس شرعی اور امتی کے قول سے کر رہا ہے جو کہ سو فیصد غلط ہیں۔

مذکورہ اصول سے معلوم ہوا کہ غیر مقلدین کے اکثر سوالات اصولاً غلط ہوتے ہیں اس لئے کہ غیر مقلدین فقہی مسائل میں ہم سے یوں سوال کرتے ہیں کہ اس مسئلے کا جواب قرآن وحدیث سے پیش فرمائیں، حالانکہ جس نے اصول فقہ کی ابتدائی کتاب اصول الشاشی بھی پڑھیں ہو وہ جانتا ہے کہ اصول فقہ چار ہیں۔

قرآن، حدیث، اجماع امت اور قیاس شرعی۔

اس لئے فقہی مسائل میں اس انداز سے سوال کرنا کہ صرف قرآن وحدیث سے جواب عنایت فرمائیں، یہ ایسا ہی غلط ہے جیسے منکرین حدیث کا غیر مقلدین سے یوں سوال کرنا کہ تمام مسائل صرف اور صرف قرآن پاک سے ہی ثابت کر کے دکھائیں۔

=:=

اس لئے لامذھب غیر مقلدین کا فرض ہیں کہ سوال دعوے اور اصول کے مطابق یوں کیا کرے کہ اس فقہی مسئلے کا ثبوت قرآن پاک، سنت رسول، اجماع امت یا پھر قیاس شرعی سے دکھادیں۔ اگر سوال یوں نہ ہو گا تو سمجھو کہ سوال غلط اور باطل ہے۔

یہاں یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ بحث و مباحثے میں سب سے پہلے سوال کا حق کس کو حاصل ہے؟

تفصیلی وضاحت سے پہلے مختصراً ذہن میں یہ بات بٹھائیں کہ گفتگو سے پہلے ہر جماعت کے اصول کو معلوم کریں جس جماعت کے اصول کم ہو وہ مجیب (جواب دینے والا) ہو گا اور جس کے اصول زیادہ ہو وہ سائل (سوال کرنے والا) بنے گا۔

مثلاً اگر کوئی شخص کہتا ہے کہ صرف اور صرف قرآن ہی کافی ہے تو سوال کرنے کا حق حدیث کے ماننے والے کو حاصل ہے یعنی جس کے اصول زیادہ ہو سوال کرنے کا حق بھی انہی کو حاصل ہے۔

اگر قرآن کو ماننے والے (منکر حدیث) نے بالفرض تمام سوالات کے جوابات قرآن ہی سے دیدیئے تو بیشک وہ اپنے دعوے میں سچا ہے، اور اگر تمام سوالات کے جوابات قرآن پاک سے نہ دیئے تو اپنے دعوے میں جھوٹا ہے۔

اسی طرح ایک شخص دعوی کر رہا ہے کہ نماز اور دین کے تمام جزئی مسائل صراحتاً قرآن یا حدیث صحیح صریح غیر معارض سے ثابت ہیں، جبکہ ہم اہل السنت والجماعت اس دعوے کے منکر ہیں کیونکہ بہت سے مسائل ہمارے نزدیک صراحتاً قرآن و حدیث سے ثابت نہیں، بلکہ اجماع یا قیاس شرعی سے ثابت ہیں۔ تو ہمیں اصولی اعتبار سے حق حاصل ہیں کہ غیر مقلدین سے دین کا ایک ایک مسئلہ پوچھ لیں اور وہ ہر مسئلے کا جواب قرآن یا حدیث صحیح صریح غیر معارض سے دیدیں۔ اگر تمام سوالات کے جوابات اس نے اپنے دعوے کے مطابق دے دیدیئے تو وہ اپنے دعوے میں سچا ورنہ جھوٹا ہے۔

اس بات کی بہترین تصریح تجلیات صفدر جلد 6 میں حضرت اوکاڑوی رحمہ اللہ بہترین انداز میں کر چکے ہیں۔

=÷=

غیر مقلدین سعودیہ والوں سے بھیک میں ریال لے لے کے تھک چکے ہیں اس لئے حقوقِ بشر وانسان دوستی کی خاطر اس مہنگائی کے دور میں ہم نے ان کیلئے ایک لاکھ بیس ہزار نقد ڈالر کا اعلان کیا ہے۔

سوال نمبر(1) جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ سونے چاندی کی برتن میں کھانا حرام ہے۔

اب سوال یہ ہے کیا سونے اور چاندی کی برتن میں پانی لے کر وضو کرنا، غسل کرنا، اس میں تیل لگانا، اسکے قلم سے لکھنا، اسکی سلائی سے آنکھوں میں سرمہ ڈالنا، اسکی عطر دانی سے عطر چھڑکنا۔ کیا یہ تمام امور جائز ہیں یا ناجائز؟ بہر صورت حدیث صحیح صریح غیر معارض پیش فرمائیں۔

یاد رہے: قیاس سے کام لینے کی مذموم کوشش نہ کیجئے، کیونکہ قیاس آپ حضرات کے نزدیک کار شیطان ہے۔

سوال نمبر(2) چوہا گھی میں فرمائیں تو اس کا حکم تو حدیث شریف میں موجود ہے لیکن اگر بلی کا بچہ، کتے کا بچہ، بندر کا بچہ، چھپکلی، سانپ، چیونٹی گھی میں گر جائیں، تو اس گھی کا کیا حکم ہے؟ حدیثِ صحیح صریح غیر معارض پیش فرمائیں۔

سوال نمبر(3) اگر تیل، دودھ، شربت، سرکہ یا کسی میں چوہا گر کر مر جائیں تو کیا حکم ہے؟

جواب حدیثِ صحیح صریح غیر معارض سے پیش فرمائیں۔ لیکن یاد رکھیں: گھی پر ہر گز قیاس نہ فرمائیں کیونکہ قیاس آپ کے نزدیک کار شیطان ہے۔

=÷=

سوال نمبر (4) غلام تین طلاقوں کا مختار ہے یا دو کا یا ڈیڑھ کا؟ جواب حدیثِ صحیح صریح سے دیکر ممنون و مشکور ہونے کا موقع عنایت فرمائیں۔

سوال نمبر (5) کیا موجودہ برش (ٹوتھ پیسٹ) کر لینے سے مسواک کی سنت کا ثواب مل جاتا ہے یا نہیں؟ حدیثِ صحیح غیر معارض پیش فرمائیں۔

سوال نمبر (6) آپکے نزدیک منی پاک ہے، اب سوال یہ ہے کیا اس کا کھانا جائز ہے یا ناجائز؟

سوال نمبر (7) ایک گلاس دودھ میں دودھ پیتے بچے نے پیشاب کیا، دودھ کا نہ رنگ بدلا، نہ مزہ اور نہ بو، کیا اب اس کا پینا جائز ہے یا نہیں، حدیثِ صحیح صریح غیر معارض پیش فرمائیں۔

سوال نمبر (8) جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر مکھی پینے کی چیز میں گر پڑے تو اُسے غوطہ دیکر باہر پھینک دو، اب غیر مقلدین سے سوال ہے اگر چیونٹی، مچھر، جگنو، چھپکلی اور سانپ وغیرہ پانی میں گر کر مر جائیں تو کیا پانی پاک رہے گا یا ناپاک؟
ذکر کردہ جانوروں کے نام صراحتاً قرآن و حدیث سے دکھائیں، لیکن مکھی پر قیاس نہ فرمائیں۔

سوال نمبر (9) اگر کوئی شخص ثناء کی جگہ بھول کر التحیات پڑھ لے تو ایسے شخص کیلئے کیا حکم ہے، نماز دوبارہ لوٹائیں یا سجدہ سہو کرے گا۔
بہر صورت قرآن و حدیث سے صراحتاً مسئلے کا حل بتائیں۔

سوال نمبر(20)ایک شخص نے بلا اضطرار یعنی بغیر کسی مجبوری کے خنزیر کا گوشت کھالیا، قرآن وحدیث میں اس آدمی پر کتنے کوڑے حد اور سزا ہے؟ نیز حد اور تعزیر کی کوئی جامع مانع تعریف بھی قرآن وحدیث سے بتا کر امت پر احسانِ عظیم فرمائیں۔

سوال نمبر(11)ایک آدمی خون پیتا ہے، دوسرا آدمی پیشاب پیتا ہے جبکہ تیسرا آدمی گندگی کھاتا ہے، مذکورہ تین آدمیوں کیلئے قرآن وحدیث میں کیا سزا موجود ہیں؟

سوال نمبر(12)جس شخص کو پانی اور مٹی میں سے کوئی بھی میسر نہ ہو جسکو فاقد الطہورین کہا جاتا ہے یہ آدمی نماز کس طرح پڑے گا؟

اسی طرح ایک آدمی مقطوع الیدین والرجلین ومجروح الوجہ ہے یعنی کسی کے دونوں ہاتھ دونوں پاؤں کٹے ہوئے ہیں اور چہرہ بھی زخمی ہے، اب اس کا کیا حکم ہے یہ آدمی بلا وضو نماز پڑے گا یا مسح کرے گا یا تیمم کر کے نماز آدا کرے گا؟

برائے مہربانی صرف اور صرف قرآن وحدیث جواب میں پیش فرمائیں۔

=÷=

وہ تمہارا حنفی شیخ الحدیث غیر مقلد بنا:

آج کل غیر مقلدین نے حنفی عوام کو پریشان کرنے کی اور لامذہب ساتھیوں کو مطمئن کرنے کیلئے ایک سلسلہ شروع کیا ہے، کانفرنس اور جلسوں کے اشتہارات میں اپنے علماء کے نام کے ساتھ سابق دیوبندی اور سابق حنفی جیسے لاحقے لگاتے ہیں یا حنفی مذھب کے عوام سے کہتے ہیں کہ ہمارا حق پہ ہونے کی دلیل کی ایک دلیل یہ بھی ہیں کہ آئیں روز حنفی علماء کرام، قراء حضرات اور سنجیدہ حضرات ہماری جماعت میں داخل ہوکے غیر مقلدین بنتے جارہے ہیں۔ لیکن آپ نے نہیں سنا ہوگا کہ کوئی غیر مقلد عالم یا شیخ حنفی بنا ہوا۔

معلوم ہوا کہ اہلحدیث مذہب ہی حق مذہب ہے۔

جواب:

درحقیقت حق تک پہنچ کر حق کو قبول کرلینا یہ حقانیت وصداقت کی دلیل کہلائیگی۔ مطلق ایک مذہب کو چھوڑ کر دوسرے مذہب کو قبول کرنا یہ حقانیت، صداقت اور عظمت کی دلیل کبھی بھی نہیں بن سکتی۔

مثلاً کوئی منکرِ خدا منکرِ حدیث یا قادیانی بنے یا قادیانی منکرِ حدیث بن جائیں تو یہ حق ہونے کی دلیل نہیں، اس کو تو لامذہب حضرات بھی تسلیم کرتے ہیں۔

ہاں واقعتاً حق کو پالینا یہ حق ہونے کی دلیل کہلائیگی۔

حجۃ اللہ فی الارض امام المناظرین حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ ایک عجیب انداز سے مذکورہ وسوسہ کا جواب دیتے تھے۔

=:=

فرماتے تھے: کہ شیطان لعین پہلے فرشتوں کی جماعت میں رہتا تھا مگر حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے ملعون و مردود ٹھہرا۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ شیطان کا فرشتوں کی جماعت کو چھوڑ کر شیطانیت کو اختیار کرلینا حق ہونے کی دلیل ہے۔

لہٰذا جس طرح شیطان کو سابق رفیق ملائکہ کہہ کر فرشتوں کی عظمت وشان میں کسی بھی قسم کی کمی نہیں آتی۔ بالکل اسی طرح کسی مفاد پرست کا حنفی کو چھوڑ کر لامذھبیہ اختیار کرلینے سے حنفی مذھب کی شان وعظمت میں کسی بھی قسم کی کمی نہیں آنے دیتی۔

جس طرح شیطان سابق رفیق ملائکہ کی ملعونیت ومردودیت میں کسی قسم کا شک نہیں، اسی طرح اُن سابق حنفیوں کی گمراہی وضلالت میں بھی کوئی شک نہیں۔

اگر ایک مسلک کو چھوڑ کر دوسرے کو قبول کرنا حق ہونے کی دلیل ہے تو ایسے بے شمار لوگ ہیں جو پہلے اہلحدیث یعنی لامذہب غیر مقلدین تھے مگر بعد میں نیچری، منکر حدیث اور قادیانی بن گئے، کیا نیچری ہونا، یا منکرِ حدیث اور قادیانی ہونا حق کی دلیل بن سکتی ہے؟

غیر مقلدین خود ہی فیصلہ کریں۔

آئیں آپ کو اُن دس حضرات کا نام بتائیں گے جو پہلے اہلحدیث یعنی لامذہب غیر مقلدین تھے مگر بعد میں نیچری، منکر حدیث اور قادیانی ہو گئے:

(1) مرزا غلام احمد قادیانی۔ یہ پہلے اہلحدیث یعنی غیر مقلد تھا۔

تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیں۔

مولانا عبدالحق بشیر خان صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی کتاب "مرزا غلام احمد قادیانی کا فقہی مذہب، حنفیت یا غیر مقلدیت۔

جس میں دلائل کے ساتھ ثابت کیا گیا ہے کہ مرزا غلام قادیانی پکا غیر مقلد تھا۔

=:=

(2)حکیم نور الدین سابق غیر مقلد۔
جو مرزا غلام احمد قادیانی کا خلیفہ اول ہے۔

(3)سکندر خان قادیانی سابق غیر مقلد۔
واضح رہے کہ یہ سکندر خان مشہور قادیانی ظفر اللہ خان قادیانی کا داماد ہے۔

(4)بابو الٰہی بخش لاہوری قادیانی، سابق اہلحدیث۔
یہ لاہور شہر کا سب سے پہلا قادیانی ہے۔

(5)مولوی احمد حسن امر ھوی سابق اہلحدیث۔
یاد رہے: مولوی احمد حسن امر ھوی جس وقت اہلحدیث تھا اس نے شیخ الہند رحمہ اللہ کے رسالہ "ادلہ کاملہ" کا برائے نام جواب بھی لکھا تھا۔
اب اہلحدیث حضرات ذرا انصاف سے کام لیکر بتائیں کیا یہ حضرات جو پہلے اہلحدیث تھے بعد میں قادیانی بن گئے کیا یہ حق پہ ہیں۔

(6)مشہور منکرِ حدیث عبد اللہ چکڑالوی سابق اہلحدیث، خطیب مسجد چینانوالی لاہور۔

(7)ماسٹر احمد دین، امر تسری قادیانی (مصنف صلوۃ الرحمان) سابق اہلحدیث ہے۔
مگر بعد میں منکرِ حدیث بن گیا۔

=÷=

(8)نیاز فتح پوری منکرِ حدیث۔
سابق اہلحدیث ہے۔

(9)سر سید احمد خان نیچری، سابق اہلحدیث۔
بقول ابو الکلام آزاد رحمہ اللہ
(بحوالہ، آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی صفحہ 368)
خود سر سید احمد خان اپنی غیر مقلدیت کا اعتراف بایں الفاظ کرتے ہیں۔
کہ میں سچ کہتا ہوں جس قدر اسلام کو نقصان تقلید نے پہنچایا ہے کسی چیز نے نہیں پہنچایا ہے۔
بحوالہ، (مکتوباتِ سر سید احمد خان صفحہ 473ج1)

(10) جماعۃ المسلمین کے امام وبانی، ڈاکٹر کیپٹن مسعود احمد عثانی کی سربراہی میں سینکڑوں اہلحدیث، اہل حدیث فرقہ کو چھوڑ کر جماعۃ المسلمین میں شامل ہو گئے۔
کیا کوئی مائی کا لال غیر مقلد یہ کہہ سکتا ہے کہ ان حضرات کا مسلک اہلحدیث کو چھوڑ کر نیچری، منکر حدیث اور قادیانی بننا حق ہونے کی دلیل ہے۔ یقیناً ہر گز نہیں۔
بحوالہ، (خاص نمبر حضرت اوکاڑوی رحمہ اللہ)
غیر مقلدین کو درد دل کے ساتھ دعوت فکر دیتا ہوں کہ خدارا تحقیق کے میدان میں قدم رکھ کر آگے بڑھنے کی کوشش ضرور کریں مگر ایسے شیطانی وساوس سے عوام کو ورغلانے کی شر انگیز محنت سے باز آجائیں۔

=:=

امام صاحب نے کونسی کتاب لکھی ہیں؟

لا مذھب غیر مقلدین آج کل عوام وخواص دونوں سے ایک سوال کرتے ہیں کہ:
کہ امام صاحب نے کونسی کتاب لکھی ہیں کتاب کا نام بتادیں، بصورت دیگر ہم ہرگز امام صاحب کی تقلید اپنانے کو تیار نہیں۔
مذکورہ اعتراض کا ایک جواب الزامی ہے دوسرا تحقیقی۔

الزامی جواب ملاحظہ فرمائیں:
یہ اعتراض سب سے پہلے منکرین حدیث نے کیا پھر اُن سے لا مذہب غیر مقلدین نے لے لیا۔ منکرین حدیث کہتے ہیں کہ اگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود حدیث کی کوئی کتاب لکھی ہو تو ہم حدیث کی اس کتاب کو مانیں گے لیکن کسی اور کی لکھی ہوئی کتاب ماننے کیلئے تیار نہیں۔
تیسری صدی ھجری میں عجم نے بخاری، مسلم، ترمذی اور ابوداؤد وغیرہ کے نام سے کتابیں لکھ کر اُن میں موجود عبارات کو احادیث کا نام دیکر اس کی نسبت آپ علیہ السلام کی طرف کردی گئی، ایسی گھڑی گئی کتب ہم ہرگز قابل اعتبار نہیں سمجھتے، یہ تھا منکرین حدیث کا اعتراض۔
بدقسمتی سے اب غیر مقلدین نے بھی منکرین حدیث کا لہجہ اپنا کر کہا کہ جی امام صاحب کی لکھی ہوئی کوئی کتاب دکھائیں بصورت ہم امام صاحب کو نہیں مانتے۔
لا مذھب غیر مقلدین سے انتہائی ادب کے پوچھنے کی جسارت کرتے ہیں کہ آپ کے دو اصول ہیں، قرآن اور حدیث۔
کیا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کہیں یہ حکم دیا ہے کہ جس نے کتاب لکھی ہو اسکی اطاعت کرنا اور جس نے کتاب نہ لکھی ہو اسکی اطاعت و پیروی نہ کرنا۔

=:=

برائے مہربانی اپنے دو اصول سے جواب عنایت فرمائیں۔
اگر قرآن و سنت میں کہیں یہ شرط موجود نہیں تو تم غیر مقلدین اپنی طرف سے یہ شرط لگا کر بدعت کا دروازہ کیوں کھول رہے ہو۔
آپ حضرات کی اس شرط کو دیکھ کر اگر شیعہ میدان میں آکر کہیں کہ: خلفائے راشدین کی اطاعت اور صحابیت تب قابل تسلیم ہے جب انکی ہاتھ سے لکھی ہوئی حدیث یا تفسیر کی کوئی کتاب دکھاؤ گے ورنہ انکی اطاعت اور صحابیت ہرگز ماننے کے لائق نہیں۔ تو اس وقت آپ اپنے بے اصول شرائط پر کتنا ماتم کرو گے، کیا تم اُنہیں خلفاء ثلاثہ (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) کے ہاتھ سے لکھی ہوئی کتاب دکھا سکتے ہو؟

اسی طرح اگر کوئی کہہ دے کہ آپ بخاری، مسلم اور دیگر کتب حدیث میں اُن راویوں کی روایاتِ حدیث تسلیم کریں جنہوں نے حدیث یا تفسیر کی کتابیں لکھی ہوں اور جن راویوں نے کتابیں نہیں لکھی ہو اُن کی روایت حدیث کا کوئی اعتبار نہیں لہذا ان روایات کو نہ مانو۔
ایمانداری سے بتائیں: تم اُنہیں کیا جواب دو گے؟ یقیناً اس وقت تم اپنے خانہ زاد اصول کو چھوڑ دیں گے نہ کہ کتب حدیث میں رایوں کی مرویات۔

اسی طرح دنیا نے کوئی ایسا بے وقوف آج تک نہیں دیکھا ہو گا جو یہ کہے کہ میں تو اس شخص کو جج مانونگا جس نے قانون کی کوئی کتاب لکھی ہو،
یا یوں کہے کہ میں اس حکیم و ڈاکٹر کو مانونگا جس نے ڈاکٹری یا طب کی کوئی کتاب لکھی ہو۔
یا میں اس باورچی کی پکی ہوئی روٹی کھاؤں گا جس نے کھانوں کی کوئی کتاب لکھی ہو۔
یا کوئی یہ کہے کہ میں ہرگز اس حلوائی کی مٹائی نہیں کھاؤنگا جس نے مٹھائیوں پر کتاب نہ لکھی ہو۔

=:=

یا اس حجام سے حجامت نہیں بنواؤنگا جس نے فن حجامت پر کتاب نہ لکھی ہو۔
غیر مقلدین سے درخواست ہے کہ اپنے اس اصول کو پہلے روزمرہ کی زندگی میں عام کریں تاکہ لوگ ان کو پاگل خانے میں داخل کروائیں اور شریعت نبویہ ان کے خانہ زاد اصول سے شہادت کا مرتبہ نہ پائیں۔

* تحقیقی جواب ملاحظہ فرمائیں *
علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے "تبييض الصحيفه" میں مستقل ایک باب باندھا ہے کہ:
امام صاحب رحمہ اللہ سب سے پہلے شریعت کو مدوّن یعنی لکھنے والے ہیں، اور سب سے پہلے انہوں نے "کتاب الشرائط" اور "کتاب الفرائض" لکھی۔
علامہ سیوطی رحمہ اللہ اس کے تحت مزید لکھتے ہیں کہ: امام مالک رحمہ اللہ نے تبویب شریعت میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی پیروی کی ہے۔
(تبييض الصحيفه صفحه 91)

امام عبد القاہر بغدادی رحمہ اللہ "اصول الدین" میں لکھتے ہیں کہ:
اولُ متکلمی اهلُ السنة من الفقهاء ابو حنيفة آلّفَ فيه الفقه الاكبر والرسالة فی نصرة اهل السنة۔
یعنی اہل سنت فقہاء میں سے اول متکلم امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ ہے جنہوں نے علمِ کلام میں فقہ اکبر اور الرسالہ تالیف کی ہے۔

اسی طرح امام کمالدین بیاضی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:
ابو حنيفة اوّلُ مَن دوّنَ اصولَ الدينيةّ۔

=:=

یعنی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ پہلا وہ شخص ہے جس نے اصولِ دین لکھے۔
(اشارات المرام ص19)

اسی طرح صدر الائمہ موفق بن احمد مکی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ:
وانتخب ابو حنیفة رحمه الله الآثار من اربعین الف حدیث۔
یعنی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے کتاب الآثار کا انتخاب چالیس ہزار احادیث سے کیا ہے۔
(مناقبُ الامام الاعظم ص95، طبع کوئٹہ)

اسی طرح ایک جگہ علامہ کمال الدین امام بیاضی رحمہ اللہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے پانچ کتب کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
ومِنَ الکتب المتوارثة عن ابی حنیفة فی العقیدة الفقه الاکبر۔
یعنی امام صاحب نے عقیدہ میں فقہ اکبر کے نام سے کتاب لکھی ہے۔
علامہ بیاضی رحمہ اللہ نے اس کتاب کا سند بھی ذکر کیا ہے کہ اس کتاب کو علی بن احمد الفارسی نے نصیر بن یحیٰی سے، اس نے ابو مقاتل سے اور اس نے عصام بن یوسف سے، اس نے حماد بن ابی حنیفہ سے اور حماد نے اپنے والد سے روایت کیا ہے۔
آگے علامہ بیاضی رحمہ اللہ دوسری کتاب کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
وکتاب الفقه الابسط روایةُ ابی زکریا یحییٰ بن مطرف بطریق نصیر بن یحییٰ عن ابی مطیع عن ابی حنیفة.
یادرہے! یہ الفقہ الابسط نامی کتاب کبھی کبھار فقہ اکبر کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے اور یہ ابو مطیع بلخی کی روایت سے نقل ہے۔

=÷=

اختصار کی خاطر سندات کو چھوڑنے صرف کتب کے نام ذکر کرنے پہ اکتفاء کرتے ہیں۔

تیسری کتاب کے متعلق لکھتے ہیں:

والعالِمُ والمُتعلِّمُ۔

چوتھی کتاب کے متعلق لکھتے ہیں:

ورسالۃ ابی حنیفۃ الی البتی۔

پانچویں کتاب کے متعلق لکھتے ہیں:

ولابی حنیفۃ وصایا اُخریٰ لعدۃ من اصحابہ۔

بہرحال امام صاحب کی کل پانچ کتابیں ہیں۔

(1)الفقہ الاکبر

(2) الفقہ الابسط

(3)العالم والمتعلم

(4)رسالۃ ابی حنیفۃ الی عثمان بتی۔

(5) وصایا امام اعظم رحمہ اللہ

تفصیل کیلئے علامہ بیاضی رحمہ اللہ کی مشہور زمانہ کتاب "اشارات المرام" ملاحظہ فرمائیں۔ہذا یہ کہنا کہ امام صاحب کی کوئی کتاب نہیں ہے یہ صرف جہالت ونادانی ہے اور کچھ نہیں۔

=÷=

اسی طرح "تبییض الصحیفہ" میں علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ ایک عجیب حکایت نقل کیا ہیں کہ:

ابو سلیمان جوزجانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھے بصرہ کے قاضی احمد بن عبد اللہ نے کہا کہ ہم علم شروط کی بصیرت اہل کوفہ سے زیادہ رکھنے والے ہیں، ابو سلیمان جوزجانی فرماتے ہیں کہ میں نے ان سے کہا علماء کیلئے انصاف بہت عمدہ شئی ہے، اس فن کو تو وضع ہی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے کیا۔ تم نے اس فن میں کچھ کمی وزیادتی کی ہے اور اچھی عبارات سے اسکی تعبیر کی ہے لیکن امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے پہلے اپنی اور اہل کوفہ کی شروط تولا کر دکھاؤ۔

تو قاضی صاحب خاموش رہ گئے، تھوڑی دیر قاضی صاحب نے فرمایا کہ میں بہ قسم کہتا ہوں کہ حق کو تسلیم کر لینا زیادہ اچھا ہے۔ یعنی واقعتاً علم الشروط فن کا واضع (مؤجد) والا امام اعظم رحمہ اللہ ہی ہے۔

لیجئے غیر مقلدین تو کتاب کو روتے تھے حالانکہ یہ تو فنون کے مؤجد نکلے۔ فللہ الحمد

اللہ تعالیٰ ہمیں بغض وعناد سے نجات عطاء فرمائے۔

=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=

احناف کن مسائل کے جواب دہ ہیں؟

اصحاب بصیرت کو یہ بات بخوبی معلوم ہے کہ ہمارے ہاں لوگوں کو راہ راست سے ہٹانے کیلئے شکاری جس خطرناک جال وقفص کو استعمال کرتے ہیں بد قسمتی سے ظالم شکاری نے اُس جال وقفص کا نام لفظ تحقیق رکھا ہے۔ اکثر لکھے پڑھے حضرات تحقیق کا نام سنت ہی راہ راست سے بھٹک جاتے ہیں۔ اور پھر یہ ان پڑھ تحقیق تحقیق کے نام پہ اُن مسلمہ واتفاقی مسائل کو اختلافی بنانے کی کوشش کرتے ہیں جو صدیوں سے اتفاقی چلے آرہے ہیں۔ جن پر ہزاروں فقہاء اکرام، محدثین اور متکلمین اسلام کا اتفاق ہے مگر آج ہر نام نہاد محقق نے مارکیٹ میں نام بڑھانے کی خاطر ان متفق مسائل پہ اعتراضات کی بوچاڑ شروع کر رکھا ہے۔ حالانکہ فقہ حنفی کے اپنے قوانین واُصول موجود ہے اصول کو مد نظر رکھ اگر اعتراض کیا جائے۔ تو کوئی بھی برا نہیں مانتا۔ مگر اب تو ہر ایک اصول کو پاؤں تلے روندتے چلے آرہے ہیں۔ منکرین حدیث اور منکرین فقہ سے تعلق رکھنے والے اکثر حضرات فقہ حنفی سے لوگوں کو یہ ظن کرنے کی خاطر کہتے ہیں کہ فقہ حنفی کا فلان فلان مسئلہ قرآن وسنت کے خلاف ہے۔

یاد رکھے۔ فقہ حنفی پر اعتراض کرنے کیلئے شرط یہ ہے کہ معترض جس قول پر اعتراض کر رہا ہو وہ قول مفتی بہ او معمول بہ ہو یعنی اس پر با قاعدہ مفتیان کرام نے جواز کا فتویٰ دیا ہو اور اس قول و مسئلے کو ہمارے احناف نے عملی جامہ بھی پہنایا ہو۔ جو مسائل نہ مفتی بہا ہو اور نہ ہی معمول بہا، تو ان پر اعتراض کرنا ایسا ہے جیسے کہ منکرین حدیث کا موضوع احادیث پر اعتراض کرنا بہر حال مقصود کی طرف اتا ہوں۔

احناف کے مسائل تین قسم پر ہیں۔

(1) ظاہر الروایت۔ (2) نوادر (3) نوازل یا فتاویٰ

اب ہر ایک تشریح سمجھے۔ ظاہر الروایہ سے وہ مسائل مراد ہے۔

جو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے متواتراً ثابت ہیں اور یہی اصل مذہب ہیں۔
امام محمد رحمہ اللہ نے ایسے مسائل کو اپنی چھ کتب میں جمع کئے ہیں۔اُن چھ کتب کے نام یہ ہیں جامع الصغیر، جامع الکبیر، السیر الصغیر، السیر الکبیر، کتاب الاصل، اور زیادات.
پھر اصحاب متون نے ان کتب کے مسائل کو نئی کتابوں میں متن بنا کر اسکی تشریح کی ہے۔مثلاً قدوری
،ہدایہ، ردالمختار
،نقایہ، وقایہ اور کنز یہ متون معتبرہ کہلاتے ہیں۔معترض کو اگر اعتراض کرنے کا شوق ہو تو متون معتبرہ کے ان مسائل پر اعتراض کرے جو مسائل تغیر زمان یا ضرورت شرعی کی وجہ متروک نہ ہو۔
(2) نوادر۔یہ وہ مسائل کہلاتے ہیں جن کی نسبت اگرچہ امام صاحب کی طرف ہی کی جاتی ہے لیکن امام صاحب سے متواتراً ثابت نہیں۔
بلکہ خبر واحد سے سند صحیح یا ضعیف یا پھر بلا سند کے امام صاحب کی طرف منسوب ہیں ان کے مقبول ہونے کی دو شرطیں ہیں۔

(1) ظاہر الروایہ کے خلاف نہ ہو۔کیونکہ خبر واحد صحیح بھی اگر متواتر کے مقابل ہو تو قبول نہیں کی جاتی۔

(2) وہ قول مفتی بہ ہو ان کا ذکر عام طور پر شروح میں ملتا ہو۔

(3) نوازل یا فتاویٰ۔یہ وہ مسائل کہلاتے ہیں جو صاحب مذہب سے نہ تو متواتراً منقول ہوتے ہیں اور نہ ہی خبر واحد کے ساتھ۔بلکہ بعد میں کوئی واقعہ یا حادثہ پیش آیا صاحب مذہب سے خاص وہ جزئی منصوص نہ ملی تو امام صاحب کے اُصول کے ماتحت اُس کا حکم مستنبط کیا گیا۔

=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=

یہاں شرط یہ ہے کہ وہ استنباط مذہب کے خلاف نہ ہو یعنی نزول و فتاویٰ میں جو اقوال جمہور ائمہ احناف کے نزدیک مفتی بہا ہو وہ مذہب کہلائیگا اور باقی غیر مفتی بہا اقوال غیر مذہب کہلائینگے۔

خلاصہ یہ نکلا۔ کہ احناف صرف اُن مسائل کے جواب دہ ہیں۔ جو ظاہر الروایہ ہو یعنی جو امام محمد کی چھ کتب میں موجود ہو یا جسکو اصحاب متون نے نقل کیا ہو۔ اور شروح و فتاویٰ کے صرف وہ مسائل مذہب ہیں جو مفتی بہا ہو مخالف مذہب اور اقوال شاذہ کو مذہب کہنا نقل مذہب میں خیانت ہیں۔

مزید تفصیل کیلئے تجلیات صفدر کا مطالعہ کیجئے۔

=÷=

مسلکی اختلاف اور ہماری کمزوریاں:

فروعی مسائل میں اختلاف دور صحابہ میں بھی تھا، آج بھی یہی چیز قائم ہے اور یہ تاقیامت رہے گا۔۔۔اہم اور ضروری یہ ہے کہ ہم حدودِ اختلاف کو پہچان لیں۔۔۔۔۔اختلافِ نظر کا مطلب لعن طعن، گالی گلوچ نفرت اور کسی کی خوامخا پگڑیاں اچھالنا ہرگز نہیں۔جیسے کہ آج کل اکثر وبیشتر ہم اس چیز کے مرتکب ہورہے ہیں۔

آج جب بھی کسی مسئلے میں کسی کے ساتھ ہمارا اختلاف آتا ہے تو ہم چند سنگین اغلاط کے مرتکب ہوتے ہیں۔

سب سے پہلے ہم ان کیلئے غلط نام کا انتخاب کرتے ہیں تاکہ سوشل میڈیا میں لوگ اسکو بجائے اپنے خوبصورت نام کے غلط نام سے پکارنے لگ جائے۔حالانکہ یہ انتہائی سخت گناہ ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: بئس الاسم الفسوق بعد الایمان

یعنی ایمان کے سب سے بڑا گناہ کسی کو برے نام سے پکارنا ہے۔

دوسرا کام یہ کیا جاتا ہے کہ فریق مخالف کے ساتھ بجائے علمی جنگ کے ذاتیات کی جنگ لڑی جاتی ہے ڈھونڈ ڈھونڈ کے ان کی انفرادی اور پوشیدہ گناہ کو سوشل میڈیا کی زینت بنادیا جاتا ہے۔

جبکہ حدیث میں اس پر سخت وعید آئی ہے:

عن سالم عن ابیہ اَنّ رسولَ اللہ علیہ وسلم قال؛ مَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَہُ اللہُ یومَ القیامۃِ(مسلم،ابوداود،ترمذی)

حضرت سالم رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جس نے کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی اللہ تعالیٰ اس کی روزِ قیامت پردہ پوشی کرے گا۔

=÷=

اب ذرا سوچیں: جس کام میں ہم لگے ہوئے ہیں کیا ان کو پردہ پوشی کا نام دیا جاسکتا ہے یا آبرو ریزی کا؟ کیا یہ سنگین گناہ نہیں؟

کیا اس جنگ کو دلائل کی جنگ کہا جاسکتا ہے؟ کیا ہمارے اکابرین کا فریق مخالف کے ساتھ یہی برتاؤ اور طریقہ تھا؟

تیسرا کام یہ ہوتا ہے کہ جنگ کو گرم کرنے کے بعد اپنے متعلقین اور تلامذہ کو اسپر لگایا دیا جاتا ہے کہ جی لگے رہو اب مقابلہ اور توہین تمہارا کام ہے چاہیے فریق مخالف اونچے درجے کی شخصیت ہی کیوں نہ ہو ہم اپنے کم علم متعلقین سے اسکی پگڑی اچھالتے رہتے ہیں۔ بسا اوقات اختلاف کسی بڑے عالم اور شیخ سے ہی آتا ہے ہمارے متعلقین نافہمی اور جزبات میں اس کی توھین کرنے لگ جاتے ہیں۔

تفسیر کبیر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ایک عبارت میں یوں آتا ہے:

مَنْ اَهَانَ العالمَ فقدْاَهانَ العِلمَ ومَنْ اهان العلمَ فقدْ اهان النبیَ ومنْ اهان النبیَ فقدْ اهان جبرئیلَ ومن اهان جبرئیلَ فقد اهان اللهَ ومن اهان اللهَ اهانَهُ اللهُ یومَ القیامةِ.(تفسیر کبیر ج ا ص ۲۸۱)

ترجمہ:

جس نے عالم کی توہین کی تحقیق اس نے علم کی توہین کی۔ اور جس نے علم کی توہین کی تحقیق اس نے نبی کی توہین کی۔ اور جس نے نبی کی توہین کی یقیناً اس نے جبرئیل کی توہین کی۔ اور جس نے جبرئیل کی توھیہبکی تحقیق اس نے اللہ کی توہین کی۔ اور جس نے اللہ کی توہین کی قیامت کے دن اللہ اس کو ذلیل ورسوا کرے گا۔۔۔ سوچنے کی بات ہے اگر کوئی انسان اس گناہ کے علاوہ کوئی اور گناہ نہ کرے بس یہی گناہ اس کیلئے کافی ہے۔

=÷=

بد قسمتی سے آج معاشرے میں بہت حد تبدیلی آچکی ہے مسلک کا خادم اسی کو سمجھا جاتا ہے جو انتہائی بے ادب، بد اخلاق اور فحش گو ہو، حالانکہ اہل علم اور سنجیدہ حضرات بخوبی اس بات کو جانتے ہیں کہ ایسے افراد در حقیقت مسلک کیلئے بدنامی کا سبب بن چکے ہیں۔

آخیر میں بس اتنا ہی کہنا چاہونگا کہ اگر واقعی کوئی اختلافات میں راہ اعتدال کو اپنانا چاہتے ہیں تو انہیں علماء دیوبند کی پیروی کرنی پڑے گی یقین کیجئے اس حوالے سے آج کے دور میں علماء دیوبند سے زیادہ کسی کو معتدل نہیں پایا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں علم و عمل، اخلاص و تقویٰ، ادب اور ایک دوسرے کا احترام نصیب فرمائے۔

=÷=

لفظِ خدا کا استعمال:

اس اہم مقالہ میں چار ابحاث سے کلام مقصود ہیں۔
مبحث اول: لفظِ خدا کے جواز پر دلائل
مبحث دوم: کیا اسماء حسنیٰ اجتہادی ہیں یا توفیقی؟
مبحث سوم: اسلاف کے نام میں لفظِ خدا
مبحث چہارم: لفظِ خدا کے جواز پر امت کا اجماع
مبحث پنجم: لفظِ خدا کے جواز کے متعلق ایک اہم قاعدہ

لامذہب غیر مقلدین اور جماعت المسلمین والے انتشار پھیلانے کی خاطر اب یہ مسئلہ چھیڑنے لگے ہیں کہ:
اللہ تعالیٰ کو خدا کہنا ناجائز بدعت اور حرام ہے۔ کیونکہ یہ نام اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں موجود نہیں ہے۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی سنت لفظ اللہ تعالیٰ کا استعمال ہے۔
لہٰذا * اللہ تعالیٰ * نام ہی استعمال کرنا سنتِ مؤکدہ ہے۔ لفظِ خدا کا استعمال کرنا خلافِ سنت اور گناہ ہے۔

مبحث اول:
جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیر القرون کا زمانہ بہترین زمانہ قرار دیا ہے۔ (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ، صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین کا زمانہ)
آئیں: خیر القرون کے ایک عظیم محدث سے اس کا جواز نقل کرتے ہیں۔
دلیل اول۔

=÷=

چوتھی اور پانچویں صدی کے محدث شافعی مسلک کے مشہور فقیہ امام اللالکائی رحمہ اللہ اپنی کتاب "شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ" میں صحیح سند کے ساتھ لکھتے ہیں کہ:

دسّ الجهيميةُ الی ابن المبارکِ رجلاً فقال یا عبدَالرحمن خدارا بآنجهان چون بینند قال بچشم یعنی کیف نریٰ ربنا یومَ القیامۃِ قال بالعین۔

(شرح اعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ ج3 ص559)

یعنی ایک آدمی نے عظیم محدث وفقیہ ابن المبارک رحمہ اللہ سے پوچھا: اے ابو عبد الرحمن خدا کو اس جہان میں کیسے دیکھیں گے (سائل نے لفظِ خدا استعمال کیا)

تو عبد اللہ ابن المبارک رحمہ اللہ نے جواب میں فرمایا: آنکھ سے دیکھیں گے۔

استدلال اول۔

اگر لفظِ خدا کا استعمال کرنا ناجائز ہوتا یا غلط مفہوم رکھتا (جیسے کہ جماعت المسلمین والے کہتے ہیں کہ یہ مجوسیوں کے معبود کا نام ہے) تو امام اللالکائی رحمہ اللہ کم از کم اس روایت میں موجود لفظِ خدا کے خلاف کچھ لب کشائی تو ضرور کرتے، اب اس کے خلاف کچھ نہ کہنا یہ لفظِ خدا کے جواز پر صریح دلیل ہے۔

رہ گئی یہ بات کہ لفظِ خدا مجوسیوں کے معبود کا نام ہے تو یہ بات ہمیں کوئی نقصان نہیں دیتا، کیونکہ مشرکینِ مکہ اپنے بتوں کو رب کہتے تھے تو کیا اب ہم اپنے رب کو رب کہنا چھوڑ دینگے؟ ہر گز نہیں۔

استدلال ثانی۔

سائل کو جواب دینے والا مشہور محدث وفقیہ عبد اللہ ابن المبارک رحمہ اللّٰہ ہے، یہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مائناز شاگرد ہے اسکی تاریخ پیدائش 118ھ اور تاریخ وفات 181ھ ہے، متقدمین میں سے ہے اور اس زمانہ کے ہے جس کے خیر ہونے کی گواہی خود آپ علیہ السلام نے دی ہے۔

=÷=

اگر لفظِ خدا کا استعمال ناجائز ہوتا تو جواب دیتے وقت عبد اللہ ابن المبارک رحمہ اللہ ضرور سوال کرنے والے کو ٹوکتے کہ لفظِ اللہ تعالیٰ استعمال کر۔ لفظِ خدا کا استعمال شرعاً صحیح نہیں یہ خلافِ سنت ہے۔ مگر آپ نے اس لفظ کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں کہا جس سے پتہ چلتا ہے کہ لفظِ خدا اُس وقت بھی زیر استعمال تھا۔

اور اس وقت اس پر محدثین، وفقہائے کرام کا تنقید نہ کرنا اِس کے خلاف کسی روایت کا نقل ہونا بس یہی اس کے جواز اور اجماع کی دلیل ہے۔

دوسری دلیل۔ مشہور محقق امام ابن الجوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

علی بن المثنیٰ قال سمعت عمی یقول سمعت ابی یقول سمعت ابایزید یقول رأیتُ رب العزّۃ تبارک وتعالیٰ فی المنام فقلتُ یا بارخدا کیف الطریق الیک قال اترک نفسک وتعال۔(صفۃ الصفوۃ ج2 ص246)

علی بن المثنیٰ اپنے چچا سے اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میرے والد نے فرمایا میں حضرت ابویزید بسطامی رحمہ اللہ سے سنا، فرمارہے تھے کہ میں نے خواب میں اللہ رب العزت کی زیارت کی تو عرض کیا اے عزت والے خدا (دیکھئے لفظِ خدا کہہ کر اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں) آپ تک پہنچنے کا راستہ کیسے ملے گا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اپنی خواہشات کو چھوڑ دو اور آجا۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے ولی اللہ ہے، خواب کے اندر اللہ تعالیٰ کی دربار میں ہی اللہ تعالیٰ کو "خدا" کہہ کر عرض پیش کرتے ہیں۔ اب فیصلہ آپ حضرات پر ہی چھوڑ دیتے ہیں کیا جواز کیلئے اس سے زیادہ بہتر ثبوت ہو سکتا ہے؟

پھر امام ابن الجوزی رحمہ اللہ جیسے مشہور متشدد فقیہ و محدث نے اس روایت کو لکھ کر لفظِ خدا کے خلاف کوئی ایک کلمہ بھی نہیں لکھا، کیا یہ جواز کی دلیل نہیں ہے؟

=÷=

کیا کہا جاسکتا ہے کہ امام ابن جوزی رحمہ اللہ کو لفظِ خدا کا معنی و مفہوم معلوم نہیں تھا؟

یادر کھئے: غیر مقلدین اور جماعت المسلمین والے بعض اوقات یوں دھوکہ دیتے ہیں کہ: لفظِ اللہ تعالیٰ اسمِ ذات ہے اور اسمِ ذات کا ترجمہ نہیں ہوا کرتا۔

اسمِ ذات ہر زبان میں یکساں رہتا ہے جیسے عبد اللہ کو پکارتے وقت ہم اس کا ترجمہ نہیں کرتے کہ اے اللہ کے بندے آجا۔ لہذا لفظِ خدا کو لفظِ اللہ تعالیٰ کا ترجمہ سمجھ کر آدا کرنا بالکل غلط ہے۔

دراصل یہ اشکال ایک غلط فہمی پر مبنی ہے کیونکہ منکرین نے لفظِ خدا کو لفظِ اللہ تعالیٰ کا ترجمہ سمجھ کر رکھا ہے جبکہ ہم اہل السنت اس کو لفظِ اللہ تعالیٰ کا ترجمہ نہیں سمجھتے۔

اسمِ ذات کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے کئی صفاتی نام اور بھی ہیں اور ہم اس کو صفاتی نام مثلاً رب، مالک اور واجب الوجود کا ترجمہ سمجھتے ہیں۔

جیسے کہ معجم البلدان ج3 ص173 میں بھی یہی لکھا ہے کہ "خدا بالفارسية المالك" یعنی فارسی میں خدا مالک کے معنی میں ہے۔

اسی طرح امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے تفسیر کبیر میں لفظِ خدا کو واجب الوجود کا معنی قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

خدائ معناہ انه واجب الوجود لذاته۔(تفسیر کبیر ص101)

یعنی فارسی میں لفظِ خدائ کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ واجب الوجود ہے، ایک دو لکیر کے بعد امام رازی رحمہ اللہ لفظِ خدا کے متعلق فرماتے ہیں کہ اس میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اپنے وجود میں غیر کے بغیر آئی ہے اس معنی کے اعتبار سے خدائ کا معنی ہے کہ وہ لذاتہ موجود ہوا۔

لہذا صفاتی نام کا ترجمہ بالاتفاق جائز ہے۔

مبحث دوم

کیا اسماء حسنیٰ اجتہادی ہیں یا توقیفی؟

اللہ تعالیٰ کے اسماء کے توقیفی ہونے نہ ہونے میں اختلاف ہے،اس کی تفصیل امام رازی رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ "لوامع البینات" میں ذکر کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء توقیفی ہیں یا اجتہادی؟

توقیفی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بتانے پر موقوف ہوں۔یعنی اللہ تعالیٰ نے بتایا تو ہم نے جانا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء ہیں۔اور اجتہادی کا مطلب یہ کہ علماء نے اجتہاد سے کام لے کر اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی اسم یا صفت وضع کرلی ہو۔امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اہل السنت والجماعۃ کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے سارے نام توقیفی ہیں اور معتزلہ ان کو اجتہادی کہتے ہیں۔(الفرق بین الفرق ص326)

امام غزالی رحمہ اللہ نے موازنہ کرتے ہوئے فیصلہ صادر کیا کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء توقیفی ہیں اور صفات اجتہادی ہیں۔مثلاً اللہ تعالیٰ کے اسماء میں طبیب موجو نہیں؛اس لئے یا طبیب نہ کہے؛البتہ اللھم انت الطبیب المداوی کہہ سکتا ہے۔ھذہ خلاصۃ ما قالہ البھیقی فی الاسماء و الصفات(ج 1 ص217)

اور علامہ مناوی رحمہ اللہ نے "فیض القدیر" میں لکھا ہے:

تسمية الله بالطبيب اذا ذكره في حالة الاستشفاء،نحو امت المداوي،انت الطبيب سائغ،ولا يقال ياطبيب، كما يقال:ياحكيم؛لان اطلاقه عليه متوقف على توقيف.(فيض القدير؛رقم:١٣٣٥/

وانظر:لوامع البينات ص١٨ و٢٩/وحاشية الصاوي على جوهرة التوحيد،ص ٢١٣)

اسماء اللہ اور صفات اللہ میں فرق:

بدر اللیالی شرح بدء الامالی جلد اول کے اندر مولانا مفتی رضاء الحق صاحب لکھتے ہیں کہ:

=÷=

کے اسم وہ ہے جس کے الفاظ قرآن وحدیث میں وارد ہوں۔صفت وہ ہے جس کے معنی اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہوں لیکن وہ الفاظ ثابت نہ ہوں۔

(بدر اللیالی شرح بدء الامالی،ج1 ص 33، للشیخ مفتی رضاء الحق حفظہ اللہ، شیخ الحدیث ومفتی دار العلوم زکریا،جنوبی افریقہ)

مسند الہند امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ اور دیگر اکابرین علمائے اسلام نے اپنی کتب میں اس لفظ کو بہت استعمال کیا ہے،خود جماعت المسلمین کے بانی پروفیسر مسعود احمد بی ایس سی نے اپنے رسائل میں اللہ تعالیٰ کو پروردگار کہا ہے جو کہ فارسی کا لفظ ہے اور رب العالمین کا ترجمہ ہے۔

دیکھئے ان کی کتاب (یہ مزار یہ میلے ص9)

مبحث سوم:

اسلاف کے نام میں لفظِ خدا:

اتاریخ کو اٹھا کر دیکھئے بڑے بڑے محدثینِ اسلاف کے نام میں لفظِ خدا ملتا ہے۔

(1)تاریخ بغداد میں ایک محدث کا تذکرہ ہے جس کا نام ہے "ابو الحسین خدا دوست اصفہند دیلمی"

(تاریخ بغداد ج19 ص89)

(2)اسی طرح التدوین فی اخبار قزوین میں پانچویں صدی کے ایک فقیہ کا نام "خداداد بن عاصم نسوی" لکھا ہوا ہے۔

(التدوین فی اخبار قزوین ج2 ص487)

=÷=

(3)اسی طرح اسی کتاب میں ایک فقیہ کا تذکرہ موجود ہے جس کا نام ہے "خدا دوست بن موسیٰ دیلمی الفضل"

(التدوین فی اخبار قزوین ج2 ص487)

جستجو کرنے سے بے شمار نام اسلاف ہی کے ایسے ملینگے جس میں لفظِ خدا موجود ہیں۔ اگر یہ لفظ ناجائز ہوتا تو محدثین اور فقہاء کرام کبھی بھی اس لفظ کو بطور نام اپنے لئے پسند نہ کرتے اور نہ ہی اس کا استعمال کرتے۔

مبحث چہارم:

لفظِ خدا کے جواز پر امت کا اجماع:

شرح العقائد کی مایناز شرح شرح نبراس میں لکھا ہے۔

فإن قيل فكيف يصح اطلاقُ الموجود والقديم ونحو ذلك كلفظ خدا بالفارسية مما لم يرد بها الشرع،قلنا بالاجماع وهو من ادلّة الشرع۔

(بحوالہ کتاب، اللہ وحدہ لاشریک کی 148)

یعنی اگر یہ سوال کیا جائے کہ جو نام وصفات شریعت یعنی قرآن وسنت میں مذکور نہیں مثلاً لفظِ موجود، قدیم اور دوسرے نام جیسے فارسی میں لفظِ خدا، جن کے بارے میں کوئی حکم منقول نہیں اُن کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر کیسے ہیں یعنی جائز ہے یا ناجائز؟

کہتے ہیں ہم جواب میں کہینگے کہ ان کا جواز اجماع سے ثابت ہے اور اجماع دلائل شرعیہ میں سے ایک دلیل ہے لہذا اس حوالے سے ثابت ہوا کہ لفظِ خدا کا اللہ تعالیٰ کیلئے استعمال کرنے پر امت کا اجماع و اتفاق ہیں۔

مبحث پنجم: ایک اہم قاعدہ

=÷=

جب ایک رایہ و عمل پہلے سے چلا آرہاہوں اور کسی معتبر و مستند عالم سے اس کے متعلق اختلاف نقل نہ ہوں تو یہ بھی اجماع کی دلیل ہے۔

دیکھئے: شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ ایک جگہ لکھتے ہیں:

ذکَرَ بنُ عبدِالبر أنہ اجماع من اہل العلم وذلک لانہ لم یوجد منھم اختلاف۔

یعنی امام عبد البر رحمہ اللہ نے ایک مسئلے کے متعلق فرماتے ہیں کہ اس پر علمائے کرام کا اجماع ہے، کہتے ہیں کہ اس کو اجماع اس بناء پر فرمایا کہ علماء کرام سے اس بارے میں اختلاف منقول نہیں۔

(اوجز المسالک ج9 ص415)

اسی طرح علامہ ابن حجر عسقلانی شافعی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

واطلاق الرافعی الاجماع باعتبار أنھما لایعرف لھما فی ذلک مخالف۔

(التلخیص الحبیر ج4 ص509)

یعنی امام رافعی رحمہ اللہ نے جو فرمایا کہ اس مسئلے پر اجماع ہے، تو اجماع اس بناء پر کہا کہ یہاں کوئی اختلاف کرنے والا نہیں۔

بحوالہ (از، افاداتِ مولانا مجیب الرحمٰن صاحب ڈیروی / اسلام کے نام پر ھوا پرستی للشیخ مولانا نور محمد تونسوی / بدر اللیالی شرح بدء الامالی جلد اول،
للشیخ مفتی رضاء الحق صاحب، شیخ الحدیث و مفتی دار العلوم زکریا، جنوبی افریقہ۔)

=:=

اہل باطل کی کتب دیکھنے کی نقصانات حکیم الامت کی نظر میں:

بہت سے ساتھی بغیر تحقیق کئے اہل باطل کی کتب کا مطالعہ کرتے ہیں، حالانکہ یہ مناسب نہیں۔
بسا اوقات کسی بھی کتاب کا مطالعہ غیر محسوس طریقے سے انسان کو اپنی جانب مائل کرتا ہے اور بسا اوقات انسان اس سے متاثر ہو جاتا ہے جس کا اثر آدمی کے اعمال وافکار پر ظاہر ہوتا ہے۔
بعض اوقات پہلے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ امر غلط ہے، مگر بعض مصنفین کا طرزِ بیان ایسا تلبیس آمیز یا دل آویز ہوتا ہے کہ دیکھنے والا فی الفور اس سے متاثر ہو جاتا ہے، اور اس کے مقابلہ میں اپنے پہلے اعتقاد کو ضعیف اور بے وقعت خیال کر کے اُس کو غلط اور اِس کو صحیح سمجھنے لگتا ہے۔
اور نہ سہی کم از کم اپنے عقائد کے متعلق شک میں تو ضرور پڑتا ہے۔
فرقِ باطلہ کی کتب کا مطالعہ ان کے باطل نظریات سے آگاہی اور ان کی تردید کے لیے فقط ان لوگوں کو کرنے کی اجازت ہے جو اپنے ایمان و نظریات کے اعتبار سے پختہ اور علم میں رسوخ و مہارت رکھتے ہوں، ہر فرد کے لیے فرقِ باطلہ کی کتب کا کسی بھی حوالے سے مطالعہ یا استفادہ خطرہ کا باعث بن سکتا ہے، اس سلسلہ میں حضرت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے اہل باطل کی کتب دیکھنے کی بہت سے نقصانات لکھے ہیں، لیکن ایک اہم شرعی دلیل سے ایک عجیب استدلال کیا ہے پہلے وہ شرعی دلیل ملاحظہ فرمائیں۔

شرعی دلیل:

فرماتے ہیں کہ: یہ ہی وجہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے راسخ العلم والعمل شخص کو توراۃ کے مطالعہ سے منع فرمادیا، باوجودیکہ فی نفسہٖ آسمانی کتاب تھی گو اس میں تحریف بھی ہوگئی تھی، اور پھر مطالعہ بھی تنہا نہ تھا، بلکہ خود حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا رہے تھے

اور اس میں محرف حصہ کا متعین ہو جانا ظاہر تھا، اس کے بعد کسی فساد کے ترتب کا احتمال نہ تھا، اس کے باوجود پھر بھی اس مصلحت سے کہ آئندہ کو یہ عمل مفاسد کا دروازہ کھل جانے کا سبب نہ بن جائے کس سختی سے منع فرمایا، اور کیسی ناخوشی ظاہر فرمائی جیسا کہ دارمی کی حدیث میں مذکور ہے"۔(اصلاح انقلاب ص۲۸)"۔

رہبر کے مشورہ کے بغیر ہر نئی کتاب یا مخالفین کی کتابیں نہ دیکھنا چاہیے:

"میں خیر خواہی کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ نئی کتابیں نہ دیکھا کیجیے، خواہ مخواہ کوئی شبہ دل میں بیٹھ جائے گا جس کا حل آپ سے نہ ہو سکے گا تو کیا نتیجہ ہو گا، لوگ اس کو معمولی بات سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم پکے خیال کے آدمی ہیں ہمارے اوپر کیا اثر ہو سکتا ہے، مگر اس قصہ میں ان کو غور کرنا چاہیے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو توریت اچھی معلوم ہوئی اور لا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پڑھنے لگے، بتایئے اس میں کیا خرابی تھی۔۔۔۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت ناگوار ہوا، حضرت عمر کو جب حضرت ابو بکر نے آگاہ کیا کہ دیکھتے نہیں حضور کے چہرہ مبارک پر کیا اثر ہے تو حضرت عمر کانپ گئے اور بہت توبہ و استغفار کی اور معافی مانگی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہارے پاس ایک سہل، پکی اور صاف ملت لایا ہوں، اگر موسیٰ بھی زندہ ہوتے تو سوائے اس کے کہ میری اتباع کرتے کچھ نہ ہوتا، جب حضرت عمر کو منع فرمایا گیا تو ہم کیا ہیں۔(حسن العزیز ص۲۲۹ج۴)

اہلِ باطل کی مفید کتابیں دیکھنے سے بھی ضرر ہوتا ہے:

"اہلِ باطل کی تصانیف جو بظاہر مفید ہوں (ان میں بھی) باطل کی جھلک ہوتی ہے اور اہلِ حق اس کا پردہ فاش کر دیتے ہیں، اسی لیے باطل کی مفید تصانیف کا دیکھنا بھی مضر ہے"۔

(حسن العزیز ص۱۸۸ج۲)

فرمایا:

"عجیب تجربہ کی بات ہے کہ بد دین آدمی اگر کسی اور کی بات نقل بھی کرے، مثلاً: بد دین شخص نحو کی کوئی کتاب لکھے گو اس میں کوئی مسئلہ بد دینی کا نہیں ہے، مگر اس کے دیکھنے سے بھی بد دینی کا اثر دل میں ہو گا"۔(حسن العزیز ص ۳۲۵ ج ۲)

دوسرے مذاہب یا تقابلی مطالعہ کرنے کی شرط:

فرمایا:

'عام لوگ (سب طرح کی) کتابیں دیکھنے لگتے ہیں، کتابیں دیکھنے کے لیے جامع شخص ہونا چاہیے (بہت سے لوگ) نازک کتابیں دیکھنے لگتے ہیں، اپنا ایمان خراب کر لیتے ہیں"۔(حسن العزیز ص ۷۶ ج ۴)

علماء پر طرح طرح کی الزامات لگایا جاتا ہے کہ یہ تعصب کی وجہ سے لوگوں کو فلاں کی کتب دیکھنے سے منع کرتے ہیں حالانکہ علماء کرام کا اس میں ذاتی کوئی فائدہ نہیں ہے بلکہ عوام کی خیر خواہی مقصود ہیں، جیسے طبیب مریض کو کڑوی دوائی دیتے ہیں تو اس میں طبیب کا کوئی فائدہ نہیں بلکہ فائدہ مریض ہی کو پہنچے گا۔

عوام کو علماء کے مشورہ کے بغیر کتابیں نہ دیکھنا چاہیے:

حضرت تھانوی رحمہ اللہ ایک جگہ حلفیہ یعنی قسم لیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"واللہ! اہل باطل کی کتابوں کا اثر بعض علماء پر بھی ہو جاتا ہے تو عوام کی ان کے مطالعہ سے کیا حالت ہو گی، لہٰذا عوام کو کوئی کتاب علماء کے مشورہ کے بغیر ہر گز نہ دیکھنا چاہیے، اور اگر کوئی کہے کہ میں رد کے لیے دیکھتا ہوں، یہ بھی مناسب نہیں؛ کیوں کہ یہ کام علماء کا ہے، تمہارا کام نہیں، اور اس میں آپ کی توہین نہیں"۔(التبلیغ وعظ الفاظ القرآن ص ۵۹)

=÷=

سابق مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ اپنی شہرہ آفاق تفسیر معارف القرآن میں سورہ لقمان کی آیت6 کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

فحش اور فضول ناول یا فحش اَشعار اور اہلِ باطل کی کتابیں بھی دیکھنا ناجائز ہیں:

"اس زمانے میں بیش تر نوجوان فحش ناول یا جرائم پیشہ لوگوں کے حالات پر مشتمل قصے یا فحش اشعار دیکھنے کے عادی ہیں، یہ سب چیزیں اس قسم لہوِ حرام میں داخل ہیں، اس طرح گم راہ اہلِ باطل کے خیالات کا مطالعہ بھی عوام کے لیے گم راہی کا سبب ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے، راسخ العلم علماء ان کے جواب کے لیے دیکھیں تو کوئی مضائقہ نہیں"۔

(تفسیر معارف القرآن)

=÷=

غیر مقلدین کا قیاسی دین:

مذکورہ درس دو ابحاث پر مشتمل ہیں۔

مبحث اول: غیر مقلدین کی کتب سے قیاس کرنے کی حوالہ جات۔

مبحث دوم: "اولُ مَن قاس فهو ابليس" جملے کی حقیقت۔

لیکن بطور تمہید اس بات کو ذہن نشین کیجئے کہ! ہمارے اہل السنت والجماعت کے چار اصول ہیں۔

قرآن، سنت، اجماع امت اور قیاس شرعی۔ جس کو قیاس مجتہد بھی کہتے ہیں۔

بالفاظ دیگر مذکورہ بالا چار اصول کی تعبیر یوں بھی کیا جاسکتا ہے کہ ہمارے جتنے مسائل ہیں وہ یا تو قرآن وحدیث سے ثابت ہیں یا اجماع امت سے یا پھر ماہر شریعت کی کی اجتہاد سے۔

ماہر شریعت امام و مجتہد قرآن وحدیث میں غور وفکر کر کے جس پوشیدہ مسئلے کو ظاہر کرتا ہے تو اس عمل کو اصول فقہ کی اصطلاح میں قیاس شرعی کہا جاتا ہے۔

مذاہب اربعہ کے تمام مجتہدین، محدثین اور فقہائے کرام اس بات پر متفق ہیں کہ قیاس شرعی دلائل شرعیہ میں سے ایک دلیل اور اصل ہے۔

جب کوئی مسئلہ صراحتاً قرآن وحدیث میں نہ ملے تو مجتہد قیاس شرعی سے کام لیکر مذکورہ پوشیدہ مسئلے کو قرآن وحدیث سے نکال کے باہر لے آتا ہے۔

بدقسمتی سے غیر مقلدین روز اول سے یہ نعرہ لگاتے ہیں کہ اَوّلُ منُ قاس فهو ابليس، یعنی دنیائے جہان میں سب سے پہلے جس نے قیاس کیا وہ شیطان لعین ہی تھا (کیونکہ شیطان نے اپنے آپکو آگ پر اور حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی پر قیاس کیا۔ جس سے شیطان کا مطلب یہ تھا کہ آگ اوپر کی

طرف جاتا ہے اور مٹی زمین کی طرف، لہذا آگ مٹی سے بہتر وافضل ہے، اس لئے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ نہیں کر سکتا)

اس نعرے سے غیر مقلدین لوگوں کو یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ مسائل حل کرنے میں اکثر قیاس ہی سے کام لیتے ہیں۔ حالانکہ قیاس کرنا کار ابلیس ہے۔

دیکھئے: غیر مقلدین کا یہ قول سو فیصد غلط ہے۔

قیاس شرعی تو خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین، محدثین، اور فقہائے کرام سے بھی ثابت ہے، لیکن آج ہم اس بات کو محکم اور ٹھوس حوالہ جات کے ساتھ ثابت کرینگے کہ جس قیاس کو لا مذہب غیر مقلدین کار ابلیس وشیطان کہتے رہتے ہیں بقول اِنکے اسی کار ابلیس میں یہ حضرات خود سر تا پاڈوبے ہوئے ہیں۔

مبحث اول:

غیر مقلدین کی کتب سے قیاس کرنے کی حوالہ جات ملاحظہ فرمائیں

(1) مشہور غیر مقلد عبد اللہ روپڑی صاحب لکھتے ہیں کہ:

دو خطبہ کی روایتیں اگرچہ ضعیف ہے مگر جمعہ پر قیاس سے اسکی تائید ہوتی ہے کہ عیدین کے جمعہ کی طرح دو خطبے پڑھے جائیں۔ (فتاویٰ علمائے اہلحدیث ج4 ص187)

دیکھئے! جس قیاس کو کار شیطان سمجھتے تھے بالآخر اسی سے ہی مسائل کا استنباط کرنے لگے۔

(2) اسی طرح ان کی معتبر فتاویٰ میں لکھا ہوا ہے کہ:

عیدین میں دو خطبوں کا پڑھنا کسی حدیث صحیح سے ثابت نہیں، صرف اس قدر ثابت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد عید خطبہ پڑھا اور وعظ فرمایا، دو خطبے پڑھنے جمعہ پر قیاس کرتے ہیں۔

(فتاویٰ علمائے اہلحدیث ج4 ص187 / وفتاویٰ عمر پوری ص7)

=÷=

دیکھئے: جس قیاس کو کار شیطان کہا آج خوب مزے لے لے کر اسی سے کام چلا رہے ہیں۔

(3) علی محمد سعیدی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں کہ:
ابن ماجہ وغیرہ کی حدیث میں عید کے دو خطبوں کی نص روایت میں موجود ہے اگرچہ اسکی سند میں کچھ کلام و کمزوری ہے لیکن قیاس کے موافق ہے۔
(فتاویٰ علمائے اہلحدیث ج1 ص187)
یہاں یہ الفاظ کہ "قیاس کے موافق ہے" سے پتہ چلتا ہے کہ لامذہب غیر مقلدین قیاس شرعی کو بھی ماننے لگے ہیں بس صرف شرم کے مارے علانیہ کہہ نہیں سکتے۔
(4) شبیر احمد حسیم صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں کہ:
بحالت مجبوری جس علاقے میں گائے دستیاب نہ ہو گائے پر قیاس کرتے ہوئے بھینس کی قربانی کی جاسکتی ہیں
(عیدین و قربانی کے مسائل، ص25)
یعنی غیر مقلدین بھینس کو گائے پر ہی قیاس کرتے ہیں۔
ہمیں غیر مقلدین کی منطق سمجھ نہیں آتی کہ جب ایک چیز ہو حرام، تو یہ دوسری چیز کو کیسے حلال بناسکتی ہے؟
یہ تو ایسا ہی جیسے خون جو پیشاب سے دھونا۔
حالانکہ اسی قیاس کے متعلق احناف کو بطور طنز کہتے تھے کہ قیاس نہ کرنا یہ تو کار شیطان ہے۔

(5) بشیر احمد حسیم غیر مقلد ایک اور جگہ لکھتے ہیں کہ:
حج پر قیاس کرتے ہوئے اپنے فوت شدہ رشتہ دار کی جانب سے قربانی کرنا جائز ہیں۔

(عیدین و قربانی کے مسائل ص33)

حسیم صاحب کی مراد یہ ہے کہ جیسے فوت شدہ کی طرف سے حج کرنا درست ہے ایسے ہی اسکی طرف سے قربانی کرنا درست ہیں۔

(6) مشہور غیر مقلد عبد الرؤف سندھو صاحب بے ہوشی وغیرہ کے ناقض وضو کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

علامہ شوکانی نے ان اشیاء (بے ہوشی وغیرہ کو) نیند پر ہی قیاس کیا ہے۔

(القول المقبول ص200، طبع چہارم)

دیکھئے: مولوی عبد الرؤف اور علامہ شوکانی غیر مقلد دونوں بے ہوشی کو نیند ہی پر قیاس کرتے ہیں۔

انتہائی افسوس کی بات ہے غیر مقلدین کے علماء اپنے عوام کو کہتے ہیں کہ قیاس کار شیطان ہے قیاس والے ائمہ کرام اور مذاہب نہ مان، لیکن خود دن رات قیاس سے کام لیتے ہیں۔

(7) مولانا ابو البرکات احمد غیر مقلد لکھتے ہیں کہ:

جرابوں پر مسح کرنے کے متعلق کوئی حدیث صحیح نہیں ہے علماء نے جرابوں پر مسح کرنے کو موزوں پر مسح کے ساتھ قیاس کیا ہے۔

(فتاوٰی برکاتیہ ص18، بحوالہ تجلیات انور ج1 ص35)

مبحث دوم:

اولُ مَن قاس فھو ابلیس، جملے کی حقیقت

غیر مقلدین اکثر اس قول کو تقلید اور قیاس کے خلاف پیش کرتے رہتے ہیں۔

=:=

بصد ادب غیر مقلدین سے ہم پوچھتے ہیں کیا"**اول من قاس فهو ابليس**" یہ قرآن کی آیت ہے یا حدیث رسول؟ یا پھر قول صحابی؟

ظاہر ہے کچھ بھی نہیں۔ تو پھر آخر پیش کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟

یادرہے! یہ دراصل امام جعفر صادق رحمہ اللہ کا قول ہے، دیکھئے تفصیل کیلئے (دراسات اللبیب ص347/ مسند دارمی طبع ہند36)

بعض کتب میں مذکورہ قول حضرت محمد ابن سیرین رحمہ اللہ سے بھی منقول ہے اور اس قول کو درست بھی مان لیا جائے تب بھی مقلدین پر اس کی کوئی ضد نہیں پڑتی، اس لئے کہ اس قیاس سے نص کے مقابلہ میں قیاس مراد ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم فرشتوں کے ساتھ ابلیس لعین کو بھی اِذْ امرتک کے الفاظ سے سجدہ کرنے کا تھا اور اس نے اللہ تعالیٰ کے اس صریح حکم کے مقابلہ میں "**انا خير منه خلقتني من نار و خلقته من طين**" سے قیاس فاسد کر کے خود کو حضرت آدم علیہ السلام سے بہتر سمجھا اور ایسے قیاس کے باطل اور مردود ہونے میں کیا شک وشبہ ہو سکتا ہے جو نص یعنی آیتِ قرآنی اور حدیث کے خلاف ہو؟

لہٰذا مذکورہ قول کو تقلید اور قیاس کے بالمقابل پیش کرنا سراسر نادانی اور جہالت ہے۔

=÷=

تردید بدعات کے متعلق ایک اہم کتاب کی نشاندہی:

چند احباب نے مطالبہ کیا تھا کہ رد بدعات کے متعلق کسی ایسی کتاب کی نشاندہی فرمائے جو علماء دیوبند کے نزدیک معتبر اور مسلمؒ ہو۔

بیسویں صدی عیسوی کے دوسرے عشرے یعنی 1914 میں صوبہ خیبر پختونخوا میں واقع ضلع مانسہرہ میں پٹھانوں کے مشہور قبیلے یوسف زئی خاندان سے تعلق رکھنے والے نور احمد خان کے گھر میں علم و تحقیق کا ایک آفتاب طلوع ہوا جس کو علمی دنیا میں امام اہل سنت، شیخ محمد سرفراز خان صفدر صاحب کے نام سے شہرت حاصل ہوئی۔

آپ شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے شاگرد رشید ہے، صفدر کا لقب بھی حضرت مدنی کی طرف سے ملی ہے۔

امام اہل سنت حضرت شیخ سرفراز خان صفدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی پوری زندگی سنت کی ترویج و اشاعت اور بدعت کی تردید کے لیے وقف کیے رکھی۔ ہر چھوٹے بڑے فتنے کے خلاف قلم اٹھایا اور جس موضوع پر بحث کی، اس کے تمام پہلوؤں کو مد نظر رکھا۔ دلائل وبراہین قاطعہ کے ہتھیار کو استعمال کیا۔ دشنام یا جذباتیت سے کام لینے کے بجائے اپنے اکابر کی اعلیٰ اقدار وروایات کے مطابق اعتدال واستدلال کا ایسا رنگ اپنایا کہ مخالف کو بھی قائل کر لیا۔

آپ نے نے پچاس کے قریب کتب لکھی ہیں جو کتاب جس فتنے خلاف لکھی وہ فتنہ پھر سر اٹھانے کے قابل نہیں رہا ہے۔

البتہ اہل بدعت کے خلاف "راہ سنت" نامی کتاب لکھ کر آپ نے اہل بدعت کی ایوانوں میں زلزلہ برپا کیا۔

آپ نے "راہ سنت" میں سنت اور بدعت کی تفریق واضح کرنے کے لئے فریق مخالف پر انتہائی مضبوط اور ٹھوس براھین سے حجت قائم کی۔ جذباتیت، اشتعال اور درشت کلامی کا عنصر ڈھونڈے نہیں ملتا۔ آپ کی تحریر میں سب سے اب اہم بات یہ ہے کہ محققانہ انداز ہونے کے باوجود جس طرح خواص اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں، اسی طرح عوام بھی فیض یاب ہوتے ہیں۔

باب اول میں کتاب اللہ کی ہمہ گیر صداقت، سنت کی جیت، اجماع امت اور تعامل خیر القرون کے حجت ہونے کا ثبوت دیا اور اس پر ہونے والے ایک ایک اعتراض کو نقل کرنے کے بعد اس کا مدلل جواب دیا ہے۔

باب دوم میں بدعت کی لغوی و شرعی اقسام واحکام، احادیث سے بدعت کی تردید اور بدعت حسنہ اور سیہ کی تحقیق جیسے مباحث پر مشتمل ہے۔

باب سوم میں "بدعت کے جواز کے دلائل پر ایک نظر" کے عنوان کے تحت فریق مخالف کی بنیادی دلیل "اصل اشیا میں اباحت" کے جواب میں دلائل کے انبار لگا کر یہ ثابت کیا گیا ہے کہ اہل بدعت کا مسلک غلط ہے اور پھر جمہور علماء کرام کا مسلک ایسے بہترین انداز میں پیش کی ہے کہ جس سے اہل بدعت کی تمام اعتراضات کا جواب خود بخود سامنے آتا ہے۔

باب چہارم میں "عبادات میں اپنی طرف سے اوقات اور کیفیات کا تعین کرنا بدعت ہے" کے عنوان کے تحت فرمایا کہ ضروری نہیں کہ کوئی چیز اصل ہی میں بری ہو تو وہ بدعت ہو گی بلکہ وہ اہم طاعات اور عبادات

بھی جن کو شریعت نے مطلق چھوڑا ہے، ان میں اپنی طرف سے قیود لگا دینا یا ان کی کیفیت بدل دینا یا اپنی طرف سے اوقات کے ساتھ متعین کر دینا، یہ بھی شریعت کی اصطلاح میں بدعت ہو گی۔

پھر علامہ ابو اسحاق شاطبی کی الاعتصام، حافظ ابن دقیق العید کی احکام الاحکام، حضرت شاہ ولی اللہؒ کی حجۃ اللہ البالغہ، علامہ زین العابدین کی البحر الرائق اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مکتوبات سے اپنے دعوے کا اثبات فرماتے ہوئے حضرات صحابہ کرامؓ کا ایسی کیفیات اور ہیئات کی تعیین کے متعلق جو فیصلہ ہے، اس کو تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ پھر بدعت کی تردید کے عقلی دلائل دے کر سنت اور بدعت کے مقام کو واضح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ سنت کو اگر اصلی شکل میں محفوظ رکھا جائے تو وہ قیمتی موتی ہے اور اس کی قیمت دنیا و مافیا کے خزانے بھی ادا نہیں کر سکتے۔

باب پنجم میں ”کیا بدعات میں بھی کوئی خوبی بھی ہوتی ہے اور ان پر دلائل بھی پیش کیے جا سکتے ہیں؟“ کے عنوان کے تحت واضح کیا کہ بدعات کی ایجاد میں محاسن اور خوبیوں کا دعویٰ کیا جاتا ہے اور اس کی ترویج کے لیے دلائل بھی تراشے گئے، جیسے مشرکین مکہ نے شرک جیسے قبیح فعل کو مستحسن ثابت کرنے کے لیے تقرب الٰہی کے خوش کن الفاظ کا سہارا لیا اور مردوزن کے برہن ہو کر طواف کعبہ کرنے کی یہ دلیل دی کہ ہم کپڑوں میں گناہ کرتے ہیں تو ان میں اللہ کے پاک گھر کا طواف کیسے کریں؟ لیکن فتح مکہ کے بعد صدیوں کی اس بدعت کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خاتمہ کر دیا۔ اسی طرح ہر مبتدع اپنی بدعت پر کسی شرعی دلیل سے استشہاد کرتا ہے اور اس طریقے سے وہ اسے اپنی عقل اور خواہش کے مطابق بنا لیتا ہے۔ اس غلط استشہاد کی بنا پر کسی بدعت کو جائز قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ قرآن وحدیث کا صحیح مفہوم وہی ہو گا جو حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ نے سمجھا۔

باب ششم میں ”سنت اور بدعت میں اشتباہ ہو تو کیا کرنا چاہیے“ کی بحث میں آپ نے براہین قاطعہ سے ثابت کیا کہ جس کام کے بدعت اور سنت ہونے میں شبہ ہو، اس کو چھوڑ دیا جانا چاہیے۔

باب ہفتم میں فرداً فرداً تمام بدعات پر انتہائی مدلل انداز میں بحث کی گئی ہے۔ یہ باب ۱۳۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ ایک ایک چیز کو کھول کر بیان کیا گیا اور فریق مخالف کے اعتراضات نقل کر کے ان کا جوابات بھی دیے گئے ہیں۔

مذکورہ کتاب کا مطالعہ ہر دیوبندی عالم اور طالب علم کیلئے حد درجہ ضروری ہے ورنہ تو نام ہی کا دیوبندی ہو گا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں بدعات سے بچا کر سنت نبوی پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=

میرا کوئی فرقہ نہیں، بس میں تو مسلمان ہوں:

آج کل قادیانی، دین بیزار ملحدین اور منکرینِ حدیث سے تاثر لیتے ہوئے ہمارے بہت سے نوجوان ایک جملہ دھراتے ہوئے ہیں کہتے ہیں کہ: میرا کوئی فرقہ نہیں، بس میں تو مسلمان ہوں۔

پہلے تو اس جملے کا پس منظر معلوم کرتے ہیں کہ یہ جملہ کون استعمال کرتے ہیں اور کیوں استعمال کرتے ہیں بعد میں حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں اس کا جائزہ لیتے ہیں کہ یہ کتنا خطرناک جملہ ہے۔

میرا کوئی فرقہ نہیں، میں تو بس مسلمان ہوں، اس جملے کا مؤجد کون ہے؟

یہ جملہ دراصل ملحدین اور منکرین حدیث کا ایجاد کردہ ہے یہ حضرات دین اور دین کے خدام یعنی علماء کرام کی دوشمنی میں کہتے ہیں کہ:

نجات پانے والے لوگ وہ ہے جو مسلمان ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اسلام اور مسلمان ہونے کا درس دے کر گئے ہیں۔ باقی آج کل کے چار مذاہب کے نام سے جماعتیں یہ مولویوں کی ایجاد کردہ فرقے ہیں اس سے ہم بری ہیں۔۔۔۔بس میں میرا کوئی فرقہ نہیں میں تو مسلمان ہوں۔

علماء سے ان کو چھڑ اور بغض اس لئے ہیں کہ علماء ان کو دین اسلام میں من مانی کرنے نہیں دیتے، علماء نے قرآن وحدیث کے لئے علوم وفنون وضع (لکھ) کرکے دین اسلام کو ان کی تخریب سے بچایا ہے۔ اس لئے یہ لوگ عام سادہ لوح مسلمانوں کو علماء کی صحبت سے دور کرنے کیلئے کہتے ہیں کہ: میرا کوئی فرقہ نہیں بس میں تو مسلمان ہوں۔

حدیث رسول کی روشنی میں اس جملے کا جائزہ: میرا کوئی فرقہ نہیں، میں تو بس مسلمان ہوں۔

مذکورہ جملہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی خلاف ہے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وَاِنّ بني اسرائيلَ تَفرّقَت عَلَى ثِنْتَيْنِ وسبعينَ ملّةً وتَفْتَرِقُ اُمّتِی عَلَى ثلاثٍ وّسبعينَ مِلّةً كُلُّهُمْ فى النّارِ اِلّا مِلّةً واحدةً قالوا ومَنْ هى يا رسولَ الله قال مَا انا عليه واصحابی.

جامع الترمذی. حديث ۲۶۴۱/ وفى رواية احمد والي داود)

یعنی بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹ گئے اور میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی، اور ایک فرقہ کو چھوڑ کر باقی سب جہنم میں جائیں گے، صحابہ نے عرض کیا اللہ کے رسول! یہ کون سی جماعت ہو گی؟ آپ نے فرمایا یہ وہ لوگ ہوں گے جو میرے اور میرے صحابہ کے نقش قدم پر ہوں گے۔

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :اِفْتَرَقَتِ اليَهُودُ على اِحْدی وسَبعينَ فرقةً، فواحِدةً فی الجنّةِ،وسبعون فى النار،وافْتَرَقَتِ النّصارَى على ثِنتينِ وسبعينَ فِرْقةً،فإحدى وسبعون فى النار،وواحدةً فى الجنةِ،والذى نفسُ محمدٍبِيَدِهِ لَتَفْتَرِقَنّ اُمتی على ثلاثٍ وسبعينَ فرقةً،واحدةٌ فى الجنة وثنتان وسبعون فى النار،قيل :يا رسول الله مَنْ هم ؟قال:الجماعةُ.

ابن ماجه، كتاب الفتن، باب افتراق الأُمَم، ج۲، رقم الحديث: ۳۹۹۲)

(اعتقاد اہل السنة والجماعة للالكائي، ج۱ص۱۰۱، رقم۱۴۹)

ترجمہ: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے! میری امت ضرور تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی۔ (ان۔ میں سے) ایک فرقہ جنت میں جائے گا اور بہتر جہنم میں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا:

یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ) وہ کو لوگ ہیں؟ فرمایا: الجماعة.

=÷=

(یعنی امت کا وہ طبقہ جو اکثریت میں ہے جسے مذاہبِ اربعہ سے تعلق رکھنے والے مجتہدین، مقلدین، محدثین اور فقہائے کرام وغیرہ۔صفدر)

اب جو لوگ کہتے ہیں کہ ہمارا کوئی فرقہ نہیں دراصل وہ اس حدیث کا انکار کرتے ہیں کہ امت محمدیہ تہتر فرقوں میں بٹے گی ان میں سے ایک ہی فرقہ حق پہ ہوگا اور وہ ہے اہل السنت والجماعت۔:

امام طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: فعليكم معاشر المؤمنين بإتباع الفرقة الناجية المسماة بأهل السنة والجماعة فان نصره أي نصرة الله وحفظه وتوفيقه في موافقأتهم وخذلانه وسخطه و مقته في مخالفتهم وهذه الطائفة الناجية قد اجتمعت اليوم في المذاهب الأربعة هم ألحنفيون والمالكيون والشافيون والحنبليون ومن كان خارجا من هذه المذاهب الأربعة فهو من أهل البدعة والنار

(طحطاوی،شرح الدر المختار، كتاب الذبائح، /)

ترجمہ: واجب ہے تم پر اے گروہ مومنین پیروی کرنا اس نجات یافتہ فرقہ کا جس کا نام اہل سنّت و جماعت ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مدد اور حفاظت اور توفیق ان کی موافقت میں ہے. اور ذلت دینا اس (جماعت) کو اور خفا ہونا اور بگاڑنا ان کی مخالفت میں سے ہے. اور یہ نجات یافتہ گروہ آج کے دن مجتمع ہو گیا ہے چار(4) مذاہب (راستوں) میں کہ وہ حنفی اور مالکی اور شافعی اور حنبلی ہیں. جو کوئی نکلا ان چاروں مذہبوں (راستوں) سے تو وہ بدعتی اور جہنمیوں میں سے ہے۔

علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب "الأشباہ والنظائر" میں ناقلا عن المصفی فرماتے ھیں:

وإذا سئلنا عن معتقدنا و معتقد خصومنا في القائد يجب علينا عن نقول الحق ما نحن عليه الباطل ما عليه خصومنا هكذا نقل عن المشائخ أنتهى ۔(كتاب الأشباه و النظائر، اعتقاد الإنسان في مذهبه، الفصل الثالث، صفحه ۰،)

ترجمہ: اور جس وقت ہم سے پوچھا جاے ہمارے اعتقاد اور ہمارے مخالف کے اعتقاد کے بارے تو واجب ہے ہم پر یوں کہنا کہنا کہ جس پر ہم ہیں وہ حق ہے اور جس پر ہمارے مخالف ہے وہ نا حق ہے، ایسا ہی اگلوں سے منقول ہے۔

بہر حال یہ جملہ غلط العام ھے کہ میرا کوئ فرقہ نہیں ہے کیونکہ اس کا مطلب یہ ھے کہ میرا تعلق اس نئے فرقے سے ہے جس کی کوئی بنیاد نہیں ہے، اور یہ جملہ اکثر و بیشتر وہ لوگ بھی کہتے ہیں جو دوران۔ مجلس دوسروں پر خالص اعتراضات کرتے ہیں مگر جب آپ انکی حقیقت لوگوں کو دکھلانا چاہتے ہیں تو پھر کہتے ہیں کہ جناب میرا تو کوئی فرقہ نہیں بس میں تو مسلمان ہوں۔

حدیث کی وضاحت:

یہ جو حدیث ھے کہ سوائے ایک کے باقی سارے فرقے جہنم میں چلے جائینگے اسکا مطلب یہ ھے کہ ابتدأوہ جہنم میں داخل ہوں گے مگر جب اللہ کی مرضی ھوگی وہ بھی بخشے جائیں گے جبکہ وہ حدِ کفر کو کراس نا کر گئے ہو۔

نوٹ: یہ بات انتہائی قابلِ غور ہے کہ اس دورِ اختلاف میں حق پسند اور نجات پانے والے گروہ کا پتا کیسے چلے گا، کس طرح معلوم ہو گا کہ موجودہ فرقوں میں حق پر کون ہے؟ اس کی رہنمائی بھی حدیث پاک میں کر دی گئی ہے کہ ''إِذَا رَأَيْتُمْ اِخْتِلَافًا فَعَلَيْكُمْ بِالسَّوَادِ الْأَعْظَمْ'' جب تم اختلاف دیکھو تو سب

=:=

سے بڑی جماعت کو لازم پکڑ لو۔ (ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب السواد الاعظم، ۴ / ۳۲۷، الحدیث: ۳۹۵۰)

اس روایت میں اختلاف سے مراد اصولی اختلاف ہیں جس میں "کفر و ایمان" اور "ہدایت وضلالت" کا فرق پایا جائے، فروعی اختلاف ہر گز مراد نہیں کیونکہ وہ تو رحمت ہے جیسا کہ حدیثِ پاک میں ہے "اِخْتِلَافُ اُمَّتِیْ رَحْمَۃٌ" میری امت کا (فروعی) اختلاف رحمت ہے۔ (کنز العمال، کتاب العلم، قسم الاقوال، ۵ / ۵۹، الحدیث: ۲۸۶۸۲، الجزء العاشر) اس تفصیل کو ذہن میں رکھ کر موجودہ اسلامی فرقوں میں بڑے فرقے کو تلاش کیجئے، بسیار تلاش کے باوجود آپ کو اہلسنّت وجماعت کے سوا کوئی نہ ملے گا جس میں حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی۔ اسی طرح تصوف کے چاروں سلاسل قادری، چشتی، سہروردی، نقشبندی، یا تفہیم عقائد کے حوالے سے دونوں جماعت یعنی اشعری وماتریدی سب شامل ہیں یہ سب اہلسنّت ہیں اور ان کے مابین کوئی ایسا اصولی اختلاف نہیں جس میں کفر و ایمان یا ہدایت و ضلاَل کا فرق پایا جائے۔ مزید یوں بھی کہہ سکتے ہو کہ برصغیر وافغانستان کے اندر معاصر فرق میں بہت سی جماعتیں ہیں جو اہل السنت والجماعت مذھب حنفی کے دعویدار ہیں مگر ان سب میں کثیر تعداد میں پائی جانے والی جماعت دیوبندی جماعت ہی ہے جو بغیر کسی افراط و تفریط کے اہل السنت والجماعت حنفی مذہب کی بہترین تشریح کرتے ہیں۔ لہٰذا اس پر فتن دور میں حدیثِ مذکور کی رُو سے سوادِ اعظم اہلسنّت والجماعت ہی ہے۔ کسی بھی فرقے کی جانب نسبت نہ کرنے کا معنی یہ ہے کہ میرا تعلق نجات یافتہ جنتی فرقے کے ساتھ بھی نہیں جو کہ انتہائی خطرناک جملہ ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح سالم دماغ وفکر نصیب فرمائے:

=÷=

تقلیدی اہلحدیث:

ایسا شخص جو مجتہد نہ ہو یعنی قرآن وحدیث سے مسائل نکالنے پر قادر نہیں تو حکم قرآنی "فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون" کے مطابق اس کو مجتہد یعنی کسی ماہر شریعت کی رہنمائی میں تقلید کرنی پڑے گی۔الحمداللہ ہم احناف فقہ حنفی کے مفتیٰ بہا اقوال اور معمول بہا مسائل کے مقلد ہیں جبکہ لامذہب غیر مقلدین حضرات کا دعویٰ یہ ہیں کہ کسی ماہر شریعت امام کی پیروی کرنا خالصتاً شرک،بدعت اور حرام ہیں۔

لیکن یاد رہے: تقلید کے بغیر چارہ ہی نہیں،نہ دینی مسائل میں اور نہ ہی دنیوی مسائل میں۔

غیر مقلدین قولاً تو تقلید سے بھاگتے ہیں مگر عملاً تقلید میں سر تا پاڈوبے ہوئے ہیں۔

بس ہمارے اور ان کے درمیان فرق اتنا ہی ہے کہ ہم نے باتفاقِ امت ماہر شریعت امام کی پیروی و تقلید کی جبکہ غیر مقلدین نے موجودہ زمانے کے اجتہاد سے کورے مولویوں کی تقلید کی۔

آج ہم غیر مقلدین کے جید اور ممتاز علماء کرام سے غیر مقلدین کا تقلیدی ہونا ثابت کرینگے۔

مولانا وحید الزمان کا اقرار:

مشہور اہلحدیث عالم مولانا وحید الزمان اقرار کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

بعض اہلحدیث ایسے ہیں کہ امام ابو حنیفہ،امام شافعی کی تقلید سے تو بھاگتے ہیں لیکن ابن تیمیہ،ابن قیم، شوکانی،مولوی اسماعیل دہلوی اور نواب صدیق حسن خان مرحوم کی تقلید اندھا دھند کرتے ہیں۔انکی مثال ایسی ہے۔فرّ من المطر وقام تحت المیزاب۔

(لغات الحدیث مادہ(دال)ص21)

=:=

دیکھئے: علامہ وحید الزمان غیر مقلد عالم نے صاف الفاظ میں اقرار کیا کہ اہلحدیث حضرات علامہ ابن تیمیہ، ابن قیم، اسی طرح علامہ شوکانی اور نواب صدیق حسن خان مرحوم کے مقلدین ہیں، انکی تقلید کرتے ہیں۔

لہذا غیر مقلدین کا یوں کہنا کہ ہم تقلید نہیں کرتے بلکہ تقلید تو شرک ہے یہ خالص جھوٹ ہے۔

وحید الزمان صاحب مزید لکھتے ہیں کہ:

تعجب ہے ان اہلحدیث پر جو لوگوں کو امام ابو حنیفہ کی تقلید سے منع کرتے ہیں اور خود جب چاہتے ہیں ابو حنیفہ کے مقلد بن جاتے ہیں۔

(لغات الحدیث ج2ص150، مادہ س ل)

یعنی تقلید کرتے تو ضرور ہے لیکن کبھی اپنے مولویوں کی اور کبھی مجبور ہو کر امام صاحب کی تقلید کرتے ہیں۔

بلکہ یوں کہنا مناسب ہو گا کہ آج تک کوئی ایسا غیر مقلد پیدا ہی نہیں ہوا ہے جو کسی نہ کسی امام کی تقلید نہ کرتا ہوں۔

غیر مقلدین کا وسوسہ:

وحید الزمان اہلحدیث عالم نہیں تھا لہذا اس کے کتب کی حوالہ جات ہمارے سامنے پیش نہ کرنا۔

جواب:

29 مارچ 1937 کو اہلحدیث حضرات نے آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس منعقد کی جس میں مولانا ابو یحییٰ امام نوشہروی نے اہلحدیث حضرات کی دینی خدمات پر مشتمل ایک تفصیلی مقالہ پیش کیا، جو پہلے ہندوستان میں پھر بعد از تقسیم پاکستان میں "ہندوستان میں اہلحدیث کی علمی خدمات" کے نام سے خود اہلحدیث حضرات نے شائع کیا۔ یہ کتاب پاکستان میں مکتبہ نزیریہ اقبال ٹاؤن لاہور نے شائع کیا ہے۔ اس کتاب میں جن علماء

کرام اور کتب کی فہرست پیش کی گئی ہیں وہ انکی معتبر جماعتی علماء کرام اور جماعتیں کتب ہیں۔اس سے انکار روز روشن سے انکار کے مترادف ہیں۔

اسی کتاب کے صفحہ 59 پہ علامہ وحید الزمان اور ان کی کتاب "نزل الابرار" کو اہلحدیث کی علمی خدمات علمی کارنامے اور فخریہ پیشکش کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔

غیر مقلدین علامہ وحید الزمان کی کتب اور حوالہ جات سے ہر گز انکار نہیں کرسکتے ورنہ اس کو اہلحدیث حضرات کی علمی خدمات اور فخریہ پیشکش کے طور پر کرنے کا کیا مطلب؟

اسی طرح سر خیل اہلحدیث مولانا میاں نزیر حسین دہلوی صاحب فرماتے ہیں کہ:

میں بعض مسائل میں مقلد ہوں.

(الحیات بعد الممات ص395)

غیر مقلدین تقلید کو شرک بدعت اور حرام کہتے ہیں،اب دیکھتے ہیں کہ اپنے عالم میاں نزیر حسین دہلوی صاحب پر کیا فتویٰ لگاتے ہیں کیونکہ میاں صاحب تو بعض مسائل میں مقلد ہیں۔کیا بعض مسائل میں تقلید کرنا کہیں میاں صاحب بیچارے کو نیم مشرک اور نیم بدعتی تو نہیں بناتا؟اگر نہیں تو آخر وجہ کیا ہے؟

وکیل اہلحدیث مولانا محمد حسین بٹالوی صاحب اپنے اہلحدیثوں کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

جہاں نص نہ ملے وہاں صحابہ، تابعین وائمہ مجتہدین کی تقلید کرتے ہیں خصوصاً ائمہ مذہب حنفی کی(اشاعۃ السنۃ ج23 ص290)

سوچنے کی بات ہے ہم مقلدین اگر اجتہادی مسائل میں تقلید کرنے لگے تو مشرک وبدعتی ٹھہرے اور غیر مقلدین اگر اجتہادی مسائل میں تقلید کرنے لگ جائیں تو خالص مؤحد۔

آخر یہ فرق کیوں؟

=÷=

وکیل اہلحدیث نے تو صاف کہہ دیا کہ نص نہ ملنے کی صورت میں اہلحدیث حضرات صحابہ کرام، تابعین اور ائمہ مجتہدین خصوصاً کی تقلید کرتے ہیں۔

اب غیر مقلدین یہ بتائیں کیا وکیل اہلحدیث نے جھوٹ بھولا ہے؟ یا پھر واقعی تم تقلید کر کے اقرار نہیں کرسکتے۔

جناب عنایت اللہ اثری غیر مقلد لکھتے ہیں کہ:

غزنوی بزرگ خصوصاً اور دیگر اہلحدیث حضرات عموماً امام ابن تیمیہ کی عملا تقلید کرتے ہیں۔

(العطر البلیغ ص159، مشمولہ رسائل اہلحدیث ج1)

بقول اثری صاحب کے غیر مقلدین قولاً مقلد نہیں کیونکہ تقلید کو تو ساری زندگی شرک وبدعت کہتے رہے اس لئے اب اپنے آپ کو مقلد کہتے ہوئے شرماتے ہیں۔ البتہ عملاً یہ حضرات ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے مقلدین ہوئے ہیں۔

سرخیل اہلحدیث جناب بٹالوی صاحب ایک جگہ لکھتے ہیں کہ:

مسائل اجتہادیہ میں غیر مجتہد کو اپنے رائے واجتہاد کو ترک کر کے کسی کی سلف صالحین میں تقلید کرنا جائز ہے اور یہ خالص اہلحدیث ہونے کے منافی نہیں۔ آگے لکھتے ہیں کہ: یہ بعینہ مذہب اہلحدیث ہے۔

(اشاعۃ السنۃ ج23 ص144)

دیکھئے: مسائل اجتہادیہ میں تقلید کرنا اہلحدیث حضرات کا مذہب ہے، پھر کیا وجہ ہے ہم اگر سلف صالحین کی تقلید کرے تو مشرک اور یہی تقلید تم کرو تو خالص مؤحد۔

دراصل عقل کی کمی ہے عقل ہوتی تو تقلید محمود کو یہ حضرات کبھی بھی شرک نہ کہتے۔

=÷=

اسی طرح مشہور اہلحدیث عالم جناب نواب صدیق حسن خان صاحب لکھتے ہیں کہ:

عامی پر مجتہد کی تقلید کرنا اور اسکے فتوے کو لینا واجب ہے۔

(لقطة العجلان ص138)

واہ کیا بات ہے غیر مقلدین تقلید کو شرک ثابت کر رہے تھے لیکن ان کے مشہور عالم جائز تو کیا بلکہ واجب کر رہے ہے۔ کون سچا کون جھوٹا؟ فیصلہ غیر مقلدین پہ چھوڑتے ہیں۔

مناظر اہلحدیث مولانا ثناء اللہ امر تسری صاحب تقلید شخصی و تقلید مطلق کی تعریف بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

تقلید شخصی یہ ہے کہ خاص ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک امام کی بات مانی جائے جو مقلدین کا مذہب ہے اور تقلید مطلق یہ ہے کہ بغیر تعیین کے کسی عالم سے مسئلہ پوچھ کر عمل کیا جائے جو اہلحدیث کا مذہب ہے۔(فتاویٰ ثنائیہ ج1 ص652)

دیکھئے: امر تسری صاحب تقلید مطلق کو اہلحدیث حضرات کا مسلک بتا رہا ہے۔ معلوم ہوا غیر مقلدین تقلید کے قائل وفاعل ہیں، صرف اتنی سی بات ہے کہ شرماتے ہیں کھلم کھلا اقرار کر ہی نہیں سکتے۔

=:=

کیاامام صاحب نے اپنی تقلید کا حکم دیا تھا؟

دلائل کے میدان میں احناف سے شکست کھانے والی جماعت فرقہ غیر مقلدین اپنی غیر مقلدیت کی مردہ تحریک میں جان ڈالنے کیلئے مختلف قسم کے بے اصول وبے سروپا اعتراضات کرتے ہیں تاکہ کم از کم کوئی عام بندہ شکوک کا شکار ہوگے فقہ حنفی سے بدظن ہو کر مسلک غیر مقلدیت کو قبول کریں۔ اپنے حال میں اعتراضات کا سہارالیکر پھنسانا کوئی کمال نہیں کیونکہ عوام علمی اعتبار سے خالی الذہن ہوتے ہیں ان کو اگر کوئی دہری (یعنی منکر خدا) خدا کے موجود نہ ہونے پر دلائل دیناشروع کریں تو بھی یہ بندہ متاثر ہوگا کوئی عیسائی، یھودی، یاشیعہ کافراپنے مسلک پہ دلائل بیان کرناشروع کریں تو بھی یہ ان پڑھ عام آدمی اُس سے متاثر ہوجائی یگا۔ کیونکہ اِسکو مختلف باطل مذاہب کے بارے میں کسی چیز کا علم ہی نہیں۔

لھذاضرور یہ آدمی اعتراضات سے متاثر ہو کر اپنامسلک چھوڑ جائیگا اپنامسلک نہ چھوڑے کم از کم اپنے مسلک پہ بدظن جائیگا۔ فرقہ غیر مقلدین ایک احمقانہ اعتراض کرتے ہیں کہ کیاامام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اپنی تقلید کا حکم دیا تھا؟ اگر حکم دیا تھاتوبتائیں کس کتاب میں ہے؟ اور اگر نہیں دیا تھاجوکہ یقیناً نہیں دیا تھاتوبتائیں کہ بعد کے مولویوں کواِس بات کا کیاحق ہے کہ وہ لوگوں کوامام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تقلید پر مجبور کریں۔

جواب: غیر مقلدین کے نزدیک دلائل دو ہیں کتاب اور سنت غیر مقلدین اِن دو دلیلوں میں سے کسی ایک دلیل سے ثابت کریں کہ اُس مجتہد، امام وماہر فن کی بات ماننی ہے جواپنی زبان سے اپنی اتباع کا حکم دے ہم ضد نہیں کرتے اگر کوئی ایسادلیل غیر مقلدین دکھادے توبیشک ہم تقلید کو چھوڑ جائینگے۔

یادرکھیں: ہمارے اھل السنت والجماعت کے ہاں دلائی ل شرعیہ چارہیں کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، اجماع اُمت، اور قیاس مجیھد، ان چار دلیلوں سے جو مس ئی لہ ثابت ہو گاوہ شرعی مس ئی لہ ہو گا، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مجیھد امام ہونا اُمت کے اجماع سے ثابت ہے جس کے منکر کو قرآن نے جہنمی

کہاہے اور مجتہدین کی تقلید قرآن وسنت کے دلائل سے ثابت ہے جس طرح قاری عاصم کوفی رحمہ اللہ نے اپنی زندگی میں اپنی قراءۃ کو جمع کر کے عوام کے سامنے پیش کر دیا جس کا واضح مطلب یہ تھا کہ لوگ اس کو پڑھیں، اسی طرح امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے اپنی فقہ عمل کرنے کیلئے مدون کرائی بلکہ ساتھ یہ فرمادیا کہ اگر میرا کوئی قول حدیث کے خلاف ثابت ہو جائے تو قابل عمل نہ ہو گا لیکن آپ رحمہ اللہ کے بڑے بڑے شاگردوں نے واضح طور پر ان اقوال کو قرآن وسنت کے خلاف نہیں پایا۔ مسند الہند امام شاولی اللہ رحمہ اللہ اپنی عظیم کتاب حجة الله البالغه (صفحہ ۱۵۷) پہ امام ابو حنیفہ رحمہ کا قول نقل نقل کرتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا: لاینبغي لمن لم يعرف دليلي ان يفتي بكلامي: یعنی مناسب نہیں ہے اُس شخص کیلئے میرے قول وکلام کے ساتھ فتوی دینا جو میری دلیل کو نہیں جانتا۔

اس قول سے واضح ہو گیا کہ جو امام صاحب کی دلیل کی معرفت رکھتا تھا ان کو امام صاحب اپنے قول پر فتوای دینے کا حکم دیتے تھے۔ بالفاظ دیگر اپنے قول پر فتوی دینے کے حکم دینے کا مطلب یہ ہے کہ میری تقلید کرو۔ صرف الفاظ کا فرق ہے باقی مطلب ومفہوم دونوں کا ایک ہی ھے۔ (حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ) اسی طرح عقد الجید مجتبائی (صفحہ ۵۳) نقل فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ سے سوال ہوا آپ کوئی قول بیان کریں اور کتاب اللہ اسکے خلاف ہو تب کیا کرنا چاہے امام صاحب نے
جواب دیا: أترکوا اقولي بكتاب الله: یعنی میرے قول کو کتاب اللہ کے مقابلے میں چھوڑ دو۔
عرض کیا گیا کہ جب خبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہو تو؟
فرمانے لگے أترکوا قولي بخبر الرسول صلي الله عليه وسلم، کہ میرا قول اگر خبر رسول کے خلاف ہو تو میرا قول چھوڑ دو خبر رسول ہی کو لینا۔ عرض کیا گیا کہ جب آپ کا قول صحابہ کے قول کے خلاف ہو تو کیا کرنا چاہیے؟ امام صاحب نے فرمایا اترکوا قولي بقولي الصحابة: کہ میرے قول صحابہ کے مقابلے میں نہ لینا۔ اس سے معلوم ہوا کہ امام صاحب یہی فرماتے تھے کہ میرا جو قول کتاب اللہ، سنت

رسول اللہ، اسی طرح صحابہ کے خلاف نہ ہو تو اُسکو نہ چھوڑنا۔ اب نہ چھوڑنے کا مطلب کیا ہے یعنی میرے اقوال کو لیے لینا اور یہی تقلید کا نام ہے بالفاظ دیگر امام صاحب کہنا یہ چارہے ہیں کہ میرے اقوال پر عمل کر یعنی میری تقلید کیج ئی ے غیر مقلدین سوالات کا مدار صرف اور صرف اقرار پر ہی رکھتے ہیں یعنی امام صاحب کا اقرار دکھاؤ کہ تم میری تقلید کرو، اسی طرح اما صحب کا اقرار دکھاؤ کہ فقہ اکبر میری کتاب ہے یا امام صاحب کا اقرار دکھاؤ کہ تقلید واجب ہے وغیرہ وغیرہ۔ حالانکہ ہر جگہ اقرار کا مطالبہ کرنے سے دین و دنیا کے بہت سے امور کا انکار لازم آتا ہے مثلاً کوئی منکر حدیث یہ وسوسہ ڈال سکتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا قول واقرار دکھادے کہ میں محدث ہو یا میں مؤمن ہوں یا مجھے محدث ماننا۔ اگر یہ اقرار آپ نہ دکھادے تو نعوذ باللہ امام بخاری کا محدث یا مؤمن ہونا ثابت نہ ہو گا۔

اسی طرح کوئی منکر صحابہ اگر یہ مطالبہ کریں کہ ہر ہر صحابی کا قول واقرار دکھادے کہ میں صحابی ہو مجھے مان لو تب میں اُن کو صحابی تسلیم کرونگا ورنہ نہیں۔ کیا صحابی سے یہ الفاظ اس منکر کو دکھاسکتے ہیں ہر گز نہیں۔ لہذا ان جیسے تمام سوالات غلط ہے۔

ایک اور آسان مثال: طبیب، ڈاکٹر کے پاس ہر قسم کی دوائیاں، ونسخے موجود ہوتے ہیں مگر وہ اپنے جگہ پہ بیٹھا رہتا ہے یہ اعلانات نہیں کرتے کہ آؤ میرے ہی دوا استعمال کرو۔ بلکہ ڈاکٹر، طبیب کے نسخوں کا موجود ہونا یہ دلالت اس بات پر کرتی ہے کہ یہ دوائیاں ونسخے مریض کے استعمال کرنے ہی کیلیئے ہیں۔

بالکل اسی طرح اسی طرح امام صاحب نے فقہ کو مدون کرادیا جو کہ بارہ لاکھ سے زیادہ مسائل پر مشتمل ہیں. اب اگرچہ امام صاحب یوں نہ کہے کہ میری فقہ کو مان لو اسکی تقلید کرو۔ بلکہ فقہ کے مسائل کا لکھنا یہ دلالت ہے اس بات پہ کہ یہ مسائل عمل کرنے کیلیئے ہی ہے۔ اور اس عمل کرنے کا نام تقلید ہے۔

اللہ تعالی ہمیں اتباع کامل نصیب فرمائے۔

دیگر مذاہب کی کتب سے استفادہ کرنے کے متعلق احناف کی وسعت ظرفی:

ہمارے معاشرے میں رہنے والے آزاد خیال لبرل حضرات عموماجبکہ غیر مقلدین خصوصاًایک اعتراض کرتے ہیں کہ جی احناف ایک ہی امام کی تقلید کرکے دیگر تین ائمہ کرام اور انکے مقلدین حضرات کی علمی کاوشوں، وسیع علمی تحقیقات اور عظیم دینی جدوجہد پر پانی پھیر دیتے ہیں وہ یوں کہ بس صرف ایک ہی امام کی فقہ اور اسی کے مذھب سے وابسطہ حضرات کی تحقیق سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ دیگر تین آئمہ کرام یعنی امام شافعی، امام مالک و امام احمد بن حنبل رحہم اللہ اور انکے مقلدین کے وسیع علمی ذخیرے کو ادی کی ٹھوکری میں پھینک چکے ہیں۔ اس لئے کہ یہ ہمارے مذھب سے وابسطہ نہیں ہے- آخر یہ کہاں کاانصاف ہیں؟ کیادین کی خدمت صرف احناف ہی کرچکے ہیں کیادیگر تین آئمہ کرام اور انکے متبعین کے پاس علم نہیں تھاکیا یہ حضرات آپ علیہ السلام کے پیروکار نہیں تھے،یاپھر مذکورہ سوچ کے پیچھے مذہبی تعصب کارفرماہیں؟

جواب:

درحقیقت یہ احناف کے خلاف ایک غلط قسم کا پروپیگنڈا ہے للہ الحمد احناف ایک عالم گیر اور وسیع سوچ کے مالک ہیں، ہمارے احناف خود بھی دوسرے مذہب سے وابسطہ حضرات کی کتب سے استفادہ کرتے ہیں اور درس نظامی میں بھی طلبائے کرام کو دیگر تین ائمہ کرام کے مذہب سے تعلق رکھنے والے حضرات محققین، محدثین اور مفسرین کی کتب پڑھاتے ہیں- مثلاً شوافع میں سے حافظ عمادالدین ابن کثیر شافعی دمشقی رحمہ اللہ کی مشہور تفسیر، تفسیر ابن کثیر ہے جس میں مؤلف نے مفسرین کے تفسیری اقوال کو یکجا کردیاھے اور آیات کی تفسیر احادیثِ مرفوعہ اور اقوال واثار کے حوالے سے کی ھے۔ حسب ضرورت جرح وتعدیل سے بھی کام لیاہے، تفسیر کے شروع میں ایک مقدمہ ہے جس میں قرآن مجید سے متعلق علمی مباحث تحریر کئے ھے- مذکورہ تفسیر ہر حنفی عالم کے مطالعے میں ھے- بلکہ دوسروں کو بھی

اسکے پڑھنے کی ترغیب دیتے ہیں- اسکے علاوہ حنفی مسلک سے وابسطہ دینی مدارس کے نصاب میں شامل تفسیر کی سب سے اونچی کتاب جلالین شریف کے دونوں مؤلفین شافعی مسلک سے تعلق رکھتے ہیں، لیکن ہمارے احناف نے محض اختلافِ مذہب کی بنیاد پر اس عظیم تفسیر کو اسکے جائز مقام سے محروم نہیں کیا، جوکہ احناف کی وسعت نظر کی واضح دلیل ہیں- اگر احناف میں تعصب نام کی کوئی چیز ہوتی تو کبھی بھی درس نظامی میں جلالین کو نصاب کا حصہ نہ بناتے- یہ تو چھوڑئے بلکہ ہم تو معتزلہ جیسے فاسد العقیدہ حضرات کی کتب اور تحقیقی سے بھی استفادہ کرتے رہتے ہیں- اسکی واضح مثال تفسیرِ کشاف ہے جوکہ مشہور معتزلی مفسر علامہ زمخشری کی تفسیر ہے،اس سے نہ صرف تفسیر کے درس میں استفادہ کیا جاتا ھے بلکہ قرآن مجید کے اعجاز اور فصاحت وبلاغت کے بیان میں اسکی رائے کو بطور سند پیش کیا جاتا ھے۔حالانکہ معتزلہ کے بہت سے عقائد اہلسنت کے کئی اصولی عقائد سے متصادم ہیں- اور پھر علامہ زمخشری نے اس تفسیر کے اندر اہلسنت کے خلاف کئی مواقع پر سخت موقف بھی اختیار کیا ہے۔

آتے ہیں حدیث کی طرف: اہلسنت والجماعت کے چاروں فقہی مسالک کے ائمہ کرام نے اس موضوع پر گرانقدر خدمات سرانجام دی ہیں- ہمارے مدارس میں بلا تفریقِ مسلک، احادیث کی تمام مشہور کتابیں پڑھائی جاتی ہیں جن میں سرفہرست بخاری شریف ہے، امام بخاری رحمہ اللہ سے بعض مسائل میں اختلاف رکھنے کے باوجود انہیں امیر المؤمنین فی الحدیث کہا جاتا ہے، ان کی کتاب کتاب اللہ کے بعد عظیم اور صحیح کتاب سمجھا جاتا ہے۔مزے کی بات یہ کہ ہمارے احناف نے امام بخاری رحمہ اللہ کے اس کتاب کی شروحات بھی لکھی ھے-مثلاً علامہ عینی نے عمدۃ القاری کے نام سے اور علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے فیض الباری کے نام اور مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمہ اللہ نے کشف الباری کے نام شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ نے التقریر علیٰ صحیح البخاری کے نام، شیخ محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ نے تحفۃ القاری فی حل مشکلات البخاری کے نام سے شروحات لکھی ہیں۔

=÷=

احناف کے وسعتِ نظر کی واضح دلیل یہ بھی ہیں کہ صحاح الستہ یعنی حدیث کی چھ مشہور کتابیں جو ہمارے نصاب میں شامل ہیں انکے مؤلفین میں سے کوئی ایک بھی حنفی نہیں ہیں اسکے باوجود احناف کے ہاں ان کتب کو اتنی اہمیت حاصل ہے کہ انکو پڑھے بغیر کسی طالبعلم کو فراغت کی سند نہیں مل سکتی اب بھی یہ کہنا کہ احناف تنگ نظر ہے دوسرے مذاھب سے وابسطہ حضرات کی کتب سے استفادہ نہیں کرتے میں سمجھتاہوں یہ اعتراض خالص جہالت اور تعصب پر مبنی ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہم تینوں ائمہ کرام کے مذاہب سے تعلق رکھنے والوں کی کتب سے استفادہ کرتے آرہے ہیں۔

شوافع میں سے علامہ ابن حجر رحمہ اللہ کی کتب مثلا فتح الباری شرح صح البخاری، تقریب الیھذیب، یھذیب الیھذیب، الاصابۃ فی تمیز الصحابہ۔ اور علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کی کتب مثلا الحاوی للفتاوی، الاتقان فی علوم القرآن، تدریب الراوی، تقریر الاستناد فی تفسیر الاجتہاد اسی طرح وکیل شوافع امام بیہقی رحمہ اللہ کی کتب السنن الکبری، شعب الایمان، الدعوات الکبیر، جیسی کتب ہر حنفی لائبریری کی زینت بنی ہوئی ہیں. اسی طرح مالکیہ حضرات میں ابن عبدالبر رحمہ اللہ کی کتب, مثلا الاستیعاب فی معرفۃ الصحابۃ، التمھید، جامع بیان العلم وفضلہ، الاستذکار اور الکافی فی فقہ اھل المدینۃ, جیسی کتب تقریبا ہر حنفی عالم کے زیر مطالعہ ہیں.

حنابلہ میں سے مشہور امام مجتہد امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی مشہور کتاب مسند احمد ہے جو کہ چھ جلدوں پر مشتمل ہیں اسمیں تقریبا تین ہزار سے زیادہ احادیث ہیں۔

اسی طرح مشہور حنبلی عالم ابن تیمیہ رحمہ اللہ کتب مثلا منہاج السنۃ، الصارم المسلول، امراض القلوب اور الفتاوی الکبری، مجموع الفتاوی، یاابن قیم حنبلی رحمہ اللہ کی کتب مثلا اعلام الموقعین، زاد المعاد، کتاب الروح، شفاء العلیل، مدارج السالکین، اسی طرح علامہ ذھبی رحمہ اللہ کی کتب میزان الاعتدال فی نقد الرجال اور تذکرۃ الحفاظ، جیسے علمی وتحقیقی کتب سے احناف کے شیوخ وعلمائے کرام استفادہ کرتے رہتے ہیں۔ یہ میں نے بطور نمونہ چند کتب کے نام لئے ورنہ ورنہ ہزارہا ایسے کتب ہیں جنکے مؤلفین حنفی

المذھب نہیں لیکن للہ الحمد احناف انکی کتب پڑھتے رہتے ہیں، کیا یہ احناف کے عالمگیر سوچ ہونے کی واضح دلیل نہیں ہیں- دیکھیئے ہر مسلک و مذہب سے وابسطہ ادارے میں وہی فقہی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں جو اسی مذہب کے علماء نے لکھی ہو، ہمارے مدارس میں علم فقہ کی سب سے اونچی کتاب" ہدایہ ہے جس میں اختلافی مسائل میں ائمہ احناف کے نقطہ نظر کی ترجمانی کی گئی ہے لیکن اسی "ہدایہ" کے حاشیہ پر مشہور شافعی محدث اور فقیہ علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کی کتاب "الدرایہ" بھی لگائی گئی ہے جس میں انہوں نے کئی مقامات پر احناف کے دلائل کو کمزور ثابت کرنے کی کوشش کی ہے- کیا یہ احناف کے وسعتِ ظرفی اور ایک عالمگیر و وسیع سوچ رکھنے کی واضح دلیل نہیں ہے؟

آتے ہیں علم لغت کی طرف:

علم لغت میں مدارس اسلامیہ میں تاج العروس، مصباح اللغات اور دیگر شاہکار کتابوں کے ہوتے ہوئے عسائی مرتب لوئس معلوف کی شہرہ آفاق کتاب "المنجد" سے بھی استفادہ کیا جاتا ہے اور یہ تقریبا ہر بڑے عالم اور مدرسے کے کتب خانے میں لازماً موجود ہوتی ہے حالانکہ اہل علم جانتے ہیں کہ اس کے مرتب نے لغات کے بیان میں عیسائیت کے پرچار کی کوشش بھی کی ہے اور کئی اسلامی اصطلاحات کو بگاڑ کر بیان کیا یہ احناف کے وسعتِ ظرفی کی واضح دلیل و ثبوت نہیں ہے؟ بلکہ احناف تو اہل تشیع کی کتب سے بھی استفادہ کرتے رہتے ہیں۔

دیکھیئے! دینی مدارس کے نصاب میں ابتدائی درجات کے طلبہ کیلئے علم منطق کی اہم ترین کتابوں میں سے "شرح التھذیب" بھی پڑھائی جاتی ہے جو کسی سنی عالم کی نہیں بلکہ ایران سے تعلق رکھنے والے شیعہ مصنف علامہ عبداللہ بن الحسین اصفہانی کی ہے- آج تک اس کتاب کے شامل نصاب ہونے پر کسی مدرسے یا کسی عالم نے کوئی احتجاج نہیں کیا ہے بلکہ اس سے خوشدلی کے ساتھ استفادہ کیا جاتا ہے.

اسی طرح علم ادب میں اپنے زمانے میں نبوت کا دعوی کرنے والے ادیب و شاعر متنبی کی کتاب پڑھائی جاتی ہے جس کی دینی اور اخلاقی حالت تذکرہ نویسوں کے بقول نہایت ہی قابل رحم تھی لیکن چونکہ انکی

کتاب فنِ ادب کا شاہکار ہے اس لئے علماء نے اسکے عقائد اور خیالات سے قطع نظر کر کے طلبہ کو ان کے ادب سے مستفید ہونے کا موقع دیا ہے، جاہلیت کے زمانے میں شاہکار عربی نظموں کا مجموعہ "السبع المعلقات" بھی بہت سے حنفی مدارس میں داخل نصاب ہے جس میں جاہلیت کے عقائد اور نظریات بھی شامل ہیں۔

علمائے احناف نے انکے عقائد و نظریات کو صرف نظر کر کے ان کی ادبی حیثیت کا اعتراف کیا ہے اور اسے اپنے نصاب میں ممتاز مقام عطاء کیا ہے- اگر انصاف سے کام لیا جائے تو یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہوتی ہے کہ احناف نے کبھی بھی فرقہ واریت، تنگ نظری، نفرت اور فرقہ وارانہ سوچ نہیں اپنائی بلکہ ہمیشہ وسعت ظرفی، اعتدال وانصاف اور اتحاد واتفاق کا سبق دنیا کو دیا ہے، احناف کا دامن ان تمام الزامات سے پاک ہیں جن کو مذہب بیزار ملحدین اور نام نہاد اہلحدیث وقتاً فوقتاً پھیلاتے رہتے ہیں۔

صرف ایک امام کی تقلید کس دلیل کی بنیاد پہ؟

لامذہب غیر مقلدین جماعۃ المسلمین، منکر حدیث اور موجودہ دور کے ملحدین مشترک طور ایک اعتراض کرتے ہیں۔ کہ تم احناف کہتے ہو امام ابو حنیفۃ، امام شافعی، امام مالک، اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ یہ چاروں آئمہ برحق ہیں تو سوال یہ ہے کہ جب چاروں برحق ہیں تو پھر چاروں ہی کو مان لو۔ تم کیوں صرف امام ابو حنیفۃ رحمہ اللہ کی اجتہادی مسائل اور تحقیقات قبول کرتے ہو؟ کیا تقلید شخص یعنی صرف ایک ہی آدمی کی بات کا ماننا یہ خیر القرون میں تھی کہ نہیں؟ اگر تھی تو اسکی دلیل کیا ہیں؟

جواب۔

الحمد اللہ ہم احناف چاروں ائمہ کرام کو برحق مانتے ہیں لیکن تقلید صرف امام صاحب رحمہ اللہ کے مذہب کی کرتے ہیں۔ جیسے کہ قرآن پڑھنے کی سات قراتیں ہیں جسکو سات قاریوں نے لکھا اور اب یہ قراتیں انہی کی طرف منسوب کی جاتی ہے مگر ہم سات قاریوں میں سے صرف ایک ہی قاری کی قرأت کے مطابق قرآن پڑھتے ہیں، خود غیر مقلدین بھی باقی چھ قرّاء کرام کی قرات چھوڑ کر صرف ایک ہی قاری کی تقلید میں قرآن کی تلاوت کرتے ہیں- اگرچہ ساتھوں ائمہ قرّاء کرام سب کے سب برحق ہیں- مگر تقلید صرف ایک ہی قاری کی جاتی ہے۔اسی طرح صحابہ کرام سب کے سب برحق ہیں مگر یمن میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اور مکہ مکرمہ میں حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تقلید شخصی کی جاتی تھی۔

اسی طرح مدینہ منورہ میں اپنی اپنی خلافت میں خلفائے راشدین کی تقلید ہوتی رہی- اور کوفہ میں حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ انکے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ پھر حضرت ابراھیم نخعی رحمہ اللہ کی تقلید ہوتی رہی- معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کے دور میں بھی تقلید شخصی بلا نکیر ہوتی رہی- بلکہ صحابہ کرام بھی تقلید شخصی کا مشورہ لوگوں کو دیا کرتے تھے۔

=:=

جیسے کہ ایک سول کرنے والا حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس مسئلہ پوچھنے آیا، آپ نے جواب دیا، مگر یہ بھی سائل سے کہا کہ یہ مسئلہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی پوچھ لینا، وہ سائل ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آیا مسئلہ پوچھا، ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے جو جواب دیا وہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے جواب کے خلاف تھا- ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو جب پتہ چلا تو اپنے موقف اور فتویٰ سے رجوع کیا مزید یہ کہ سائل سے فرمایا۔ لا یسئلونی مادام ھذا الحبر فیکم۔ یعنی آئندہ مجھ سے سوال نہ کرو جب تک علم کا یہ سمندر تم میں موجود ہوں۔

دیکھئے! ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سوال کرنے والے کو صرف ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی تقلید شخصی کا مشورہ دے دیا ہیں حالانکہ اسوقت دیگر صحابہ کرام بھی موجود تھے جو کہ یقیناً وہ سارے کے سارے برحق تھے- اسکو یہ نہیں کہا کہ پھر تمام صحابہ کرام سے مسئلہ پوچھ لینا صرف مجھ سے نہ پوچھنا نہیں تمام صحابہ کرام میں سے صرف ایک صحابیِ رسول کا انتخاب کر کے مشورہ دے رہے ہیں کہ صرف ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی تقلید کیا کرو۔ جو کہ تقلید شخصی ہی کہلائیگی-

(بخاری شریف جلد2ص529 طبع رحمانیہ / ابوداؤد شریف طبع حقانیہ ج2ص44 / ترمذی شریف طبع رحمانیہ ج2ص30)

دوسری دلیل- ابوداؤد شریف میں میمون اددی رحمہ اللہ کی حدیث ہیں جسکی الفاظ یہ ہیں۔ قدم علینا معاذبن جبل الىمن رسول الله صلى الله عليه وسلم الينا فقال سمعت تكبيره مع الفجر رجل اجَشُّ الصوت قال فالقيت محبتى عليه فمافارقته حتىٰ دفنته بالشام ميتا ثم نظرت الىٰ افقه الناس بعده فاتيت ابن مسعود رضى الله عنه فلَزِمْتُه حتىٰ مات۔

ابوداؤد شريف ص68 طبع حقانيه باب اذا اخر الامام الصلوٰة عن الوقت)

=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=

یعنی حضرت میمون اودی رحمہ فرماتے ہیں کہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد بن کر ہمارے پاس یمن تشریف لے آئیں. میں نے فجر میں انکی تکبیر سنی، وہ ایک بھاری آواز والے آدمی تھے، مجھ کو ان سے محبت ہو گئی، میں نے انکا ساتھ نہیں چھوڑا یہاں تک کہ میں نے ان کو شام میں دفن کیا، پھر میں نے غور کیا کہ ان کے بعد لوگوں میں سب سے بڑا فقیہ کون ہے؟(تو معلوم ہوا کہ عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں) چناچہ میں عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ کے پاس آیا اور انکے ساتھ چمٹا رہا یہاں تک کہ وہ بھی انتقال فرما گئے۔

استدلال: مذکورہ روایت میں حضرت میمون اودی رحمہ اللہ کا یہ فرمان کہ میں نے معاذ رضی اللہ عنہ کے بعد دیکھا کہ بہت بڑا فقیہ کون ہے۔یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ پہلے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اور پھر ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی صحبت اختیار کرنا ان حضرات سے فقہی مسائل کو معلوم کرنے کیلئے تھا لھذا جب معاذ رضی اللہ عنہ زندہ تھے تو انکی تقلید شخصی کیا کرتے تھے پھر انکی وفات کے بعد ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی تقلید شخصی کرنے لگے-تو ایک ہی وقت میں ایک ہی فقیہ کی تقلید اپنے اوپر لازم کر لینا یہ تقلید شخصی کی واضح دلیل ہے۔

دیکھئے! صحابہ کرام سب کے سب بر حق ہیں مگر حضرت میمون اودی رحمہ اللہ ان میں سے ایک ایک صحابی کا انتخاب کر کے انکی تقلید شخصی کرتے ہیں- کبھی کبھار لامذھب غیر مقلدین ایک اعتراض کرتے ہیں کہ جس طرح میمون اودی رحمہ اللہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی زندگی میں انکی تقلید کرتے تھے مگر جب معاذ رضی اللہ عنہ وفات پا گئے تو آپ نے معاذ رضی اللہ عنہ کی تقلید چھوڑ دی تو تم بھی اب امام ابو حنیفۃ رحمہ اللہ کی تقلید چھوڑ دو کیونکہ امام صاحب بھی اب وفات پا چکے ہیں-یاد رکھئے! ہم کسی کی ذات کی تقلید نہیں کرتے بلکہ انکے علم کی اتباع و تقلید کرتے ہیں اور امام صاحب رحمہ اللہ کا علم اب بھی کتابوں کی شکل میں زندہ ہیں۔

=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=

رہ گئی یہ بات کہ حضرت میمون اودی رحمہ اللہ نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی تقلید کیوں چھوڑ دی تو اسکی وجہ یہ تھی کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا مذہب غیر مدون تھا یعنی کتابی شکل میں موجود نہیں تھا جس سے حضرت میمون اودی رحمہ اللہ استفادہ کر سکتے۔اس بناء پر حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ان کی تقلید چھوڑ دی۔

=÷=

کتاب الاثار کو بخاری شریف پر ترجیح وفوقیت حاصل ہے:

پہلے ویڈیو کلیپ میں ہم نے ذکر کیا تھا کہ غیر مقلدین بوقت بحث ومباحثہ اُصول سے ھٹ کر غلط قسم کی مطالبات کرتے ہیں مثلاً وہ کہتے ہیں۔

کہ تم نے اپنے مدعیٰ پر بطور دلیل حدیث بخاری شریف سے ہی پیش کرنی ہے نہ کہ امام صاحب رحمہ اللہ کی کتابِ کتاب الاثار سے۔

اس کا ایک جواب تو ہم نے پچھلے درس میں تفصیلاً دیا تھا کہ

فریق مخالف دلیل کا مطالبہ کر سکتا ہے لیکن دلیل خاص کا مطالبہ نہیں کر سکتا. آج کے درس میں غیر مقلدین کی معلومات میں اضافہ کرنے کی خاطر یہ بات عرض کرئیںنگے کہ ہمارے امام صاحب رحمہ اللہ کی کتاب "کتاب الاثار" کو "بخاری شریف" پر (9) وجوہات کی وجہ سے فوقیت وترجیح حاصل ہے۔جو کہ بہت بڑا اعزاز ہے "کتاب الاثار" ہمارے امام سید الفقہاء امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی ایک عظیم شاہد کار تصنیف ہے"

"کتاب الاثار" کی مرویات واحادیث کا اندازہ آپ اِس سے لگائیں کہ صدر ائمہ موفق بن احمد مکی رحمہ اللہ اپنی کتاب

(مناقب الامام الاعظم میں کتاب الاثار کے متعلق لکھتے ہیں:

"وانتخب ابو حنيفة رحمه الله الآثار من اربعين الف حديث" یعنی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے کتاب الاثار کا انتخاب چالیس ہزار احادیث سے کیا ہے۔

آتے ہیں کتاب الاثار کے مؤلف کی خصوصیات وترجیحات کی طرف۔

پہلی وجہ ترجیح۔امام صاحب رحمہ اللہ کی مرویات میں وحدانیات شامل ہے یعنی وہ حدیثیں جو آپ نے براہ راست صحابہ اکرام سے سنے اور صحابہ اکرام نے جناب رسول اللہ صلیؐ اللہ علیہ وسلمؐ سے سنیں ہیں یعنی امام صاحب اور آپ علیہ السلام کے درمیان صرف ایک ہی واسطہ ہے اس لئے انہیں وحدانیات کہا جاتا ہے اور یہ اعزاز صحاح ستہ کے مؤلفین میں بشمول امام بخاری کے کسی کو بھی حاصل

نہیں بلکہ چار ائمہ اکرام میں صرف آپ ہی کو یہ شرف حاصل ہوا ہے۔اور علامہ سیوطی شافعی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب تبییض الصحیفہ صفحہ 22 پہ ان چھ صحابہ اکرام کے نام بھی ذکر کئے جن سے امام صاحب رحمہ اللہ نے احادیث نقل کی ہے۔

امام صاحب کی یہ وحدانیات مسند امام اعظم میں بھی مذکور ہیں۔

عبد اللہ ابن جزء رضی اللہ عنہ سے صفحہ 30 عبد اللہ ابن انیس رضی اللہ عنہ سے صفحہ 215

واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے صفحہ 216، جابر بن عبد اللہ سے صفحہ 208، عائشہ بنت عجرد رضی اللہ عنہا سے صفحہ 194، اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے صفحہ 214 وصفحہ 215 پر مذکور ہیں۔

دوسری وجہ ترجیح۔ کتاب الاثار میں ثنائیات۔

وحدانیات کے بعد امام صاحب رحمہ اللہ کی مرویات میں ثنائیات کا درجہ ہیں یعنی وہ احادیث جو اپ نے تابعین سے سنیں اور تابعین نے ان کو صحابہ سے سنا۔

امام صاحب رحمہ اللہ کی کتاب الاثار میں 13 روایات ایسی موجود ہیں ثنائیات میں صرف امام مالک رحمہ اللہ امام صاحب کے ساتھ شریک ہو جاتے ہیں۔ امام مالک رحمہ اللہ چونکہ تابعی نہیں بلکہ تبع تابعی ہے اس لئے ان کی مرویات میں

سب سے عالی مرویات ثنائیات ہی ہیں۔اِسکے علاوہ ثنائیات

=÷=

کا شرف نہ تو امام شافعی و امام امام احمد بن حنبل رحمہا اللہ کو حاصل ہیں اور اور نہ ہی مؤلفین صحاح ستہ میں سے کسی کو حاصل ہے۔

معلوم ہوا کہ ثنائیات کے اعتبار سے بھی کتاب الاثار کو بخاری شریف پر ترجیح حاصل ہیں۔

۔ثلاثیات۔

امام صاحب رحمہ اللہ کی ثلاثیات وہ مرویات واحادیث کہلاتے ہیں جن کو انہوں نے تبع تابعین سے سنا اور تبع تابعین نے تابعین سے اور تابعین نے صحابہ اکرام سے سنا۔

امام اعظم رحمہ اللہ کی ثلاثیات کتاب الاثار میں پائی جاتی ہیں جن کی تعداد 35 ہیں۔امام شافعی امام احمد بن حنبل اسی طرح مصنفین صحاح ستہ میں بشمول امام بخاری رحمہ اللہ کے کسی نے بھی کسی تابعی سے ملاقات نہیں کی ہے اِس ان حضرات کی سب سے عالی روایات ثلاثیات ہی ہیں۔ان کی کتب میں ثلاثیات کی تعداد کچھ اس طرح ہیں۔ صحیح بخاری شریف میں ٹوٹل ثلاثیات 22 ہیں۔

جبکہ سنن ابن ماجہ میں 5، سنن ابی داؤد اور ترمذی شریف میں ایک ایک ثلاثی روایت موجود ہیں امام مسلم اور امام نسائی کو تو کسی تبع تابعی سے بھی کوئی روایت نہ مل سکی۔

معلوم ہوا کہ احادیث ثلاثیات کے اعتبار سے بھی امام صاحب کی کتاب کتاب الاثار کو بخاری شریف اور دیگر کتب پر ترجیح حاصل ہے۔

چوتھی وجہ ترجیح یہ ہے کہ کتاب الاثار کا مصنف فقہیہ ہے اور یہ قاعدہ اہل فن کے ہاں مسلّم ہے "ورواية الفقهية راجح على رواية الشيخ"

یعنی فقہیہ کی روایت غیر فقہیہ کی روایت پر مقدم ہے۔

پانچویں وجہ ترجیح یہ ہے کہ کتاب الاثار خیرون القرون میں لکھی گئی کتاب ہے جن کی تمام روات خیرون القرون کے ہیں اور
خیرون القرون خیر ہی کا زمانہ ہے تو اس اعتبار سے بھی کتاب الاثار کو حدیث کی دیگر تمام کتب پر فوقیت حاصل ہے۔
چھٹی وجہ ترجیح یہ ہے کہ کتاب الاثار میں موجود تمام احادیث معمول بھاہیں یعنی اُس پر باقاعدہ امت کا عمل جاری ہیں۔

ساتھویں وجہ ترجیح یہ ہے کہ. حدیث لینے میں امام صاحب نے جو شرط مقرر کیا ہے وہ امام بخاری و امام مسلم دونوں سے زیادہ سخت ہے وہ شرط کیا ہے امام صاحب فرماتے ہیں کہ کسی شخص کو اس وقت تک حدیث نہیں بیان کرنا چاہیئے جب تک کہ سننے کے دن سے لے کر بیان کرنے کے دن تک اُسی طرح یاد نہ ہو۔اِسی لئے تو علامہ سیوطی رحمہ اللہ اپنی کتاب "تدریب الراوی" میں امام صاحب کا مذہب نقل کر کے لکھتے ہیں کہ:وھذا مذھب شدید وقد استقر العمل علی خلافه فلعل الرواة فی الصحیحین ممن یوصف بالحفظ لا یبلغون النصف
(تدریب الراوی صفحہ نمبر 160)
یعنی واقعی یہ سخت مذہب ہے اور عمل محدثین کا اسکے خلاف آرہا ہیں (کیونکہ دیگر محدثین حدیث کے حفظ کی بجائے کتابت کو کافی سمجھتے ہیں راقم) علامہ سیوطی رحمہ اللہ مزید لکھتے ہیں کہ غالباً صحیحین کے اُن رُواۃ کی تعداد جو حفظ سے موصوف ہیں، نصف تک نہیں پہنچتی۔لھذا احتیاط کی خاطر حدیث لینے کیلئے سخط شرط کو وضع کرنے کے اعتبار سے بھی کتاب الاثار کو بخاری شریف اور دیگر کتب حدیث پر فوقیت حاصل ہیں۔

کتاب الاثار کے آٹھویں وجہ ترجیح یہ ہے کہ اس کا مصنّف

=÷=

یعنی امام صاحب تابعی ہیں جس نے صحابہ اکرام کو دیکھا بھی ہے اور اور ان سے روایت بھی کی ہے یعنی صحابہ اکرام کا شاگرد کہلاتا ہے جبکہ صحاح ستہ کے مصنّفین میں سے بشمول امام بخاری کے کسی نے بھی کوئی ایک صحابی بھی نہیں دیکھا ہے۔ بلکہ ان حضرات نے تو کسی تابعی کو بھی نہیں دیکھا ہے صحابی تو دور کی بات ہے۔ لھذا امام صاحب کا تابعی مصنّف ہونے کے اعتبار سے بھی کتاب الاثار کو دیگر کتب حدیث پر فوقیت وترجیح حاصل ہے۔

نویں وجہ ترجیح کتاب الاثار کی یہ ہے کہ کتاب الاثار کا مصنّف صاحب مذہب مجتھد ہے دنیا میں امت کی اکثریت امام صاحب ہی کے مقلدین ہیں۔ جبکہ صحاح ستہ کے مؤلفین میں بشمول امام بخاری رحمہ اللہ کے کوئی بھی صاحب مذہب مجتھد نہیں ہیں۔

=÷=

مسئلہ ترک رفع الیدین:

آج کے اس پر فتن دور میں جہاں نوجوان مسجد میں آنا گوارا نہیں کرتا وہاں کسی نوجوان کا مسجد میں آکر نماز آدا کرنا ہی غنیمت ہے۔ لیکن ہمارے معاشرے میں ایسے کئی باطل فرقے اپنے ناپاک مقاصد میں سرگرم عمل ہیں جن کا کام امت مسلمہ کو گمراہ کرنا اور ان میں فساد برپا کرنا ہے ایسے ہی باطل فرقوں کے لوگ عام اور لاعلم مسلمانوں کے سامنے بخاری و مسلم کی چند احادیث پیش کر کے ان کے دلوں میں وسوسے پیدا کرتے ہیں کہ اگر وہ نماز میں رفع الیدین نہیں کرینگے تو ان کی نماز نہیں ہو گی۔ آج کا نوجوان جب لاعلمی کے ساتھ ایسے نہ ختم ہونے والی بحث میں مبتلا ہوتا ہے جس کے قطعی اور اٹل نتیجہ پر آج تک کوئی نہیں پہنچ سکا تو وہ نوجوان یا تو نماز پڑھنے ہی سے چلا جاتا ہے یا پھر اگر رہ بھی گیا تو ایسے باطل فرقوں کی باتوں میں آکر ان ہی کی خطرناک سوچ کا حامی ہو جاتا ہے اور ان کے ناپاک مقاصد میں ان کے ساتھ شریک ہو جاتا ہے۔

آتے ہیں مقصد کی طرف۔

مسئلہ ترک رفع الیدین ہمارے اور لامذھب غیر مقلدین کے درمیان ایک مشہور اختلافی مسئلہ ہے۔ غیر مقلدین کے اکثر مناظرے اور بحث اسی مسئلے کے گرد گھومتے رہتے ہیں۔ بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ مسئلہ تقلید اور رفع الیدین غیر مقلدیت کی بنیاد اور معیار ہے تو بے جا نہ ہو گا۔

مسئلہ ترک رفع الیدین کو صحیح اور مکمل طور سمجھنے کیلئے آج ہم بتوفیق اللہ اس مسئلے کو چار مباحث میں تقسیم کرینگے۔

مبحث اول: مسئلہ ترک رفع الیدین کے متعلق ایک زبردست تمہید اور جانبین کا دعویٰ

مبحث ثانی: ترک رفع الیدین کے متعلق ہمارے دلائل

مبحث ثالث: مسئلہ رفع الیدین اور مذاہب

مبحث چہارم: شوافع وحنابلہ اور غیر مقلدین کے رفع الیدین میں فرق۔

مبحث اول: مسئلہ ترک رفع الیدین کے متعلق ایک زبردست تمہید اور جانبین کا دعویٰ

رفع الیدین کا معنی ہے ہاتھوں کا اٹھانا، چونکہ اس مسئلے کا تعلق نماز کے ساتھ ہے تو

رفع الیدین سے نماز میں کانوں تک ہاتھ اٹھانے کو مراد لیتے ہیں۔

مذکورہ مسئلے میں ہمارے احناف کا دعویٰ یہ ہے کہ: احادیث کی کتب میں چار رکعات والی نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے 28 جگہ رفع الیدین ثابت ہے۔ اور یہ سلسلہ تب تک چلتا رہا جب تک اللہ نے چاہا، نماز کے احکام تبدیل ہوئے تو آپ علیہ السلام تکبیر تحریمہ افتتاح الصلوۃ کے علاوہ باقی نماز میں 27 جگہ رفع الیدین چھوڑ دی، لہذا اب نماز میں رفع الیدین کرنا منع، منسوخ اور متروک ہے۔ یہی مذہب خلفائے راشدین، بے شمار صحابہ کرام تابعین اور تبع تابعین کا ہے اسی پر اجماع امت اکثری بھی ہے۔ اور ائمہ فقہاء کرام ومحدثین خصوصاً امام ابو حنیفہ، امام مالک اور امام سفیان ثوری رحمہم اللہ کا مذہب یہی ہے۔

اب رہ گئی یہ بات کہ شروع میں آپ علیہ السلام کونسے 28 جگہ رفع الیدین کرتے تھے۔ آئیں سمجھیں۔

چار رکعات نماز میں چار رکوع ہیں، رکوع جاتے وقت اور اٹھتے وقت رفع الیدین کرنا، ہوگئے آٹھ۔

اسی طرح چار رکعات نماز میں آٹھ سجدے ہیں تو سجدہ جاتے وقت اور اٹھتے وقت رفع الیدین کرنا، یہ ہوگئے سولہ۔ آٹھ اور سولہ یہ ہوگئے چوبیس۔

شروع نماز میں تکبیرِ تحریمہ کے وقت رفع الیدین کرنا، یہ ہوگئے پچیس۔ دوسری رکعت کیلئے اٹھتے وقت رفع الیدین کرنا، یہ ہوگئے چھبیس۔ اسی طرح تشہد پڑھنے کے بعد تیسری رکعت کیلئے اٹھتے وقت رفع الیدین کرنا، یہ ہوگئے ستائیس۔ پھر تیسری رکعت سے چوتھی رکعت کیلئے اٹھتے وقت رفع الیدین کرنا یہ ہوگئے اٹھائیس۔

مسئلہ رفع الیدین کے متعلق غیر مقلدین کا دعویٰ:

غیر مقلدین کا دعویٰ یہ ہے کہ چار رکعات والی نماز میں دس جگہ رفع الیدین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمیشہ وفات تک ثابت ہے اور اٹھارہ جگہ رفع الیدین منسوخ ومتروک ہیں۔مزید یہ حکم بھی لگاتے ہیں کہ یہ رفع الیدین فرض وواجب ہے اس کے بغیر نماز فاسد وباطل ہیں۔اور اس رفع الیدین پر چار سو کے لگ بھگ احادیث موجود ہیں۔

یاد رکھئے: غیر مقلدین کے دعوے کے چار شق بن گئے۔

نمبر ایک۔چار رکعات والی نماز میں دس جگہ رفع الیدین کا ثبوت۔

نمبر دو۔اٹھارہ جگہ کی نفی۔

نمبر تین۔اس پر دوام یعنی آپ علیہ السلام وفات تک رفع الیدین کرتے رہے۔

نمبر چار۔اس کے بغیر نماز باطل وفاسد ہے۔

ہم غیر مقلدین سے مطالبہ کرتے ہیں کہ چار سو احادیث میں صرف ایک ہی ایسی حدیث دکھائیں جس میں آپ کے دعوے کے چاروں شق اس میں موجود ہو،ہاں آپ ہم سے یہی سے مطالبہ کرلیں ہم پورا کر کے دکھائیں گے یعنی اٹھائیس مرتبہ رفع الیدین میں سے ستائیس جگہ رفع الیدین کی منسوخیت اور ایک جگہ کا اثبات دکھائینگے۔

مبحث ثانی: ترک رفع الیدین کے متعلق ہمارے دلائل۔

پہلی دلیل: الذین ھم فی صلٰوتھم خاشعون. (سورۃ المؤمنون اٰیۃ ۲ پارہ ۱۸)

مذکورہ آیت کی تفسیر میں جلیل القدر صحابی مفسر قرآن ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

ای مخبتون متواضعون لایلتفتون یمینا ولاشمالا ولایرفعون ایدیھم فی الصلوٰۃ.

یعنی اس آیت سے وہ لوگ مراد ہیں جو نماز میں عاجزی کرتے ہیں ادھر ادھر نہیں دیکھتے اور نماز کے اندر رفع الیدین نہیں کرتے۔(تفسیر ابن عباس، ص212، طبع مردان)

دیکھئے: ابن عباس رضی اللہ عنہما نے قرآن کی آیت کی تفسیر سے مسئلہ صاف بتادیا کہ نماز کے اندر (یعنی ستائیس جگہ) رفع الیدین کرنا خشوع وخضوع اور عاجزی کے خلاف ہے۔

ہم احناف شروع نماز میں جو رفع الیدین کرتے ہیں وہ للصلوٰۃ ہے فی الصلوٰۃ نہیں، ابن عباس رضی اللہ عنہما فی الصلوٰۃ والی رفع الیدین یعنی نماز کے اندر والی رفع الیدین کو خشوعِ نماز کے خلاف قرار دیتے ہیں نہ کہ للصلوٰۃ والی رفع الیدین کو۔

اعتراض: غیر مقلدین کہتے ہیں کہ تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہما کی سند میں محمد بن مروان السدی، محمد بن سائب الکلبی اور ابو صالح باذام سخت ضعیف ہیں۔

جواب: ایسا ہو سکتا ہے ایک آدمی ایک فن میں ماہر فن میں اور ثقہ نہ ہو لیکن دوسرے فن کا امام اور ماہر ہو۔اسی حقیقت کے پیش نظر محدثین نے یہ اصول بیان کیا ہے کہ بعض ائمہ فن حدیث میں تو نا قابل اعتبار ہیں لیکن فن تفسیر میں ان کی روایات قابل قبول ہوتی ہے۔

مثلاً قال الامام البهيقى! قال يحيٰ بن سعيد يعنى القطان تساهلوا فى التفسير عن قوم لايوثقونهم فى الحديث ثم ذكر ليث بن ابي سليم وجُوَيبِر لن سعيد والضحاک ومحمد بن السائب يعنى الكلبى وقال هؤلاء لايحمد حديثهم ويكتب التفسير عنهم.

(دلائل النبوة للبهيقى ج1 ص33/ ميزان الاعتدال للذهبى ج1ص391 فى ترجمة جويبر بن سعيد، / التهذيب لابن حجر ج1ص398 فى ترجمة جويبر بن سعيد.

=÷=

لہذا مذکورہ رواۃ کا تذکرہ ائمہ نے مفسرین کے طور پر کیا ہے، اصولی طور ان کی روایات مقبول ہیں۔ رہا ان پر کلام تو وہ فن حدیث کے بارے میں ہے، نہ کہ تفسیر کے متعلق۔

دوسری دلیل:

دیکھئے: شروع میں ہم نے یہ بات کہی تھی کہ رفع الیدین منسوخ و متروک ہو چکا ہے یعنی آپ علیہ السلام رفع الیدین کرتے تھے لیکن بعد میں چھوڑ دیا۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس کے منسوخ ہونے کی طرف صاف الفاظ میں تصریح کی ہے:

عن زید بن اسلم عن عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما قال کنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بمکۃ نرفع ایدینا فی بدء الصلوٰۃ وفی داخل الصلوٰۃ عندالرکوع فلما ھاجر النبی صلی اللہ علیہ وسلم إلی المدینۃ ترک رفْعَ الدین فی داخل الصلوٰۃ عندالرکوع وثبت علی رفع الیدین فی بدء الصلوٰۃ۔

(اخبار الفقہاء والمحدثین للقیروانی ص214، طبع بیروت)

یعنی جس وقت ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ میں تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شروع نماز میں بھی رفع الیدین کرتے اور نماز کے اندر بھی بوقت رکوع رفع الیدین کرتے تھے۔ لیکن جس وقت آپ علیہ السلام نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی تو نماز کے اندر والی یعنی بوقت رکوع رفع الیدین چھوڑ دی، اور شروع نماز والی رفع الیدین پر آپ علیہ السلام قائم رہے۔

تیسری دلیل:

عن علقمۃ، عن عبداللہ، قال صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر وعمر، فلم یرفعوا ایدیھم الا عند افتتاح الصلوٰۃ۔

=:=

(کتاب المعجم لابی بکر الاسماعیلی ج2 ص193/ مسند ابي یعلٰی ص922)

عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر فقیہ صحابی فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیق و عمر رضی اللہ عنہما تینوں کے پیچھے نماز پڑھی ہے یہ حضرات شروع نماز کے علاوہ باقی نماز کے اندر کہیں بھی رفع الیدین نہیں کرتے تھے۔

چوتھی دلیل:

عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک دوسری روایت بھی منقول ہے۔

عن علقمة عن عبداللہ قال الا اخبرکم بصلٰوۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فقام فرفع یدیہ اول مرۃ ثم لم یعد وفی نسخة ثم لم یرفع۔

(سنن نسائی ج1 ص158، باب ترک ذلک)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام سے فرمایا کیا میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز نہ بتاؤ؟ تو آپ کھڑے ہوئے شروع نماز میں رفع الیدین کی پھر پوری نماز میں رفع الیدین نہیں کی۔

مذکورہ حدیث کے متعلق غیر مقلدین کے مایہ ناز محقق علاوہ شیخ ناصر الدین البانی لکھتے ہیں کہ:

والحق انہ حدیث صحیح واسنادہ صحیح علٰی شرط المسلم۔

(کمافی مشکٰوۃ المصابیح بتحقیق الالبانی ج1 ص254)

مبحث سوم: رفع الیدین اور مذاہب:

غیر مقلدین جھوٹ بولتے ہیں کہ جی تین ائمہ کرام (امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ) رفع الیدین کرتے ہیں صرف امام صاحب رفع الیدین کے قائل نہیں۔ لہذا اکثریت کی بات مان کر رفع الیدین کرنا چاہیے۔

=÷=

غیر مقلدین کی یہ بات ناانصافی اور جھوٹ پر مبنی ہے۔امام ابو حنیفہ امام مالک اور امام سفیان ثوری رحمہم اللہ جیسے تین مجتہدین ایک طرف ہیں اور امام شافعی وامام احمد بن حنبل رحمہما اللہ دوسری طرف ہیں۔ظاہر ہے تین ائمہ کرام ہی کو دی جائیگی۔

عبارت ملاحظہ فرمائیں:

علامہ ابن رشد المالکی (متوفی،590) فرماتے ہیں۔

واما اختلافُهم فی المواضع التی تُرفَعُ فیها فَذَهَبَ اهلُ الکوفةِ ابو حنیفة وسفیانُ الثوريُ وسائرُ فقهائِهم إلى أنه لا المصلیُ یدیه الا عند تکبیرة الاحرام فقط،وهي روایةُ ابنِ القاسم عن مالک.(بدایة المجتهد ونهایة المقتصد ج۱ ص۳۲۶)

مذہب مالکیہ کی مستند کتاب المدونۃ الکبری میں تو صاف لکھا ہوا ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے تھے میں تکبیرِ تحریمہ کے علاوہ باقی جگہوں میں رفع الیدین کرنے کو جانتا بھی نہیں ہوں۔اور یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک رفع الیدین کرنا ضعیف ہے۔

عبارت ملاحظہ فرمائیں:

وقال مالک،لا أعرفُ رَفُعَ فی شئ من تکبیر الصلوٰۃ لا فی خفضٍ ولا فی رفعٍ الا فی افتتاح الصلوٰۃ.

(المدونة الکبرٰی للامام مالک ج۱ ص۱۶۵،طبع دار الفکر بیروت)

ہاں امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمهما اللہ رفع الیدین کرتے ہیں مگر ان کے اور غیر مقلدین کے رفع الیدین میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

مبحث چہارم:

=÷=

شوافع، حنابلہ اور غیر مقلدین کے رفع الیدین میں فرق:

فرق اول:

شوافع وحنابلہ رفع الیدین کو مستحب کہتے ہیں جبکہ غیر مقلدین رفع الیدین کو فرض اور واجب کہتے ہیں۔ یہ کوئی معمولی فرق نہیں، مستحب کے چھوڑنے پہ گناہ بھی نہیں ملتا جبکہ فرض وواجب کو چھوڑنے سے نماز فاسد و باطل ہو جاتا ہے۔

اس فرق کو مد نظر رکھتے ہوئے شوافع وحنابلہ کے نزدیک ہماری نماز بالکل صحیح ہیں لیکن غیر مقلدین کے نزدیک ہماری نماز فاسد و باطل ہے۔

دوسرا فرق:

شوافع وحنابلہ رفع الیدین کو اپنے امام کا اجتہادی مسئلہ کہتے ہیں ظاہر ہے ایک امام کے اجتہادی فیصلے سے دوسرا امام اختلاف کر سکتا ہے اور دونوں کو عند اللہ اجر و ثواب ملتا ہے۔ جبکہ غیر مقلدین رفع الیدین کرنے کو اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ بتاتے ہیں، اسی وجہ سے یہ حضرات احناف کو گنہگار سمجھ کر کہتے ہیں کہ رفع الیدین کرنا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ ہے اس کو نہ کرنے والا گنہگار ہے۔

تیسرا فرق:

شوافع وحنابلہ رفع الیدین کو اپنے امام کا فیصلہ و مذہب سمجھ کر بطور عبادت کے کرتے ہیں جبکہ غیر مقلدین میں سے اکثر کا رفع الیدین بطور شرارت ہے۔

چوتھا فرق:

رفع الیدین کرنے اور نہ کرنے دونوں کے متعلق مختلف قسم کی متعارض احادیث موجود ہیں، چاروں مذاہب والے احادیث متعارضہ میں توفیق و تطبیق کے قائل ہیں یا جمع بین الروایات وترجیح کے قائل ہیں جبکہ غیر مقلدین انکار حدیث کے قائل ہیں ہم احادیث متعارضہ میں تطبیق سے کام لیتے ہیں یا پھر بعض احادیث کو بعض پر ترجیح دیتے ہیں اور یا جمع بین الروایات کے قائل ہیں۔ لیکن غیر مقلدین کہتے ہیں کہ نہیں رفع الیدین فرض ہے اس کے بغیر نماز ہی نہیں ہوتی اور ترک رفع الیدین کے کسی حدیث کی بھی کوئی حیثیت نہیں۔ تو اس طرح غیر مقلدین انکار حدیث کے مرتکب ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں فروعی مسائل میں بے جا شدت اور تعصب سے بچائیں۔

=÷=

مسئلہ رفع الیدین میں غیر مقلدین کا آپس میں اختلاف:

اختلافی مقامات میں رفع الیدین کے متعلق موجودہ دور کے غیر مقلدین اتنے متعصب ہیں کہ اس کو اپنی نجات کا ذریعہ سمجھتے ہیں گویا انکے ہاں کامل دین وایمان رفع الیدین ہی ہے۔اور نہ کرنے والے کی نماز فاسد وباطل اور انہیں گنہگار سمجھتے ہیں۔

لیکن مذکورہ مسئلے میں غیر مقلدین کے اکابر علماء کا موجودہ دور کے غیر مقلدین سے شدید اختلاف ہیں بلکہ مسئلہ رفع الیدین میں خود غیر مقلدین کے علماء وشیوخ بھی اپنے آپس میں دست وگریبان ہیں۔

آئیں:رفع الیدین کے متعلق انکے گھر سے متضاد اقوال ملاحظہ فرمائیں۔

مولانا ثناء اللہ امر تسری غیر مقلد عالم کہتے ہیں کہ ہمارا مذہب ہے کہ رفع الیدین کرنا مستحب امر ہے جس کے کرنے سے ثواب ملتاہے اور نہ کرنے سے نماز میں کوئی خلل نہیں آتا۔(فتاویٰ ثنائیہ ج1ص608)

جبکہ مشہور غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن خان مرحوم ایک جگہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کا قول رفع الیدین اور ترک رفع الیدین کے متعلق نقل کرتے ہوئے آخیر میں اپنی رائے یوں دیتے ہیں کہ حق میرے نزدیک یہ ہے کہ دونوں سنت ہیں(یعنی رفع الیدین کا کرنا اور نہ کرنا۔)

(روضۃ المدینہ ص1448)

دیکھئے:مولانا ثناء اللہ امر تسری نے مستحب کہا تھا لیکن نواب صدیق حسن خان مرحوم رفع الیدین کو سنت کہتے ہیں۔

علامہ وحید الزمان مشہور غیر مقلد عالم نے رفع الیدین کو جوتا پہن کر نماز پڑھنے جیسی سنت قرار دیا ہے۔

(تیسیر الباری ج1ص156)

=÷=

چونکہ آپ علیہ السلام نے شروع اسلام میں جوتوں سمیت بھی نماز پڑھی ہے۔اب مولانا وحید الزمان صاحب اسی کی طرف اشارہ فرمارہے ہیں کہ جو رفع الیدین کرتا ہے وہ جوتا پہن کر نماز پڑھنے والے جیسا ہے اور جو رفع الیدین نہیں کرتا وہ جوتا اتار کر نماز پڑھنے والے کی طرح ہے۔

ظاہر ہے اب جوتے اتار کر نماز پڑھی جاتی ہے یعنی جوتوں کے ساتھ نماز پڑھنا ایک منسوخ عمل ہے تو مولانا وحید الزمان صاحب نے انتہائی ہوشیاری اور خفیہ طریقے سے اس کی طرف اشارہ فرمایا کہ رفع الیدین اب منسوخ ہو چکا ہے۔

مولانا عبد الجبار غزنوی کے والد مولانا محمد داؤد غزنوی غیر مقلد عالم فرماتے ہیں کہ رفع الیدین نہ کرنے والے پر کوئی ملامت نہیں۔(اگرچہ عمر بھر نہ کرے)

(فتاویٰ علماء اہلحدیث ص151 وص152 ج3)

اسی طرح غیر مقلدین کے مشہور مصنف جناب زبیر علی زئی نے اپنی کتاب "نور العینین" میں پانچواں باب قائم کیاہے "رفع الیدین کرنا ضروری ہے "(نور العینین ص118)

جناب زبیر علی زئی صاحب مرحوم سال دو پہلے وفات پا چکے ہیں انکی طبعیت ومزاج میں سختی حد درجہ زیادہ تھی، توانکا یہ کہنا کہ رفع الیدین کرنا ضروری ہے، یہ اشارہ ہے فرض اور واجب کی طرف۔

سر خیل اہلحدیث میاں نزیر یہ حسین صاحب فرماتے ہیں کہ: علمائے حقانی سے پوشیدہ نہیں ہے کہ رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع الیدین میں جھگڑنا تعصب سے خالی نہیں کیونکہ مختلف اوقات میں رفع الیدین کرنا اور نہ کرنا دونوں ثابت ہیں اور دونوں طرح کے دلائل موجود ہیں۔

(فتاویٰ علمائے اہلحدیث ج3 ص161)

=÷=

لیکن معروف غیر مقلد عالم مولانا عبد المنان نور پوری صاحب رفع الیدین پر حکم شرعی لگانے سے جان چھڑاتے تھے، فرض سنت وغیرہ نہیں کہتے تھے۔ کسی نے ان سے سوال کیا کہ رفع الیدین فرض ہے یا سنت؟

تو جواب دیا گیا کہ فرض اور سنت کی وضاحت کسی حدیث میں نہیں آئی۔

(قرآن وحدیث کی روشنی میں احکام ومسائل ج1ص179)

=÷=

غیر مقلد کو واپس لانے کی دعوت کس طرح دی جائے؟

روز ہم سنتے آرہے ہیں کہ فلاں حنفی غیر مقلد ہو گیا آخر انکے واپس لانے کا طریقہ کار کیا ہے۔

دیکھئے مناظرہ دعوت کا بالکل آخری آپشن ہے۔

آپ داعی بنے نرمی اخلاق اور خیر خواہی کے جزبے سے گمراہی کے دلدل میں پھنسے ہوئے لوگوں کو بآسانی واپس لاسکتے ہیں۔یہ ہمارا آزمودہ تجربہ ہے لیکن یہاں ریکارڈ میں انکا کارگزاریوں کا بیان کرنا مناسب نہیں سمجھتا۔

نہ ہر کوئی مناظر بنے اور نہ ہی ہر جگہ مناظرانہ چال کام آسکتا ہے۔

دعوت کا طریقہ کار

سب سے پہلے غیر مقلد کو پیار کے ساتھ یہ بات سمجھائیں:کہ دیکھئے جی: حنفی مذھب اسلام سے ہٹ کر کوئی جدا راستہ نہیں ہے بلکہ قرآن وسنت اور صحابہ کرام کے زندگی کی تشریح کا نام مذھب حنفی ہے۔

بارہ سو سال سے فقہ حنفی پر عرب وعجم میں عمل ہوتا چلا آرہا ہے اس مذھب میں بے شمار محدثین،فقہاء کرام اور مجتہدین گزرے ہیں،اگر مذہب کی تابعداری کوئی ناجائز کام ہوتا تو یہ حضرات کبھی مذہب کے پیچھے نہ چلتے۔فقہ حنفی کے مسائل کسی ایک مجتہد کے حل کردہ نہیں بلکہ ہر ایک مسئلہ امام صاحب کے چالیس رکنی کمیٹی کی نظر سے گزر کر حل ہوتا تھا۔

اسکے برعکس غیر مقلدیت کی تاریخ کی دو سو سال بھی پوری نہیں ہوتی۔اور بغیر کسی تعصب کے کہتا ہوں پورے غیر مقلدین میں آج تک نہ تو کوئی قابل ذکر محدث گزرا ہے اور نہ ہی کوئی فقیہ و محقق۔

=÷=

جتنے بھی محدثین محققین اور فقہاء گزرے ہیں ان سب کا تعلق اہل السنت والجماعت کے مذاہب اربعہ سے ہیں۔

اگر واقعی تقلید بری چیز ہوتی تو مشہور ائمہ کرام امام بخاری و مسلم وغیرہ ضرور کوئی باب اپنی کتاب میں یوں قائم کرتے۔

باب رد التقلید۔۔۔یا۔۔۔باب رد مذاہب الاربعة۔

لیکن ان حضرات کا یوں باب نہ لانا اس بات کی دلیل ہے کہ تقلید اور مذاہب اربعہ کی پیروکاری غیر مجتہد یعنی مقلد کیلئے ضروری اور لازمی ہے۔

اسکے علاوہ آپ ان کو احساس دلاؤ کہ تقلید کتنی ضروری چیز ہے اس کے بغیر آپ ایک رکعت نماز تک بھی نہیں پڑھ سکتے۔

دیکھئے نماز میں تکبیرِ تحریمہ کے ذریعے ہی انسان داخل ہوتا ہے اب اگر کسی نے قصداً یا سہواً بغیر تکبیر تحریمہ کے نماز شروع کی تو کیا انکی نماز ہوئی ہے یا نہیں؟

غیر مقلدین کے پاس اس کا حل موجود نہیں ہے جبکہ ہمارے فقہاء کرام نے قاعدہ ہمیں بتایا ہے کہ تکبیرِ تحریمہ فرض ہے اور فرض چھوٹ جائے تو نماز نہیں ہوتی۔

یاد رہے! کسی بھی حدیث میں فرض واجب اور سنت وغیرہ کی تعریف نہیں آئی ہے یہ اصطلاحات و قواعد فقہاء کرام نے قرآن وسنت سے نکال کر امت کو بتائے ہیں جبکہ غیر مقلدین ان کو فقہائے کرام کی خرافات کہتے ہیں۔اب غیر مقلدین بند گلی میں پھنس چکے ہیں کس طرح مسئلہ کا حل نکالے گا؟

جب تک فقہاء کرام کی وضع کردہ اصطلاحات نہ مانے انکی تقلید نہ کریں مسئلہ حل ہی نہیں ہو سکتا بہر حال ہم نماز روزہ اور حج وغیرہ تمام مسائل میں فقہاء کرام کی تقلید کے محتاج ہیں۔

اس کے بعد انکو پیار محبت اور نرمی سے سمجھائیں کہ فقہ دین ہی کا ایک جز اور حصہ ہے قرآن وسنت کی تشریح ہے، آپ حضرات کو جو یہ پٹی پڑھا گیا ہے کہ فقہ قرآن وحدیث کے خلاف ہے یہ بات غلط ہے۔ پھر مزید اپنی بات میں تقویت پیدا کرنے کیلئے فقہ کی کوئی آسان کتاب مثلاً قدوری، نور الایضاح یا تعلیم الاسلام وغیرہ میں سے کسی بھی کتاب کو لائیں ان سے بالترتیب ایک ایک مسئلہ پڑھنا اور غیر مقلد سے کہتے جائیں کہ جی یہ بتائیں یہ مسئلہ قرآن وحدیث کے موافق ہے یا مخالف؟ اگر موافق ہے تو قرآن مجید کی کس آیت کا ترجمہ ہے اور احادیث میں سے کس حدیث کا ترجمہ ہے؟

اور اگر مخالف ہے تو کس آیت یا حدیث کے مخالف ہے؟

یقین کیجئے! اس طرز امتحان میں غیر مقلدین کے علماء بھی ایک صفحے تک امتحان نہیں دے سکتے۔

آخیر میں صحیح طرح انکو مخاطب کر کے کہو کہ دیکھئے جی آپ حضرات کسی خاص فقہی مذہب کی تابعداری و تقلید کو شرک سمجھتے ہو آپ ہی بتائیں کیا تیرے والدین، دادا، پردادا حنفی المذہب نہیں تھے؟

تجھ سے پہلے تیرے ہزاروں رشتہ دار حنفی مذہب سے وابستہ نہیں تھے؟

کیا یہ سارے کے سارے شرک ہی پر مر گئے ہیں صرف تو ہی موحد مسلمان ہے؟

آج بھی للہ الحمد دنیا میں کروڑوں مذہبی حضرات موجود ہے جو دین کے تمام شعبوں مثلاً جہاد فی سبیل اللہ، درس وتدریس، تزکیہ نفس اور دعوت و تبلیغ کا فریضہ سر انجام دے رہے ہیں کیا یہ تمام حضرات شرک میں مبتلا ہیں اور صرف تم ہی اصل مؤحد اور مسلمان ہو؟

ذرا سوچئے کیا یہ خارجی اور تکفیری سوچ و فکر تو نہیں جو اپنے آپ کے سوا تمام امت کی یفسیق و تکفیر کرنے میں مبتلا ہے۔۔۔۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اعتدال نصیب فرمائے۔

بمقام: قندہار میدان دامان اولسوالی 3 مارچ بروز ہفتہ 2023

=:=

تقلید سے تو کوئی چارہ ہی نہیں، لیکن غیر مقلدین تقلید کر کے بھی گنہگار ہیں:

للہ الحمد ہمارے اہل سنت والجماعت کے چار اُصول ہیں، قرآن، حدیث، اجماع امت اور قیاس مجتہد۔ کوئی مسئلہ نص صریح یعنی قرآن و حدیث کی ظاہری عبارت سے ثابت ہو ہمارا اُس پر عمل ہو تو بھی ہمیں ثواب ملے گا اور اگر کوئی مسلہ اجماع امت اور اجتہاد مجتہد سے ثابت ہو جائیں تب بھی پورا پورا اجر اللہ تعالی ہمیں دے گا۔

لیکن نام نہاد اہلحدیث حضرات کو صرف اُن مسائل پر عمل کرنے کا ثواب ملے گا جو صراحتاً قرآن و حدیث سے ثابت ہو

جو مسائل اجماع امت یا مجتہد کی اجتھاد و محنت سے ثابت ہو چکے ہو، مقلدین کو اُس پر عمل کرنے کا ثواب تو ملے گا مگر غیر مقلدین اگر ایسے مسائل پر عمل کر بھی لے تو بجائے ثواب کے گناہ ہی ملے گا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے ہم اگر علمائے کرام کی پیروی و تحقیق کو بغیر دلیل طلب کئے مان لیں اُس پر عمل کریں تو ثواب، لیکن غیر مقلدین اگر علمائے کرام کی تحقیق مان کر اُس پر عمل کریں آخر یہ گناہ کیوں؟

آتے ہیں جواب کی طرف۔

عربی عبارت سے پہلے ایک آسان سی تمہید ملاحظہ فرمائیں۔

دراصل غیر مقلدین کو علماء کی پیروی و تحقیق پر اس لئے گناہ ملے گا کہ اِن کا نظریہ ہی غلط ہے کیونکہ یہ حضرات علمائے کرام کی تحقیق و پیروی کو ناجائز و حرام سمجھتے ہیں۔ حالانکہ علماء کی پیروی تحقیق و تقلید کا تو اللہ تعالی نے ہمیں حکم دیا ہیں یہ ایک جائز چیز

ہے ظاہر سی بات ہے ایک جائز وحلال چیز کو حرام سمجھتے ہوئے پھر بھی اُس پر عمل کرنا یہ حرام ہی کے زمرے میں آتی ہیں۔

اِسکی مثال یوں سمجھے۔جیسے کوئی شخص پانی کو شراب سمجھ کر پیئے تو اسکو شراب پینے کا گناہ ملے گا۔ مثلاً ایک ادمی ہوٹل گیا ہوٹل والے سے خنزیر کا گوشت اور خالص انگوری شراب مانگی لیکن ہوٹل والے نے اسکو بتائے بغیر اسکے سامنے بکری کا حلال گوشت اور سیب کا تازہ جوس رکھدیا۔ یہ آدمی اسکو خنزیر اور خالص انگوری شراب سمجھکر کھا پی گیا۔ تو اب اس ادمی کو خنزیر اور شراب ہی کا گناہ ملے گا۔ بالکل اسی طرح غیر مقلدین، علمائے کرام اور مجتہدین کی تحقیق و تقلید ناجائز و حرام سمجھتے ہیں۔ مگر صرف نحو منطق اصول حدیث اور اصول تفسیر میں علمائے کرام ہی کی تحقیق سے کام چلاتے ہیں۔

دیکھئے! پانی حلال چیز تھی مگر حرام سمجھ کر پیا تو حرام ہوا اسی طرح بیوی سے مباشرت حلال ہے مگر کوئی حرام سمجھ کر کریں تو حرام ہے اسی طرح تقلید جائز ہے لیکن اگر کوئی حرام سمجھے پھر بھی کرنے لگ جائیں تو حرام کا مرتکب ہو رہا ہے۔

اب یہ مسئلہ کہ حلال کو حرام سمجھ کر کرنے سے حرام کا گنا ملتا ہے اس کی دلیل کیا ہے؟ دلیل ملاحظہ فرمائیں۔

علامہ بن الحاج اپنی مشہور کتاب "المدخل" میں لکھتے ہیں کہ ادمی کے ذمہ اس بری عادت سے بچنا ضروری ہے کہ جب کوئی اپنی بیوی کے پاس جائے تو اپنے انکھوں کے سامنے کسی اور عورت کی تصور قائم کرلے کہتے ہیں "وھٰذا نوع من الزنا" اپنی بیوی کے پاس مباشرت کے وقت کسی غیر عورت کو اپنی آنکھوں کے سامنے لانا یہ زنا کی ایک قسم ہے۔ کہتے ہیں کہ علمائے کرام اسکی مثال بھی دیتے ہیں

"لما قاله.علماءُنا رحمة الله عليهم اجمعين فيمن اخذ كوزاً يشرب من الماء فصوّر بين عينيه انّه خمر يشربه ان ذلك الماء يصير عليه حراماً"

یعنی اپنی بیوی کے پاس بوقت مباشرت کسی دوسری عورت کی تصویر ذہن میں لانا ایسا ہی

حرام ہیں جیسے کوئی شخص پانی کا گلاس ہاتھ میں لیتا ہے لیکن اپنی آنکھوں کے سامنے
یہ خیال کرتا ہے کہ یہ شراب ہیں جسکو میں پی رہا ہو۔علماء فرماتے ہیں کہ اب یہ پانی اس پر حرام ہو جائے گا.
یاد رہے! یہ بات علامہ ابن الحاج کی اپنی نہیں بلکہ بہت تفصیل کے بعد اسپر ایک حدیث نقل کے یوں فرماتے ہیں.

"وقد ذکرہ الطرطوشی رحمه الله فی ذلک حدیثاً عن ابی ہریرۃ رضي الله عنه ان النبی صلی الله علیه وسلم قال:اذا شرب العبد الماء علی شبه المُسکِر کان ذالک الماء علیه حراماً".

یعنی طرطوشی رحمہ اللہ نے اس بارے میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث روایت کی ہے
کہ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا جب
انسان پانی کو نشہ دار چیز کی شبہ میں پی لیتا ہے تو وہ پانی اُس پر حرام ہو جاتا ہے
(المدخل لابن الحاج صفحہ نمبر 195 طبع دار الفکر)
جو کہ خالص تقلید ہے اللہ تعالی کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ائمہ مجتہدین کی رہنمائی میں ہم جو کچھ کرتے ہیں اُس
کا ہمیں پورا پورا اجر و ثواب ملتا ہے مگر جو لوگ فقہائے کرام
کی دن رات گستاخی کرتے ہیں اللہ تعالی نے ان سے عقل بھی چین لی اسی لئے تو فقہائے کرام کی تحقیقات پر دن رات عمل کر کے بھی گناہ کے مرتکب ہو رہے ہیں۔اللہ تعالی ہمیں فقہائے کرام کی قدر نصیب فرمائیں۔

=÷=

غیر مقلدین اور امام بخاری رحمہ اللہ

غیر مقلدین کے شیوخ اور ائمہ مساجد اپنے چھوٹوں کی ایسی ذھن سازی کرتے ہیں کہ پھر وہ کسی بڑے، چھوٹے، رشتہ دار، غیر رشتہ دار کا لحاظ کیے بغیر ہر ایک سے بحث کرنا اپنا فریضہ سمجھتے لیتے ہیں۔ان کی گفتگو کا انداز اس قدر بے باکانہ ہوتا ہے کہ حنفی مساجد کے ائی مہ اور بزرگ عمر رسیدہ نمازی حضرات تو اُن کو منہ لگانے کی بجائی ے، وإذا خاطبهم الجاهلون قالوا سلاماً، پر ہی عمل پیرا رہتے ہیں۔اور یہ شر پسند غیر مقلدین بڑے زور و شور سے یہ پراپیگنڈا کرتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ کو احناف سے اور احناف کو امام بخاری رحمہ اللہ سے سخت اختلاف ہیں۔اور یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ گویا وہ خود مِن وعَن اول سے لیکر آخر تک امام بخاری رحمہ اللہ کے ساتھ ہر مسئلے میں متفق ہیں حالانکہ حقیقت حال اس سے بالکل مختلف ہے ان باتوں کو سُن کر معلومات نہ رکھنے والے ہمارے حنفی حضرات پریشان ہو جاتے ہیں۔اس لئے مناسب سمجھا کہ ایسے لوگوں کے سامنے حقیقت حال واضح ہو جائے۔کہ یہ لوگ صرف نام امام بخاری رحمہ اللہ کا لیتے ہیں در حقیقت غیر مقلدین کا امام بخاری رحمہ اللہ کے ساتھ بہت سے مسائی ل میں اختلاف ہیں۔

آئیں! ہم آپ کو بطور نمونہ دس مسائل میں ان حضرات کا امام بخاری رحمہ اللہ کے ساتھ اختلاف دکھاتے ہیں۔

نمبر (۱)۔ امام بخاری رحمہ اللہ احکامات شرعیہ یعنی فرض، واجب، سنت، مکروہ، مستحب، وغیرہ کے قائی ل ہیں اور یہی اصطلاحات امام بخاری رحمہ اللہ نے بخاری شریف میں بھی استعمال کی ہیں۔مثلاً باب فرضُ مواقيتِ الحج والعمرةِ، دیکھئے! صاف فرض کا لفظ استعمال کر رہا ہیں۔

دوسری جگہ باب قائم کرتے ہیں، بابُ وجوبِ العمرةِ وفضلِها"

یہاں واجب کالفظ استعمال کیا۔

اسی طرح باب لاتے ہیں، بابُ السنةِ الجلوسِ في التشهدِ، یہاں پر لفظ سنت کاذکر کیا گیا۔ پھر بابُ مایُستَحَبُّ ان یُغْسَلَ وِترًا، کے نام سے باب قائم کرتے ہیں جسمیں صراحتاً لفظ مستحب آیا ہے۔

ایک اور باب یوں قائم کرتے ہیں۔ بابُ ماتُکرَہ من النّیاحةِ عَلَي المیّتِ" دیکھئے! یہاں مکروہ کالفظ استعمال کر رہا ہیں۔ لہذا معلوم ہی کہ امام بخاری رحمہ اللہ فرض واجب سنت مکروہ وغیرہ احکام شرعیہ کے قائل ہے۔ اب آئیں! غیر مقلدین احکام شرعیہ کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔ معروف غیر مقلد شیخ امین اللہ پشاوری اپنی کتاب تحفة المناظر میں لکھتے ہیں کہ فرض واجب اور سنت کا معلوم کرنا اللہ تعالی اور اس کے رسول نے کسی پر لازم نہیں کیا ہے پس انکے معلوم کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ آگے ایک جگہ لکھتے ہیں کہ واجب کی اصطلاح دین میں ہے ہی نہیں۔ یہ امام صاحب کی خود ساختہ اصطلاح ہے جو کہ غلط ہے تیسری جگہ لکھتے ہیں کہ ایسے احکام کے ذریعے سے کفار دین اسلام کو بگاڑنے کی کوشش کرسکتے ہیں۔ دیکھے تحفۃ المناظر صفحہ ۱۴۶ تا ۱۵۰۔

ان عبارت سے معلوم ہوا کہ غیر مقلدین کے نزدیک امام بخاری رحمہ اللہ بدعتی ہے کیونکہ وہ خود ساختہ یعنی بدعتی اصطلاحات بخاری شریف میں استعمال کر رہا ہیں۔

اختلاف نمبر (۲)۔ امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک جمعہ کے دن غسل کرنا سنت ہے جبکہ غیر مقلدین کے نزدیک واجب ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے بخاری شریف جلد / ۱ صفحہ ۱۲۰\ پہ باب فضلِ الغُسل یوم الجمعة قائم کیا ہے۔ اس کے تحت علامہ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ الزین بن المنیر نے کہا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کا حکم ذکر نہیں کیا کیونکہ اسمیں اختلاف ہیں، بلکہ فضل کا باب قائم کیا ہیں جس میں ترغیب مقصود ہوتی ہے۔ اور اسی کے ثبوت پر دلائل متفق ہیں۔

دیکھئے! ترغیب اکثر وہاں پہ ہوتی ہے جہاں مسئلہ جوازی ہو.
یعنی امام بخاری رحمہ اللہ جمعے کے دن غسل کی ترغیب دیکر یہ ثابت کرنا چارہا ہیں کہ اس دن کو غسل کرنا جائی زہے۔ جبکہ غیر مقلدین کے سربراہ علامہ وحیدالزمان لکھتے ہیں کہ جمعہ کے دن غسل کرنا بشرطیکہ کوئی ی عذر نہ ہو اہل حدیث اور علماء ظاہر کے نزدیک واجب ہے۔ تیسیر الباری صفحہ ۲۔
اسی طرح غیر مقلد عالم نواب نورالحسن خان صاحب لکھتے ہیں! وبرائے جمعہ واجب است یعنی جمعہ کیلئے غسل کرنا واجب ہے عرف الجادی صفحہ ۱۴
یعنی امام بخاری رحمہ اللہ جائز اور یہ حضرات واجب کہتے ہیں مزے کی بات تو یہ ہیں کہ شیخ آمین اللہ پشاوری کہتے ہیں کہ یہ واجب کی اصطلاح امام صاحب کی خود ساختہ اصطلاح ہے جو کہ غلط ہیں جبکہ نواب نورالحسن صاحب کہتے ہیں کہ جمعہ کے دن غسل کرنا واجب ہیں یہاں ان کو امام صاحب کی روحانی بدعالگی ہے واجب کی اصطلاح میں خود آپس میں دست و گریبان ہو گئے۔

اختلاف نمبر ۳. امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک غزوہ خندق شوال ۴ ہجری میں اور غیر مقلدین کے نزدیک 5 ہجری میں ہوا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے جلد / ۲ ص ۵۸۸ / پہ لکھتے ہیں"
باب غزوة الخندق وهي الاحزاب قال موسي بنُ عقبةَ كانت في شوال سنة اربع"
یعنی غزوہ خندق کو غزوہ احزاب بھی کہتے ہیں اور موسیٰ بن عقبہ نے کہا کہ وہ شوال ۴ ہجری میں ہوا۔ جبکہ مشہور غیر مقلد عالم مولانا صفی الرحمان مبارک پوری اپنی انعام یافتہ کتاب میں لکھتے ہیں کہ: غزوہ خندق صحیح ترین قول کے مطابق شوال ۵ ہجری میں پیش آیا تھا۔ / حوالہ الرحیق المختوم ص ۴۲۴ /

اختلاف نمبر ۴. امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک مصافحہ دونوں ہاتھوں سے کرنا چاہیئے جبکہ غیر مقلدین حضرات کے نزدیک ایک ہاتھ سے ہونا چاہیئے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے جلد / ۲ ص ۹۲۶ / پہ باب

المصافح اور باب الأخذ باليدين قائم کیاہے۔ جس واضح ہو تا ہے کہ انکے نزدیک مصافح دونوں ہاتھ سے ہوناچاہ ئی ے اور علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی اس بحث کے تحت امام بخاری رحمہ اللہ کے اسی نظریہ کو ثابت کیاہے۔ دیکھئے: فتح الباری لابن الحجر / جلد ۱۳ ص ۲۶۵ /

جبکہ غیر مقلدین کے فتاویٰ ثنایہ جلد / ۲ ص ۱۹۱ پہ یوں لکھاہے کہ اگرچہ رواج تو ایساہی ہو رہاہے کہ اکثر آدمی دونوں ہاتھ سے مصافحہ کرتے ہیں اور اسکو اچھا بھی سمجھتے ہیں لیکن حدیثوں کی روسے ایک ہی ہاتھ سے مصافح کرنا ثابت ہو تا ہے۔ یعنی غیر مقلدین یہاں خاموش اقرار کرتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے مصافحہ کے باب میں حدیث کے خلاف اجتھاد کر گیاہے۔

اختلاف نمبر ۵. امام بخاری رحمہ اللہ رمضان المبارک میں ہر دن میں ایک بار قرآن کریم ختم کرتے تھے جبکہ غیر مقلدین تین دن سے کم میں قرآن ختم کرنا مکروہ سمجھتے ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے جلد / ۲ ص ۵۵ / پہ بابُ فی کم یُقْرَءُ القرآن" قائم کیاہے۔ علامہ ابن حجر رحمہ اللہ مقدمہ فتح الباری جلد / ۲ ص ۲۵۳ / پہ لکھتے ہیں "وكان يَخْتِمُ بالنهار في كل يوم خَتمةٍ" یعنی امام بخاری رحمہ اللہ ہر دن ایک بار قرآن کریم ختم کرتے تھے۔

لیکن معروف غیر مقلد عالم علامہ وحید الزمان اپنا نظریہ لکھتے ہیں کہ: چالیس روز میں ختم کیاجائی ے حد سات روز میں انتہاء تین روز میں اس سے کم میں ختم کرنا ہمارے شیخ اہل حدیث نے مکروہ جاناہے اور ادب و تعظیم کے خلاف ہے. تسیر الباری جلد ۳ ص ۱۳۱۔

یعنی غیر مقلدین امام بخاری رحمہ اللہ تین دن سے کم میں قرآن کریم ختم کرکے مکروہ اور خلاف ادب کام کر مرتکب ہو رہے تھے۔

=÷=

اختلاف نمبر٦. امام بخاری رحمہ اللہ لکھتے ہیں!"باب من یرد اللہ بہ خیرا یفقه في الدين" یہا ں امام بخاری رحمہ اللہ نے باقاعدہ عنوان قائی م کر کے فقہ کی عظمت واہمیت بیان فرمائی ی ہے کہ اللہ تعالی جس کے ساتھ خیر و بھلائی ی کا ارادہ کرلے تو اُسے تفقہ فی الدین عطا فرماتے ہیں۔ جبکہ غیر مقلد پروفیسر محمد اکرم نسیم لکھتے ہیں کہ فقہ حدیث کا پھل نہیں بلکہ بے غیرتی، بے حیائی ی اور بے دینی جیسے پھلوں کا جوس ہے۔:تفهيم سنت صفحه ٤٦١ ۔

اسی طرح غیر مقلد عالم مولانا محمد جوناگڑھی اپنی کتاب شمع محمدی کی ابتداء میں لکھتے ہیں کہ تقلید شخصی اور پابندی فقہ کا لہسن پیاز اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب کتاب وسنت کے من وسلویٰ سے دستبرداری حاصل کرلی جائی ے۔یعنی غیر مقلدین کے کہنے کے مطابق امام بخاری رحمہ اللہ کتاب وسنت سے ہٹ کر بے غیرتی بے حیائی کا درس دے رہا ہے اور کتاب وسنت کی من وسلویٰ چھوڑ کے لہسن وپیاز کی ترغیب دے رہا ہے۔

اختلاف نمبر٧. امام بخاری رحمہ اللہ تین طلاق کو تین ہی مانتے ہیں اور باقاعدہ باب باندیتے ہیں"باب من اجاز طلاق الثلاث لقول الله تعالي الطلاق مرتان فإمساك بمعروف او تسريح بإحسان"جبکہ غیر مقلدین تین طلاق کو ایک طلاق کہتے ہیں / حوالہ الروضیہ الندیہ ج۲ص ۵۰۔ فتاویٰ ثنائی یہ ج۲ص۲۱۵/

امام بخاری رحمہ اللہ کا نام لینے والے آخر کس منہ سے ہمیں طعنہ دیتے ہیں کہ احناف کا امام بخاری سے اور امام بخاری کا احناف سے سخت اختلاف ہیں ہیں.

اختلاف نمبر٨. امام بخاری رحمہ اللہ حسن بصری رحمہ اللہ کا قول صحابہ کرام کے متعلق نقل کرتے ہیں "وقال الحسن كان القوم يسجدون علي العمامة والقلنسوة"

=÷=

یعنی صحابہ کرام بوجہ گرمی کے پگڑی اور ٹوپی پر سجدہ کرتے تھے۔یعنی صحابہ کرام پگڑیاں اور ٹوپیاں پہن کر نماز پڑھتے تھے امام بخاری رحمہ اللہ اسکو نقل کر کے تاثر یہ دینا چاہتے ہیں کہ نماز ٹوپی وغیرہ پہن کر نماز پڑھنی چاہیے جبکہ غیر مقلدین ننگے سر نماز پڑھتے ہیں ۔ مبشر ربانی غیر مقلد لکھتے ہیں ننگے سر نماز پڑھنا جائز ہے۔حوالہ آپ کے مسائل صفحہ ۲۱۶۔

اسی طرح مفتی عبدالرحمٰن غیر مقلد نے لکھا ہے کہ: ننگے سر نماز پڑھنا سنت صحیحہ ہے (کون کہتا ہے ننگے سر نماز نہیں ہوتی ص۱۵) دیکھئے! کھلم کھلا امام بخاری رحمہ اللہ کی مخالفت ہو رہی ہے۔

اختلاف نمبر۹. امام بخاری رحمہ اللہ جمعہ کے دن دوسری آذان کے قائل ہیں باب قائم کرتے ہیں باب التأذين عند الخطبة، اور بغیر کسی رد کے سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے حدیث نقل کرتے ہیں۔عن السائب بن يزيد ، يقول إن الاذانَ يوم الجمعةِ كان اوّلُه حين يَجْلِسُ الامامُ يوم الجمعة علي المنبر في عهدرسول الله صلي عليه وسلم وابي بكرٍ وعمرَ رضي الله عنهما، فلما كان في خلافةِ عثمانَ بن عفانَ رضي الله عنه وكَثُروا ،امرعثمانُ يوم الجمعة بالاذان الثاني فأُذِّنَ به على الزوراء فثبت الامر على ذلك.(بخاری شریف جلدص)

یعنی جمعہ کی پہلی آذان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر وعمر رضی اللہ عنہما کے زمانے میں اس وقت دی جاتی تھی جب امام منبر پر خطبے کیل ئی ے بیٹھتا، جب عثمان رضی اللہ عنہ کا دور آیا اور نمازیوں کی تعداد بڑھ گیا تو آپؓ نے جمعہ کے دن ایک تیسری آذان کا حکم دیا، یہ آذان مقام زوراء پر دی گ ئی ی اور بعد میں یہی دستور قائم رہا۔

جبکہ غیر مقلدین کے ہاں آذان عثمانی بدعت ہے. معاذاللہ۔

=÷=

غیر مقلدین کے مشہور عالم محمد جونا گڑھی لکھتے ہیں ہمارے زمانے میں مسجد میں دو آذانیں ہوتی ہیں وہ صریح بدعت ہیں کسی طرح جائی ز نہیں۔
(فتاویٰ ستاریہ ج۳ص۸۵)

عبدالستار رحمانی غیر مقلد نے "عجیب وغریب بدعات" کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے اس میں بدعات کے نام پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی جاری اس آذان جمعہ کا تذکرہ کرتے ہوئی ے اسے بدعات میں شمار کیا ہے معاذاللہ۔
دیکھئے عجیب وغریب بدعات صفحہ ۲۹ لعبدالستار رحمانی۔ خود فیصلہ کیجئے غیر مقلدین حضرات کا امام بخاری کے ساتھ اتفاق ہے یا اختلاف؟

اختلاف ۱۰۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے بخاری شریف جلد /۱ص۱۷۸/ پر باب قائم کیا ہے، باب المیت یَسْمَعُ خَفْقَ النعال، (یعنی یہ باب ہے اس چیز کے بیان میں کہ مردہ لوٹ کر جانے والوں کے جوتوں کی آواز سنتا ہے۔)اس باب کے تحت امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ حدیث ذکر کی ہے عَنْ اَنسٍ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اَلعبد اِذا وُضِعَ فی قبرہ وتُوُلِّیَ وذھب اصحابُہ حتّٰی اِنّہ لَیَسْمَعُ قرعَ نِعالِھم اتاہ ملکان.
یعنی آدمی جب قبر میں رکھا جاتا ہے اور دفن کر کے لوگ پیٹھ موڑ کر رخصت ہوتے ہیں تو وہ ان کے جوتوں کی آواز سنتا ہے پھر دو فرشتے آتے ہیں۔ دیکھے باب اور حدیث سے امام بخاری رحمہ اللہ کا نظریہ معلوم ہو گیا کہ امام بخاریؒ سماع موتٰی یعنی مردوں کے سننے کے قائی ل ہیں اب غیر مقلدین کا نظریہ بھی ملاحظہ فرمائیں، معروف غیر مقلد پروفیسر طالب الرحمان صاحب لکھتے ہیں کہ فوت ہو جانے کے بعد کوئی ی نہیں سنتا۔(آئیں عقیدہ سیکھئے صفحہ ۱۷۷)

=÷=

اسی طرح غیر مقلد عبد اللہ بہاولپوری لکھتے ہیں وہ مردہ ہی کیا ہوگا جو سنے، سننا تو زندوں کا کام ہے نہ کہ مردوں کا۔ حوالہ سماع موتیٰ صفحہ ۳۴ مشمولہ انتخاب رسائل بہاولپور۔

دیکھیے امام بخاری رحمہ اللہ مردوں کے سننے، جبکہ غیر مقلدین نہ سننے کے قائل ہیں۔ امید ہے بخاری بخاری کا نام لینے والوں کی کچھ نہ کچھ بخار اتر گئی ہوگی.

اسکے علاوہ سینکڑوں ایسے مسائل ہیں جن میں غیر مقلدین کا امام بخاری کے ساتھ اختلاف ہے اللہ تعالی ہمیں اتباع کامل نصیب فرمائے۔

=÷=

درس (1) بیس رکعت تراویح کا مسئلہ

مذکورہ درس چار ابحاث پر مشتمل ہے

مبحث اول: تراویح کے متعلق اہل السنت والجماعت کا دعویٰ و موقف

مبحث ثانی- بیس رکعت تراویح کا ثبوت

مبحث ثالث۔ بیس رکعت تراویح والی احادیث کی اسنادی حیثیت۔

مبحث رابع۔ کیا آٹھ رکعات کو تراویح کہنا صحیح ہے یا نہیں؟

مبحث اول: تراویح کے متعلق اہل السنت والجماعت کا دعویٰ و مؤقف۔

اھل السنت والجماعت کا مؤقف یہ ہیں کہ بیس رکعات تراویح محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے باجماعت اور بے جماعت دونوں طرح ثابت ہیں البتہ امت پہ فرض نہ ہو جائے اس خوف کی بناء صرف تین راتیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت کے ساتھ تراویح پڑھائی ہیں جیسے کہ سنن ابی داؤد ص 202 ج 1 / سنن نسائی ص 238 ج 1 / سنن ترمذی ص 166 ج 1 پہ موجود حدیث ابی ذر رضی اللہ عنہ سے یہی کچھ معلوم ہو رہا ہے۔ لیکن پھر خلیفہ راشد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں آپ رضی اللہ عنہ کے حکم سے بیس رکعت تراویح پڑھانے پہ اجماع واتفاق ہو گیا- دور صحابہ کرام سے لیکر آج تک حرمین شریفین میں بیس رکعات پڑھانے کا عمل جاری وساری ہے- اور اس موضوع پر مدینہ منورہ کے قاضی ہائی کورٹ، اور مسجد نبوی کے مدرس شیخ عطیہ سالم رحمہ اللہ نے بنام "**التراویح اکثر من الف عام**" ایک علمی و تحقیقی کتاب لکھی ہیں۔ اس کتاب میں شیخ عطیہ محمد سالم رحمۃ اللہ علیہ نے بیس رکعت تراویح پر عہد نبوی سے لیکر اپنے دور تک کے آثار و دلائل کو پیش کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے موجودہ دور تک مسجد نبوی میں بیس رکعات تراویح ہی آدا کی جاتی رہی ہے۔ جو حضرات آٹھ

رکعت تراویح کے قائل وفاعل ہیں اس کتاب میں ان کا مفصل رد موجود ہے اور بیس رکعت کو سنت بتایا گیا ہے۔

یاد رہے! شیخ عطیہ محمد سالم کوئی عجمی عالم دین نہیں ہیں بلکہ یہ مسجد نبوی کے مدرس اور مدینہ منورہ کے چیف جسٹس تھے، آج کل اس کتاب کا ترجمہ بھی مارکیٹ میں دستیاب ہیں۔ استاد دارالعلوم دیوبند مولانا محمد عارف جمیل قاسمی مبارکپوری صاحب نے مذکورہ عربی کتاب کا اردو میں ترجمہ کیا ہیں۔ جس کا نام ہے "مسجد نبوی میں تراویح عہد بہ عہد"

اعتدال پسند غیر مقلدین حضرات کیلئے اس کتاب کا مطالعہ بہت ہی مفید ہے، جو حضرات آٹھ رکعت تراویح پڑھ کر مساجد میں صفوں سے الگ ہو جاتے ہیں ان کی اصلاح کیلئے یہ کتاب کافی مفید ہے لیکن متشدد کا کوئی علاج نہیں۔ تراویح کے مسئلے میں غیر مقلدین پوری امت کے برخلاف موقف کو اپنائے ہوئے ہیں بلکہ بعض غیر مقلدین تو بیس رکعات تراویح کو بدعت عمری تک بھی کہہ جاتے ہیں۔

مبحث ثانی: بیس رکعات تراویح کا ثبوت۔

دلیل اول: عن ابن عباس رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی فی رمضان عشرین رکعۃ والوتر

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان شریف میں بیس رکعات تراویح اور وتر پڑھتے تھے۔ (مصنف ابن شیبہ ص225ج5۔ رقم الحدیث7774)

دلیل دوم: عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ قال خرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم ذات لیلۃ فی رمضان فصلی بالناس اربعۃ وعشرین رکعۃ

=:=

(تاریخ جرجان ص 275) صحابی رسول حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رمضان شریف میں ایک رات آپ علیہ السلام نکلے تو لوگوں کو چوبیس رکعات نماز پڑھائی۔(یعنی بیس رکعات تراویح اور چار رکعت فرض۔صفدر)

دلیل سوم: عن انس بن مالک رحمه الله عن یزید ابن رمان قال کان الناس یقومون فی زمان عمر ابن الخطاب فی رمضان بثلاث وعشرین رکعة.

(مؤطا امام مالک ص 98/سنن بهیقی ص 496 ج2)

یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں لوگ بیس رکعات تراویح اور تین وتر پڑھا کرتے تھے۔

دلیل چهارم: عن عمرو بن قیس عن ابی الحسناء ان علیا امر رجلا یصلی بهم فی رمضان عشرین رکعة(مصنف ابن ابی شیبه ص163 ج 2)

یعنی خلیفہ راشد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو رمضان شریف میں بیس رکعات تراویح پڑھانے کا حکم دے دیا۔اور ایک روایت میں الفاظ یوں بھی آتے ہیں۔

ان علیا امر رجلا یصلی بالناس خمس ترویحات عشرین رکعة۔

(کنز الاعمال ص192 ج8) دیکھئے! اس روایت میں صراحت کے ساتھ ترویحات کا لفظ موجود ہے۔

اجماع امت اور بیس رکعات تراویح:

(1) محمد ابن قدامہ حنبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

رویٰ مالک عن ابن رمان قال کان الناس یقومون فی زمن عمر رضی الله عنه فی رمضان بثلاث وعشرین رکعة وعن علی رضی الله عنه انه امر رجلا یصلی بهم فی رمضان عشرین رکعةً وهذا کالاجماع۔(المغنی لابن قدامه ص 167 ج2)

(2) ملا علی قاری حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

اجمع الصحابة على ان التراويح عشرون رکعة۔ (مرقاۃ المفاتیح ص 194 ج 3 مکتبہ امدادیہ)

مذاہب ائمہ۔

(1)علامہ قاضی خان رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

قال الامام فخرالدین حسن ابن منصور, مقدار التراویح عند اصحابنا والشافعی ماروی الحسن عن ابی حنیفة قال القیام فی شهر رمضان سنة لاینبغی ترکها یصلی لاهل کل مسجد فی مسجدهم کل لیلةٍ سوالوتر عشرین رکعة خمس ترویحات بعشر تسلیمات یسلم فی کل رکعتین۔

(فتاویٰ قاضی خان ص112 ج1/ ھدایة ص130 ج1/ فتح القدیر ص133 ج1/ردالمختار ص660 ج1)

(2)امام ابن رشد (المتوفیٰ595) فرماتے ہیں۔

واختلفوا فی المختار من عدد رکعات التی یقوم بها الناس فی رمضان فاختار مالک رحمه الله فی احدی قولیه وابوحنیفة رحمه الله والشافعی رحمه الله واحمد رحمه الله وداؤد الظاهری رحمه الله القیام بعشرین رکعة سوی الوتر۔

(ہدایة المجتهد ص152 ج1/ مبسوط لسرخسی ص 342 ج2/ مغنی لابن قدامه ص803 ج1/ الفقه علی مذاهب الاربعة ص342 ج1)

(3)امام ترمذی رحمہ اللہ فرمائی۔

واختلف اهل العلم فی قیام رمضان فرائ بعضهم ان یصلی احدیٰ واربعین رکعةً مع الوتر ، وھوقول اھل المدینة واکثر اھل العلم علیٰ ماروی عن علی رضی الله عنه وعمر رضی الله عنه وغیرهما من اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم عشرین رکعةً وهو قول الثوری وابن المبارک والشافعی، وقال الشافعی وهکذا ادرکت ببلدنا مکة یصلون عشرین رکعة۔

(ترمذی ص166 ج1 و ص287 طبع رحمانیه/ قیام الیل ص150)

نوٹ–علامہ عینی رحمہ اللہ نے عمدۃ القاری میں امام مالک رحمہ اللہ کی طرف جو آٹھ رکعت کی نسبت کی ہے یہ صحیح نہیں ہے اسکو ہم علامہ عینی رحمہ اللہ کی تسامح کہہ سکتے ہیں۔ کیونکہ امام مالک رحمہ اللہ کے اپنے مقلدین میں سے کوئی بھی امام مالک رحمہ اللہ کی طرف آٹھ رکعات کی نسبت نہیں کرتے اور نہ فقہ مالکی کی کسی مستند کتاب میں اس کا ذکر موجود ہیں، اسکے برعکس مالکی علماء امام مالک رحمہ اللہ کی طرف 35 رکعات کی نسبت کرتے ہیں–جو کہ بیس رکعات تراویح اور باقی چار چار رکعتوں کے بعد 16 رکعت نوافل ہوتے تھے۔لھذا امام مالک رحمہ اللہ کی طرف آٹھ رکعات کی نسبت صحیح نہیں ہے–

مبحث ثالث: بیس رکعات والی احادیث کی اسنادی حیثیت۔

بیس رکعات تراویح کی جتنی احادیث ہیں غیر مقلدین اس پر اعتراض کرتے ہیں کہ یہ احادیث سنداً ضعیف ہیں، لھذا یہ روایات واحادیث قابل عمل نہیں۔ غیر مقلدین کا یہ دعویٰ سراسر جھوٹ پہ مبنی ہیں۔ بیس رکعات تراویح کی احادیث سنداًومتناً صحیح ہیں، لیکن آج ہم اسکی تفصیلی سندی بحث میں پڑھنے کے بجائے ایک مفید قاعدی کو بطور جواب ذکر کرینگے، یقین کیجئے یہ انتہائی اہم جواب و قاعدہ ہے صرف ایک روایت کی نہیں بلکہ بیس رکعات کی جتنی احادیث ودلائل ہیں ان سب کی دفاع کیلئے یہ ایک قاعدہ کافی ہے–ملاحظہ فرمائیں۔

=÷=

قاعدہ۔

جس حدیث کو امت کی اکثریت عمل لینے کیلئے قبول کریں یا کسی حدیث پر کسی مسئلے وعقیدے کی بنیاد رکھی جائے تو وہ حدیث بمنزلہ صحیح اور متواتر بن جائیگی اسی احادیث کی سند اور راویوں سے بحث کرنا انہیں ضعیف کرنا, محدثین کی اصولوں سے کم علمی اور جہالت کی دلیل ہے۔یعنی یہ کہنا کہ اس حدیث میں فلاں راوی ضعیف ہے یا فلاں حافظے کے لحاظ سے کمزور ہے، یہ اصول حدیث سے عدم واقفیت کی دلیل ہے، کیونکہ جو حدیث محدثین کی اصول کے مطابق درجہ صحیح تک پہنچ جائے تو پھر اس پہ بحث کرنا لاعلمی وجہالت ہے۔اور ایسی حدیث جسکو امت کی اکثریت عمل لینے کیلئے قبول کریں علمی صطلاح میں اسکو تلقی بالقبول کہا جاتا ہے۔چند حوالہ جات ملاحظہ فرمائیں:

محقق کبیر علامہ سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

قال بعضهم يحكم للحديث بالصحة اذا تلقاه الناس بالقبول وان لم يكن لم اسناد صحيح۔

یعنی جب امت کسی حدیث کو قبول کریں تو بعض محدثین فرماتے ہیں کہ ایسی حدیث پر صحت کا حکم لگایا جائیگا اگرچہ اسکی سند صحیح نہ ہو۔(تدریب الراوی ص29)

دوسری جگہ فرماتے ہیں۔المقبول ماتلقاه العلماء وان لم يكن له اسناد صحيح۔

یعنی مقبول حدیث وہ ہے جسکو علماء قبول کریں اگرچہ سند اسکی صحیح نہ ہو۔

(شرح نظم الدرر المسمی بالبحر الذی زخر)

اسی طرح دوسو کے قریب کتب کے مصنف، محدث، فقیہ، اصولی اور مؤرخ علامہ سخاوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

وكذا اذا تلقت الامة الضعيف بالقبول يعمل به الصحيح حتى انه يُنَزّلُ منزلة المتواتر۔

یعنی جب امت کسی ضعیف حدیث کو قبول کرلے تو اسکے ساتھ صحیح والا معاملہ کیا جائیگا حتی کہ وہ حدیث حدیث متواتر کے درجہ میں ہو جائیگی۔ ظاھر بات ہے بیس رکعات تراویح پہ پوری امت کا اتفاق و عمل ہیں بیس رکعات والی تمام روایات کو امت نے بطور عمل لینے کے قبول کئے ہیں۔ یہ مسئلہ اختلافی نہیں امام مالک رحمہ اللہ سے جو مختلف روایات نقل ہیں اسکی بہترین توجیہ و تطبیق علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے الحاوی للفتاوی میں یوں نقل کرتے ہیں۔

عن مالک: التراویح ست وثلاثون رکعة غیر الوتر لقول نافع ادرکت الناس وھم یقومون رمضان بتسع وثلاثین رکعة یؤترون منھا بثلاث.الخامس انھا تستحب لاھل المدینة ستاوثلاثین رکعة تشبیھا باھل مکة حیث کانو یطوفون بین ترویحتین طوافا ویصلون رکعتیه ولایطوفون بعدالخامسة، فاراد اھل المدینة مساواتھم فجعلو مکان کل طواف اربع رکعات۔

(الحاوی للفتاوی للسیوطی ص415 ج1، از مکتبہ شاملہ) بہر حال تراویح چاروں ائمہ کے نزدیک بیس ہی ہیں۔لھذا بیس رکعات تراویح والی روایات پر بحث کرنا ان روایات کی راویوں کی تضعیف ثابت کرنا کم عقلی اور جہالت ہے۔بلکہ بیس رکعات والی ساری احادیث محدثین کے اصول اور قانون کے مطابق اعلی درجے کی صحیح احادیث ہے۔

مبحث رابع۔کیا آٹھ رکعات کو تراویح کہنا صحیح یا نہیں؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔

ان علیا امر رجلا ان یصلی بالناس خمس ترویحات عشرین رکعة۔

(کنزالعمال ص192 ج8)

=÷=

یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ لوگوں کو پانچ ترویحات کے ساتھ بیس رکعات تراویح پڑھائیں۔

یاد رکھئے: تراویح جمع ہے ترویحۃٌ کی اور ترویحہ اس وقفے کو کہا جاتا ہے جو چار رکعات پڑھنے کے بعد کیا جاتا ہے، اور جمع کی کم از کم مقدار تین ہیں۔ تو اس لحاظ سے تین ترویحے بارہ رکعات بنتے ہیں، بارہ رکعت سے کم کو تراویح کہنا از روئے لغت وشرع دونوں باطل ہیں اب مذکورہ بالا روایت میں خمس ترویحات یعنی پانچ ترویحات کا لفظ جو آیا اس سے کونسے پانچ ترویحات مراد ہیں؟ آئیں سمجھیں! پہلی چار رکعات پڑھنے کے بعد وقفہ یہ ایک ترویحہ ہوا، پھر آٹھ رکعات کے بعد وقفہ یہ دو ترویحے ہوگئے، اور پھر بارہ رکعات کے بعد وقفہ، یہ ہوگئے تین ترویحے، اور پھر سولہ رکعات کے بعد آرام ووقفہ، یہ ہوگئے چار ترویحے، اور پھر بیس رکعات تراویح مکمل ہونے کے بعد اور وتر سے پہلے وقفہ، یہ ہوگئے پانچ ترویحے۔

لہذا مذکورہ بالا روایت سے پتہ چلا کہ چار چار رکعات پڑھنے کے بعد آرام اور وقفہ کرنے کو ترویحہ کہا جاتا ہے۔ جبکہ غیر مقلدین آٹھ رکعت پڑھتے ہیں اور آٹھ رکعات میں صرف ایک ترویحہ آتا ہے یعنی پہلی چار رکعات آدا کرنے کے بعد۔

تو غیر مقلدین ترویحہ تو پڑھتے ہیں لیکن تراویح نہیں، اور اگر آٹھ رکعت پڑھنے کے بعد اور وتر پڑھنے سے پہلے وقفہ وآرام کر لیں تو بھی تراویح نہیں بلکہ ترویحیں ہوگئے، کیونکہ تراویح کا اطلاق کم از کم بارہ رکعات پہ ہوتا ہیں اس سے کم پہ نہیں ہوتا۔

اور آخیر میں ایک مزے کی بات یہ بھی آپ کو بتاتا چلو کہ بیس رکعات تراویح پہ تمام امت محمدیہ کا اتفاق ہیں مسلمانوں کو چھوڑئے بلکہ غیر مسلم عسائیوں کو بھی پتہ تھا کہ تراویح جو رمضان شریف میں مسلمان پڑھتے ہیں وہ بیس رکعت ہی ہیں۔ مشہور غیر مسلم عسائی مصنف صاحب منجد تراویح کے متعلق لکھتے ہیں:

وھی اسم لعشرین رکعۃً۔ (المنجد ص290) یعنی تراویح بیس رکعات پڑھنے ہی کا نام ہیں۔

=:=

درس(2)اختلاف آٹھ اور بیس کا نہیں بلکہ تراویح ماننے اور نہ ماننے کا ہے۔

ہمارے ہاں اکثر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ تراویح میں ہمارے اور غیر مقلدین کے درمیان اختلاف آٹھ اور بیس رکعات کا ہے حالانکہ ایسا نہیں، میرے استاد محترم محقق العصر استاد الحدیث حضرت مولانا منیر احمد منور صاحب دامت برکاتھم العالیہ نے ایک لاجواب کتاب بنام (منکرین تراویح کیلئے لمحہ فکریہ) لکھی ہے اس میں مثالوں کے ساتھ یہ بات ثابت کی گئی ہے کہ ہمارے اور غیر مقلدین درمیان اختلاف آٹھ اور بیس کا نہیں بلکہ نماز تراویح کو ماننے اور نہ ماننے کا ہے آٹھ تراویح والے سرے سے نماز تراویح کو مانتے ہی نہیں وہ نماز تراویح کے منکر ہیں۔

دیکھئے! کسی چیز کے انکار کے دو طریقے ہیں ایک ہے صراحتاً انکار کرنا دوسرا ہے منافقانہ طریقے سے انکار کرنا جس میں ظاہری طور پر اقرار ہوتا ھے عنوان بھی مثبت ہوتا ھے لیکن اسکے تہہ میں انکار چھپا ہوا ہوتا ہے۔

اسکو ایک مثال سے سمجھئے۔ دو آدمی نماز عشاء کی رکعات میں اختلاف کرتے ہیں ایک کہتا ہے کہ عشاء کی فقط تین رکعات ہیں دوسرا کہتا ہے تین نہیں بلکہ چار رکعات ہیں۔

یہاں بظاہر اختلاف تین اور چار رکعات کا ہے لیکن حقیقت میں عشاء کی تین رکعات بتانے والا نماز عشاء کا منکر ہے اور چار رکعات بتانے والا نماز عشاء کا قائل ہے کیونکہ جب ہر ایک سے اسکی وضاحت طلب کی گئی تو تین رکعات بتانے والے نے کہا کہ اصل میں مغرب اور عشاء ایک ہی نماز کے دو نام ہیں غروب آفتاب کے بعد جو نماز پڑھی جاتی ہے اسی کا نام نماز مغرب اور عشاء ہیں۔ چونکہ مغرب کی تین رکعات ہیں تو عشاء کی بھی تین رکعتیں ہونگیں۔اس کا کہنا ہے کہ عشاء کی نماز کوئی مستقل جدا نماز نہیں بلکہ نماز مغرب کا دوسرا نام نماز عشاء ہے اور حدیث پاک میں نماز مغرب کیلئے نماز عشاء کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ لہذا جب مغرب کی تین رکعتیں ہیں تو عشاء کی بھی تین رکعتیں ہو نگی، دوسری طرف چار رکعت بتانے

والے کا کہنا ہے کہ مغرب اور عشاء دو مستقل اور جدا جدا نمازیں ہیں، ہر ایک کا وقت رکعات کی تعداد، حتی کا بعض احکام بھی ایک دوسری نماز سے مختلف ہے۔ مغرب کی تین رکعتیں ہیں اور عشاء کی چار رکعتیں ہیں مغرب غروب شمس کے بعد اور عشاء غروب شفق کے بعد پڑھی جاتی ہے جب دونوں کا وقت علیحدہ علیحدہ ہے اور رکعتوں کی تعداد بھی مختلف ہے تو یہ دونوں نمازیں مستقل اور جدا جدا نمازیں ہوئی۔ جس مثال کو ہم نے آبھی بیان کیا اس میں غور کریں تو بظاہر ان دونوں کے درمیان تین اور چار رکعات کا اختلاف معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقت میں عشاء کی تین رکعات بتانے والا شخص نماز عشاء کا منکر ہے بالکل اسی طرح جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ نماز تراویح آٹھ رکعت ہے وہ دراصل نماز تراویح کے منکر ہیں اور چوبیس تراویح کے قائل ہیں وہ نماز تراویح کو ایک مستقل نماز مانتے ہیں کیونکہ جب آٹھ تراویح والوں سے ہم پوچھتے ہیں تو وہ اپنے دعوے کی وضاحت یوں کرتے ہیں کہ دراصل تہجد اور تراویح ایک ہی نماز کے دونام ہیں۔گیارہ ماہ جو نماز تہجد کے نام سے پڑھی جاتی ہے رمضان میں اسی کا نام تراویح ہو جاتا ہے۔ پس نماز تراویح نماز تہجد سے جدا کوئی مستقل نماز نہیں اور چونکہ تہجد کی آٹھ رکعات ہیں تو تراویح کی بھی آٹھ رکعات ہو نگی۔ جبکہ بیس رکعات تراویح کے قائلین کا نظریہ یہ ہے کہ تہجد جدا نماز ہے اور تراویح جدا نماز ہے، یہ دو مستقل نمازیں ہیں۔ اب بظاہر اختلاف یہ ہو رہا ہے کہ تراویح آٹھ ہے یا بیس۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ آٹھ رکعات پڑھنے والے نماز تراویح کے منکر ہے وہ اسکو مستقل نماز مانتے ہی نہیں۔

مثال نمبر (2)

غیر مقلدین لفظ بھولتے ہیں تراویح کا لیکن درپردہ وہ اس سے نماز تہجد مراد لیتے ہیں جیسا کہ شیعہ رافضی جب کہتے ہیں کہ ہم قرآن کو مانتے ہیں تو انکی مراد وہ قرآن ہوتا ہے جو انکے عقیدے کے مطابق امام مہدی کے پاس غار میں ہے وہ اس موجودہ قرآن کو نہیں مانتے لیکن مسلمانوں کو دھوکہ دینے کیلئے دعویٰ یہی

کرتے ہیں کہ ہم قرآن کو مانتے ہیں۔ اسی طرح غیر مقلدین تراویح کو مانتے ہی نہیں پس صرف دعویٰ تراویح کا کرتے ہیں۔

اسی طرح قادیانی جب کلمہ پڑھتے ہیں تو وہ محمد رسول اللہ سے مرزا قادیانی مراد لیتے ہیں لیکن مسلمانوں کو دھوکہ دینے کیلئے کہتے ہیں کہ ہم محمد رسول اللہ کو مانتے ہیں اسی طرح غیر مقلدین بھی یہی کہتے ہیں کہ ہم نماز تراویح کو مانتے ہیں مگر وہ اس سے نماز تہجد مراد لیتے ہیں، نماز تراویح کے منکر ہیں۔ شاھد کوئی یہ کہے کہ یہ مذہبی تعصب کی وجہ غیر مقلدین پر الزام ہے وہ نماز تراویح اور نماز تہجد کو دو الگ الگ مستقل جدا نمازیں سمجھتے ہیں۔

تو آئیں: غیر مقلدین کا نظریہ انہی کی کتب سے دکھاتے ہیں کہ وہ نماز تراویح اور تہجد کو ایک ہی نماز سمجھتے ہیں۔

(1) مشہور غیر مقلد عالم مولانا محمد صادق سیالکوٹی صاحب لکھتے ہیں! نماز تراویح اور تہجد دراصل ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ (صلوٰۃ الرسول ص 378)

(2) اسی طرح مولانا نزیر احمد رحمانی اعظمی صاحب لکھتے ہیں! تہجد فی رمضان اور تراویح میں کوئی فرق نہیں۔ (انوار المصابیح ص 80)

(3) معروف غیر مقلد ڈاکٹر شفیق الرحمان صاحب اپنی کتاب میں لکھتے ہیں! ماہ رمضان میں تہجد اور قیام رمضان الگ الگ نہیں بلکہ ایک (چیز ہے۔ (نماز نبوی ص 241)

(4) اسی طرح غیر مقلد عالم شیخ مولانا خالد سیف صاحب لکھتے ہیں! تہجد اور نماز تراویح در حقیقت ایک ہی نماز ہے۔ (نماز مصطفیٰ ص 29)

دیکھئے! یہ بات بخوبی معلوم ہو گئی کہ غیر مقلدین نماز تراویح کو مستقل نماز نہیں مانتے ڈر کے مارے اقرار تو کرتے ہیں مگر مراد تراویح سے تہجد ہی لیتے ہیں جیسے کہ انکی کتب سے معلوم ہو گئی۔

=÷=

درس (3) نماز تراویح اور تہجد میں زمان وآسمان کا فرق:

حرمین شریفین سمیت تمام بلاد اسلامیہ میں مسلمان عالم تیرہ سو سال سے بالاتفاق بیس رکعت پڑھتے چلتے آرہے ہیں اس طویل عرصے میں مسلمانوں کی کسی بھی مسجد میں آٹھ رکعات تراویح عملاً نہیں پڑھی گئی۔ لیکن جب تیرہویں صدی کے آخر میں بعض لامذھب غیر مقلدین نے بیس رکعت مسنون تراویح کا انکار کرکے آٹھ تراویح کا مسئلہ گھڑا تو ان کو کوئی صحیح حدیث اپنے مدعی کو ثابت کرنے کیلئے نہ ملی تو مجبور ہو کر یہ کہنا شروع کردیا کہ تراویح کوئی مستقل علیحدہ نماز نہیں ہے بلکہ تہجد کی نماز کو رمضان المبارک کے ایک مہینے میں تراویح کہاجاتا ہے، ظاھر ہے کہ صحیح احادیث میں تہجد کی نماز کی آٹھ رکعتیں ثابت ہیں۔ پس جب یہ دعوی کیاجائیگا کہ تراویح اور تہجد ایک ہی نماز ہے تو اس طریقہ سے تراویح کی آٹھ رکعتیں خود بخود ثابت ہو جائینگی، یہ ہے وہ مجبوری جس کی وجہ سے غیر مقلدین نے نماز تراویح اور نماز تہجد کو ایک بنایا۔ حالانکہ نماز تہجد اور تراویح میں زمین وآسمان کا فرق ھے۔ آج ہم اختصار کے ساتھ دس فرق بیان کرئینگے۔

پہلا فرق:

تہجد قرآن مجید کی آیت: ومن الیل فتهجد به نافلة لک: سے ثابت ہے جبکہ تراویح حدیث سے ثابت ہے۔

دوسرا فرق:

تراویح کو فقہائے کرام ومحدثین قیام رمضان کہتے ہیں جبکہ تہجد کا دوسرا نام کا قیام الیل ھے مشہور غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن خان نے کہاہے کہ قیام الیل اور قیام رمضان دو جدا جدا نمازیں ہیں چناچہ موصوف لکھتے ہیں:

واما قیام الیل فهو غیر قیام رمضان۔ یعنی قیام الیل (تہجد) قیام رمضان (تراویح) کا غیر ہے۔

=:=

(نزل الابرار بالعلم الماثور من الادعیۃ ولاذکار-ص302-)

تیسرا فرق:-

تراویح کی نماز مدینہ منورہ میں شروع ہوئی جبکہ تہجد کی نماز مکہ مکرمہ سے شروع ہوئی ہے کیونکہ سورۃ مزمل ہجرت سے قبل مکہ میں نازل ہوئی ہے اور اسی سے تہجد کی مشروعیت ثابت ہے-

چوتھا فرق:-

تراویح ابتداء سے سنت کی حیثیت سے رائج ہوئی ھے جبکہ تہجد ابتداءً فرض تھی پھر منسوخ ہو کر نفل بنی-
جیسے کہ ابوداؤد شریف ص189 ج1-باب صلوٰۃ الیل میں حدیث ہے کہ سحر بن ہشام رحمہ اللہ نے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے تہجد کے متعلق پوچھا تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے تہجد کے متعلق تفصیل سے بتایا آخیر میں فرمانے لگی فقام قیام الیل تطوعا بعد فریضیہ-
یعنی تہجد پہلے فرض تھی بعد میں نفل میں بدل گئی-جبکہ تراویح کبھی بھی فرض نہیں ہوتی ہے۔

پانچواں فرق:

سنت مؤکدہ و غیر مؤکدہ میں فرق-تہجد سنت غیر مؤکدہ ہے جیساکہ آبھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں گزرا کہ تہجد پہلے فرض تھی پھر فرضیت منسوخ ہو کر نفلی نماز بن گئی جبکہ تراویح سنت مؤکدہ ہے چناچہ ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

والحاصل ان الاصح فیھا انھا سنۃ مؤکدۃ

یعنی صحیح ترین بات یہ ہے کہ تراویح سنت مؤکدہ ہے۔(شرح النقایہ ص341 ج1)

خود سوچئے! ایک نماز سنت غیر مؤکدہ ہے دوسری نماز سنت مؤکدہ ہے یہ دونوں نمازیں ایک کیسے ہو سکتی ہے۔

چھٹا فرق:

نماز تراویح کے متعلق آپ علیہ السلام کو خطرہ تھا کہ شاید فرض ہو جائے اسی لئے آپ نے جماعت کی پابندی نہیں کی جبکہ تہجد کے بارے میں فرضیت کا کوئی خطرہ نہ تھا کیونکہ ایک دفعہ اس کی فرضیت منسوخ ہو چکی تھی دوبارہ کوئی خطرہ تھا ہی نہیں۔

ساتھواں فرق:

تروایح میں کم از کم ایک مرتبہ پورا قرآن کریم ختم کرنا خلفائے راشدین کی سنت ہے جبکہ تہجد میں قراۃ کی کوئی مقدار متعین نہیں۔

آٹھواں فرق:

تراویح اول شب میں آدا کی جاتی ہے جبکہ تہجد کا افضل وقت رات کا آخری حصہ ہے۔ غیر مقلدین کے شیخ الاسلام مولانا ثناءاللہ امرسری سے سوال کیا گیا کہ جو شخص رمضان المبارک میں عشاء کے وقت نماز تراویح پڑھ لے وہ پھر آخیر رات میں تہجد پڑھ سکتا ہے کہ نہیں؟ موصوف جواب میں فرماتے ہیں پڑھ سکتا ہے تہجد کا وقت ہی صبح سے پہلے کا ہے اول شب میں تہجد نہیں ہوتی۔ (فتاویٰ ثنائیہ ص682ج1)

اب سوال یہ ہے کہ اگر تہجد اور نماز تراویح ایک ہی نماز کے دو نام ہیں تو تراویح پڑھنے کے بعد تہجد پڑھنے کی آخر ضرورت ہی کیا ہے؟

=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=

نواں فرق:

تراویح کے رکعات کی تعداد متعین ہے ہمارے نزدیک بیس غیر مقلدین کے نزدیک آٹھ ہے جبکہ تہجد کی رکعات متعین نہیں ہے اپنی ہمت کے مطابق وتروں کے علاوہ دو رکعت سے دس رکعت تک پڑھ سکتے ہیں۔

دسواں فرق:

تراویح کے بعد وتروں کا جماعت کے ساتھ پڑھنا خلفائے راشدین کی سنت ہے جبکہ تہجد کے بعد وتروں کی جماعت کا سنت ہونا ثابت نہیں۔

مزید تفصیل استاد العلماء نور محمد تونسوی صاحب رحمہ اللہ کی کتاب مسنون تراویح یا پھر محقق العصر حضرت مولانا منیر احمد منور صاحب کی کتاب بنام نماز تہجد و تراویح میں فرق۔ میں دیکھئے۔

=÷=

درس (4) بخاری شریف میں موجود حدیث عائشہ رض کا تراویح کے ساتھ تعلق نہیں

غیر مقلدین بخاری شریف کی حدیثِ عائشہ رضی اللہ عنھا سے استدلال باطل کر کے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ رکعت تراویح پڑھی ہیں۔ حالانکہ حدیثِ عائشہ رضی اللہ عنھا کا تراویح کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ پہلے وہ حدیث ملاحظہ فرمائیں اسکے بعد غیر مقلدین کے استدلال باطل کا جواب ذکر کرینگے۔

عن ابی سلمة بن عبدالرحمن انه اخبره سئل عائشة رضی الله عنها کیف کانت صلوٰة رسول الله صلی الله علیه وسلم فی رمضان فقالت ماکان رسول الله صلی الله علیه وسلم یزید فی رمضان ولافی غیره علیٰ احدیٰ عشرة رکعةً یصلی اربعاً فلاتسئل عن حسنهن وطولهن ثم یصلی اربعا فلاتسئل عن حسنهن وطولهن ثم یصلی ثلٰثاً قالت عائشة فقلت یارسول الله صلی الله علیه وسلم اتنام قبل ان توتر فقال یا عائشة ان عینی تنامان ولاینام قلبی۔

(بخاری شریف ص154 ج1 مکتبہ رحمانیہ پاکستان)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان و غیر رمضان میں گیارہ رکعتیں پڑھا کرتے تھے (آٹھ تہجد اور تین وتر) غیر مقلدین کہتے ہیں کہ آٹھ رکعات تراویح اور تین وتر تھے۔

جواب:

دیکھئے! اس حدیث کا تراویح کیساتھ کچھ بھی تعلق نہیں کیونکہ مجتہدین ائمہ اربعہ میں سے کسی نے بھی اس حدیث سے تراویح مراد نہیں لیا ہے اور نہ کوئی امام آٹھ رکعات تراویح کا قائل ہیں۔ امام ترمذی رحمہ اللہ تعداد تراویح کے متعلق مختلف اقوال ذکر کرتے ہیں مگر آٹھ رکعات تراویح والے قول کو ذکر کرنا تو دور کی بات اسکی طرف اشارہ تک بھی نہیں کیا ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ کی عبارت ملاحظہ فرمائیں۔

واختلف اهل العلم فی قیام رمضان فرائ بعضھم ان یصلی احدی واربعین رکعة مع الوتر وھوقول اھل المدینة واکثر اھل العلم علیٰ ماروی عن علی رضی اللہ عنه وعمر رضی اللہ عنه وغیرھما من اصحاب النبی صلی اللہ علیه وسلم عشرین رکعة وھو قول الثوری وابن المبارک والشافعی وقال الشافعی وھکذا ادرکت ببلدنا مکة یصلون عشرین رکعة.(ترمذی شریف ص166 1ج)

مذکورہ عبارت سے پتہ چلتاہے کہ امام ترمذی رحمہ اللہ کے دورتک آٹھ رکعت تراویح کانہ کوئی فاعل تھااور نہ ہی قائل-اورنہ ہی ائمہ کرام میں سے کسی امام نے آٹھ رکعت کی روایت نقل کی ہیں-

(1)اس روایت پر خود غیر مقلدین کا بھی عمل نہیں کیونکہ اسمیں چارچار رکعت کاذکر ہیں جبکہ غیر مقلدین دودودرکعت پڑھتے ہیں۔

(2)مذکورروایت میں تین رکعت وترکاذکرہے لیکن غیر مقلدین ایک رکعت وترپڑھتے ہیں-

(3)اس روایت میں سارے سال کی نمازکاذکرہے جبکہ غیر مقلدین ایک ماہ پڑھتے ہیں-

(4)اس روایت میں جماعت کاذکرنہیں ہے حال یہ ہے کہ غیر مقلدین تراویح جماعت کیساتھ پڑھتے ہیں

-

(5)بہت سی روایات سے یہ بات ثابت ہے کہ خلفائے راشدین کے دورمیں بیس رکعت تراویح ہوتی تھی اوراس وقت ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی حیات تھی تواگر یہ حدیث تراویح پر حمل کیاجائے پھرتویہ ناممکن بات ہے کہ مسجد نبوی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کے خلاف کوئی عمل شروع ہواورام المومنین اسپرخاموش رہے-غیر مقلدین سے ہم بصدادب ایک سوال کرتے ہیں کہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی موجودگی میں خلیفہ راشد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیس رکعت تراویح پر صحابہ کرام کو جمع فرمایاحضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اسکے خلاف کوئی احتجاج نہیں کیا مگرآج پندرہ صدیاں بعدایک غیر مقلد حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر تراویح کے مسئلے میں کھل کر تنقید

=÷=

کرتا ہے، کیا غیر مقلدین اپنی دینی غیرت کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ سمجھتے ہیں یا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حق چھپانے کی مرتکب سمجھتی ہیں؟

=÷=